إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق

سلسلۂ دارالمصنفین

نمبر ۵۸

تاریخ اخلاق اسلامی

حصہ اول

جس میں اولاً بعثت نبوی سے پہلے اہل عرب کے اخلاق کی تفصیل کیگئی ہی اس کے بعد دورِ نبوت میں اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، ان کے اسباب و محرکات، اُن کے انواع و اصناف اور ان کی عملی تشکیل و تکمیل کے تمام مظاہر قرآن و حدیث سے اخذ کر کے بیان کئے گئے ہیں،

از

عبد السلام ندوی

باہتمام مولوی مسعود علی صاحب ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈہ مطبوع گردید

۱۳۵۸ھ
۱۹۳۹ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

اقوام و ملل کی تاریخ جن اجزا و عناصر کی ترکیب سے وجود میں آئی ہو اون میں اخلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے، اور اسلام نے بھی اس کو خاص اہمیت دی ہو، لیکن ان اخلاقی عناصر کا سراغ لگانا، اون میں ایک خاص تاریخی نظم و ترتیب پیدا کرنا، اور ہر دور میں اون کے تغیرات و انقلابات کو دکھلانا سخت مشکل کام ہے، اسی لئے قوموں کی اخلاقی تاریخ مرتب کرنے کی بہت کم جرات کی گئی ہو کیونکہ کسی قوم کی سیاسی تاریخ کا مرتب کردینا نہایت آسان کام ہے، بادشاہوں کے حالات، اون کے دور حکومت کی ترتیب، اور اون کے سیاسی کارنامے عام طور پر تاریخوں میں مدون ہیں، اور اون کو جمع کرکے سیاسی تاریخ کا لکھدینا چنداں دشوار نہیں، لیکن اخلاقی تاریخ کے اجزا نہایت منتشر اور پراگندہ حالت میں پائے جاتے ہیں، اور بادشاہوں کے اخلاق جدا، حکیموں اور فلاسفروں کے جدا، صوفیہ اور علماء کے جدا ہوتے ہیں، اور درجہ بدرجہ ہر دور میں ان میں اختلاف و تغیر پیدا ہوتا رہتا ہے،

قوموں کی اخلاقی تاریخ میں یہ تفریق اگرچہ سیاسی علمی اور مذہبی اسباب سے پیدا ہوتی ہے، لیکن صنعت وحرفت اور عام کاروباری زندگی سے قوم میں جو مختلف طبقات قائم ہو جاتے ہیں اُنکی اخلاقی حالت ان سب سے مختلف ہوتی ہی، اسلئے ان گوناگوں اخلاقی اجزا کے پتہ لگانے کیلئے ایک غیر محدود ماخذ کی ضرورت ہوتی ہی، اور بادشاہوں کے حالات فقہا ومحدثین کے تذکرے صوفیوں اور حکیموں کے تراجم، سفرنامے، جغرافیہ، قصے اور افسانے، غرض ایک قوم کے پورے لٹریچر کو پڑھنا پڑتا ہی، اور اس پر بھی تشفی بخش معلومات حاصل نہیں ہوتیں یہی وجہ ہی کہ ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک مسلمانوں نے اگرچہ ہر قسم کی تصنیفات کیں لیکن مسلمانوں کی اخلاقی تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی، انگریزی میں لیکی نے بے شبہہ تاریخ اخلاق یورپ لکھی ہی اور گو وہ بھی تمام یورپ کے اخلاق کی مکمل تاریخ نہیں ہی تاہم وہ ایک نمونہ ضرور ہی، اور اسکو دیکھکر مجھکو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر ممکن ہو تو مسلمانوں کے اخلاق کی تاریخ لکھکر اسلامی تصنیفات کی اس کمی کو پورا کیا جائے، اس غرض سے میں نے قرآن وحدیث اور تصوف واخلاق کے علاوہ تاریخ وادب، تذکرہ وتراجم، شعر وشاعری غرض ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اور ان کتابوں کے مطالعہ سے جو معلومات حاصل ہوئیں اگرچہ وہ بالکل تشفی بخش تو نہ تھیں تاہم مناسب یہی معلوم ہوا کہ ان سب کو جمع کرکے اسلامی اخلاق کی تاریخ کا ایک خاکہ قائم کردیا جائے، تاکہ اور لوگوں کو اُس میں نقش آرائی کرنے کا موقع ملے،

اس کتاب کا یہ پہلا حصہ صرف دور نبوت کی اخلاقی تاریخ پر مشتمل ہی اور اس کے بعد بہ ترتیب دور خلافت راشدہ، دور بنی امیہ، دور عباس وغیرہ کی اخلاقی تاریخ کے لکھنے کا ارادہ ہی، دعا ہے کہ خدا اوسکی تکمیل کے اسباب بھی مہیا کرے،

عبد السلام ندوی

شبلی منزل اعظم گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

اخلاقِ عرب قبل از اسلام

اخلاق کی تولید و نشو و نما کے مختلف علل و اسباب ہوتے ہیں، آب و ہوا، مرز و بوم اور ملکی احوال، مذہب و شریعت، حکومت و سلطنت، تہذیب و تمدن، وحشت و جہالت، طرزِ زندگی و معاشرت، غرض اس قسم کے متعدد اسباب ہیں جن سے قوموں کے اخلاق کی تولید اور نشو و نما ہوتی ہے، اور عرب میں بھی جو قومی نظامِ اخلاق اسلام سے پہلے قائم تھا، وہ اسی قسم کے اسباب کا نتیجہ تھا،

عرب کی گرم آب و ہوا، پتھریلی زمین اور کوہستانی مقامات نے اہلِ عرب کو نہایت پرجوش، مغلوب الغضب، مستقل مزاج اور جفاکش بنا دیا تھا، مذہبی حیثیت سے دینِ ابراہیمی کے اصول و ارکان محرف صورت میں اب بھی قائم تھے، اور اکل و شرب، نکاح و طلاق اور بیع و شراء کے متعلق اُن کا ایک مستقل نظامِ اخلاق قائم تھا، عرب میں جا بجا یہودیت اور نصرانیت بھی پائی جاتی تھی، اور اہلِ عرب پر اُن کا اخلاقی اثر بھی پڑتا تھا، اسلام سے پہلے خود عرب میں متعدد متمدن حکومتیں قائم تھیں، اور عرب کے ارد گرد جو سلطنتیں قائم تھیں، یعنی رومی

اور ایرانی حکومتیں خود عرب پر بھی ان کا اخلاقی اثر پڑتا تھا، اور بہت سے تمدنی، اخلاقی اور معاشرتی اصول اہل عرب نے انہی سلطنتوں سے سیکھے تھے،

وحشت وجہالت اور بدویانہ طرز معاشرت نے بھی اون میں ایک خاص قسم کا نظام اخلاق قائم کر دیا تھا، جو بُرے بھلے دونوں قسم کے اجزا سے مرکب تھا، اور اس نظام اخلاق نے جو مختلف علل واسباب کا نتیجہ تھا، اہل عرب کے اخلاقی احساس کو بالکل زندہ رکھا تھا اور اُس نے اسلام سے پہلے اون میں ایک خاص قسم کی اخلاقی زندگی پیدا کردی تھی، اور اسی زندگی کو پیش نظر رکھکر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ایک خاص باب باندھا ہے جس کی سرخی یہ ہے، "اہل جاہلیت کی اوس حالت کا بیان جس کی اصلاح رسول اللہ صلعم نے کی" اور اس میں جو کچھ لکھا ہے، اوس سے ثابت ہوتا ہو کہ بہت سی قابل اصلاح باتوں کے ساتھ اون میں متعدد اخلاقی خوبیاں بھی موجود تھیں، چنانچہ ہم اس کے جستہ جستہ فقروں کا خلاصہ اس موقع پر درج کرتے ہیں، جن سے ثابت ہوگا کہ اسلام سے پہلے عرب محاسن اخلاق سے بالکل معرا نہ تھے بلکہ اخلاقی تعلیمات کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، وہ لکھتے ہیں:۔

"اون میں زکوٰۃ کا رواج تھا اور وہ لوگ اوس سے مہمانی، مسافروں اور ضعیفوں کی مدد، مسکینوں پر صدقہ، صلہ رحمی، اور راون مصیبتوں میں جو حق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، باہم اعانت کرتے تھے، اور ان اوصاف کی بنا پر لوگوں کی مدح کرتے تھے، اور یہ جانتے تھے کہ یہ انسان کی سعادت اور کمال ہیں، حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ "خدا کی قسم خدا آپ کو ہرگز ذلیل وخوار نہ کرے گا، آپ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کرتے ہیں، ضعیفوں کی مدد اور ان مصیبتوں میں جو حق کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، اعانت کرتے ہیں، ابن الدغنہ نے بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے

ایسا ہی کہا تھا،

عاص بن وائل نے وصیت کی تھی کہ اسکی جانب سے اس قدر غلام آزاد کیے جائیں کھانے، پینے، لباس، ولیمہ، عید، تجہیز و تکفین، نکاح و طلاق، عدت، سوگ، بیع او معاملات کے متعلق اون کے یہاں مستحکم طریقے قائم تھے، اور اُن کے چھوڑنے پر وہ لوگ باہم ملامت کرتے تھے، وہ محارم مثلاً لڑکیوں، ماؤں اور بہنوں وغیرہ کو اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے، اور اُن کے یہاں مظالم کے روکنے والے قانون موجود تھے، مثلاً قصاص، دیت، اور قسامت اور زنا اور چوری کی سزائیں، اون میں کسریٰ اور قیصر کی وجہ سے تمدن کے تیسرے اور چوتھے درجہ کے علوم داخل ہو گئے تھے، لیکن ان میں غلاموں کے قید کرنے، لوٹ مار کرنے اور زنا اور نکاحات فاسدہ کے پھیل جانے سے بدکاری اور ظلم پھیل گئے تھے[1]،،

اس تصریح سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام سے پہلے اہلِ عرب ایک خاص نظامِ اخلاق کے پابند تھے، جو برُے بھلے دونوں قسم کے اجزار پر مشتمل تھا، اس لئے ہم اسلامی نظامِ اخلاق سے پہلے عرب کے قدیم جاہلی نظامِ اخلاق کے تمام اجزار کی تفصیل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اسلام نے اس نظامِ اخلاق میں کیا کیا اصلاحیں کیں،

رذائلِ اخلاق

شراب خواری زمانۂ جاہلیت میں شراب خواری کا عام رواج تھا، اور وہ فیاضی کے اظہار کا ایک بہترین ذریعہ خیال کی جاتی تھی، شعرائے جاہلیت کے اشعار کے علاوہ مستند روایات سے ثابت

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر ص۱۰۱،

ہوتا ہے کہ مدینہ میں علانیہ شراب کا دور چلتا تھا،

عرب کے بعض حصوں کے باشندے ضرورۃً بھی شراب کو استعمال کرتے تھے، چنانچہ ایک بار دیلم حمیری نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بیان کیا کہ "ہم لوگ سرد ملک میں رہتے ہیں اور سخت کام کرتے ہیں، اس غرض سے گیہوں کی شراب بناتے ہیں تاکہ ہم میں ان سخت اعمال اور ملک کی سردی برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو" آپ نے فرمایا "کیا وہ نشہ آور ہوتی ہے؟" بولے "ہاں" فرمایا "تو اُس سے احتراز کرو" اونھوں نے کہا کہ "لوگ اوس کو نہیں چھوڑیں گے" ارشاد ہوا کہ "اگر نہ چھوڑیں تو اُن سے جنگ کرو"[1]

شراب نوشی کے اس عام رواج کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ جب کوئی قوم کسی خاص چیز کی شدت سے خوگر ہو جاتی ہے، تو اُس کی ممانعت کے دو طریقے اختیار کیے جاتے ہیں، ایک یہ کہ بتدریج اوس سے روکا جائے، دوسرے یہ کہ نہایت شدت و تاکید کے ساتھ دفعۃً اُس کی ممانعت کر دی جائے، قرآن مجید میں شراب کی حرمت کے متعلق متعدد آیتیں نازل ہوئی ہیں، اور اُن آیتوں کی نسبت مفسرین نے بھی دونوں احتمال اختیار کیے ہیں بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان آیتوں کے ذریعہ سے اہلِ عرب کو بتدریج شراب نوشی سے روکا گیا ہے، تاکہ دفعۃً یہ ممانعت اون کے لئے شاق نہ ہو، اور وہ اوس پر عمل نہ کر سکیں، لیکن بعض مفسرین کے نزدیک شراب نوشی کی ممانعت دفعۃً واحدۃً کر دی گئی، اس کے بعد حرمتِ شراب کے متعلق اور جو آیتیں نازل ہوئیں، اُن سے اسی پہلے حکم کی تاکید و تکمیل مقصود تھی،

لیکن بایںہمہ شراب نوشی کی اس کثرت نے اہلِ عرب کے حاسۂ اخلاقی کو بالکل مردہ نہیں کر دیا تھا، بلکہ چند لوگ ایسے بھی موجود تھے جو شراب نوشی کے نقصانات سے واقف

---

[1] ابوداؤد کتاب الاشربہ باب النہی عن المسکر،

تھے، اور اُس سے احتراز کرتے تھے، چنانچہ متعدد صحابہؓ مثلاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ وغیرہ نے زمانۂ جاہلیت ہی میں اس کو ترک کر دیا تھا، اور اون کے علاوہ جیسا کہ امالی ابوعلی قالی میں ہے:

حرم رجال الخمر فی الجاھلیۃ تکرما وصیانۃ لانفسھم،

بہت سے لوگوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں شرافت اور تحفظِ نفس کیلئے شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا،

اس کے بعد اس گروہ میں عامر بن ظرب، قیس بن عاصم، صفوان بن امیہ، عفیف بن معدیکرب، سوید بن عدی کے نام گنائے ہیں، اور شراب کے نقصانات کے متعلق اون کے اشعار نقل کئے ہیں[1]،

قمار بازی شراب خواری کی طرح عرب میں قمار بازی بھی فیاضی کا ایک مظہر تھی، اور اس کا طریقہ یہ تھا کہ اونٹوں کو ذبح کرکے اون کے گوشت کو دس ٹکڑوں میں تقسیم کر دیتے تھے، اور انہی ٹکڑوں پر پانسہ ڈالتے تھے، ان پانسوں کی صورت یہ تھی کہ دس تیر مقرر کر لئے تھے، جن کے الگ الگ نام اور الگ الگ حصے مقرر تھے، کسی تیر کا ایک حصہ کسی کا دو حصہ کسی کا تین حصہ مقرر تھا، بعض تیر ایسے بھی تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا، غرض اس طریقہ پر جب جوا کھیلتے تھے، تو ان تیروں کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک عادل شخص کے ہاتھ میں دیدیتے تھے، اور وہ اون سب کو باہم گڈمڈ کر دیتا تھا، اس کے بعد وہ ایک ایک شخص کا نام لے کر ایک ایک تیر نکالتا جاتا تھا، اور جس شخص کے نام جو تیر نکلتا تھا، اس کا مقررہ حصہ اوس کو مل جاتا تھا، لیکن جس شخص کے نام وہ تیر نکلتا تھا جس کا کوئی مقررہ حصہ نہ تھا وہ ناکامیاب رہتا تھا، اور اوس کو تمام ذبح شدہ اونٹوں کی قیمت ادا کرنی پڑتی

[1] کتاب مذکور جلد اول ص ۲۰۷

تھی، لیکن اس طرح جن لوگوں کو گوشت کے ٹکڑے ملتے تھے، وہ اون کو خود نہیں کھاتے تھے، بلکہ فقرا ور پر تقسیم کر دیتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے، اور چونکہ یہ فیاضی کے اظہار کا ایک طریقہ تھا، اس لئے جو لوگ اس میں حصہ نہیں لیتے تھے اون کو سخت بخیل خیال کرتے تھے، اور ان کو اس قدر ذلیل و خوار سمجھتے تھے کہ انکے ساتھ شادی بیاہ کرنا بھی پسند نہیں کرتے تھے

جوے کی اس خاص صورت کا نام میسر تھا، اور قرآن مجید میں اسی کو حرام قرار دیا گیا ہی،

یسئلونك عن الخمر والمیسر	لوگ تم سے شراب اور جوے کے متعلق
قل فیهما اثم کبیر و منافع	سوال کرتے ہیں، کہدو کہ ان دونوں
للناس و اثمهما اکبر من	میں بڑا گناہ ہی، اور لوگوں کے فائدے
نفعهما، ہ	بھی ہیں، لیکن ان دونوں کا گناہ انکے
(بقرہ۔ رکوع ۲۷)	فائدے سے بڑا ہے،

لیکن اس کے علاوہ جوے کی ایک صورت جس کو "رہان" کہتے تھے، یہ تھی کہ کسی شرط پر بازی لگاتے تھے، اور جب وہ شرط پوری نہیں ہوتی تھی تو جس چیز پر بازی لگاتے تھے اسکو لے لیتے تھے، اس قسم کی بازیاں چونکہ زیادہ تر گھوڑ دوڑ میں لگائی جاتی تھیں، اسی لئے عربی زبان میں گھوڑ دوڑ کو رہان کہتے ہیں، اور اسلام نے بھی فوجی طاقت کی نشو و نما کے لئے اسکو جائز رکھا ہے، لیکن عرب میں بعض اوقات یہ صورت پہلی صورت سے زیادہ خطرناک ہو جاتی تھی، اور لوگ مال و دولت کے علاوہ بال بچوں پر بازی لگا دیتے تھے،

سود خواری تمام عرب بالخصوص مکہ اور طائف میں سود خواری کا عام رواج تھا، اور جو لوگ دولت مند ہوتے تھے وہ عموماً لوگوں کو سود کی بڑی بڑی شرحوں پر قرض دیتے تھے حضرت عباس بن عبد المطلب رضہ بہت بڑے پیمانہ پر تجارت کرتے تھے، اور اسی نسبت سے

نہایت وسیع پیمانہ پر سودی کاروبار بھی پھیلا رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع میں سود کی حرمت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے انہی کے سود کو ناجائز قرار دیا،
طائف بہت زیادہ دولت مند اور مرفہ الحال شہر تھا، اس لئے یہاں خصوصیت کے ساتھ یہ وبا پھیلی ہوئی تھی اسی بنا پر جب رسول اللہ صلعم نے ان لوگوں سے معاہدۂ صلح کیا، تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ سود نہ لیں گے، طائف کے رؤسا میں مسعود ثقفی اور اُس کے بھائی عبد یالیل، حبیب اور ربیعہ نہایت دولت مند تھے، اور بنو مغیرہ انہی لوگوں سے سود پر قرض لیتے تھے، چنانچہ طائف کی فتح کے بعد جب یہ چاروں بھائی اسلام لائے تو انھوں نے بنو مغیرہ سے سود کا تقاضا کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ	مسلمانو! خدا سے ڈرو اور بقیہ سود
وذروا مابقی من الربٰوا ان	کو اگر تم مسلمان ہو تو چھوڑ دو،
کنتم مومنین (بقرہ رکوع ۳۸)	

سود کا عام طریقہ یہ تھا کہ ایک معین شرح پر قرض دیتے تھے، اور اُس کے لئے ایک مدت مقرر کر دیتے تھے، جب یہ مدت گذر جاتی تھی تو قرض کا تقاضا کرتے تھے، اگر مدیون اس کو ادا نہیں کر سکتا تھا تو مدت بڑھا دیتے تھے، لیکن اُسی کے ساتھ شرحِ سود بھی بڑھا لیتے تھے، لیکن سود خواری کا سب سے زیادہ ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کو ایک مقررہ مدت کے لئے مثلاً سو درہم دیتے تھے، لیکن جب مدت گذر جاتی اور تقاضا کرتے اور مدیون اس رقم کو ادا نہ کر سکتا تو اس کو بڑھا کر دوگنا یعنی دوسو درہم کر دیتے، اور اس کے ادا کرنے کے لئے بھی ایک مدت مقرر کر دیتے، پھر جب یہ مدت گذر چکتی تو اس رقم کو اور بڑھاتے جاتے یہاں تک کہ سو درہم کے کئی سو درہم ہو جاتے، چنانچہ قرآنِ مجید کی اس آیت میں

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ (آل عمران ع ۱۴)	مسلمانو! دونا سہ گنا سود نہ کھاؤ،

خداوند تعالیٰ نے اسی طریقہ کی ممانعت کی ہے،

اہل عرب کے علاوہ عرب میں جو عیسائی اور یہودی آباد تھے وہ بھی علانیہ سود لیتے تھے، بالخصوص مدینہ کی آبادی یہودیوں کے سودی قرض سے زیربار تھی، اور نجران کے عیسائی بھی سودی کاروبار کرتے تھے،

رشوت خواری جن قوموں میں کوئی باضابطہ نظام حکومت قائم نہیں ہوتا، اُن میں مقدمات کا فیصلہ سرداران قبائل کرتے ہیں، عرب میں بھی یہی لوگ مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے، لیکن اون کے فیصلے بے لاگ نہیں ہوتے تھے، بلکہ رشوت لے کر انصاف کے خلاف فیصلے کیا کرتے تھے، اس بنا پر قرآن مجید نے رشوت خواری کی ممانعت کی،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم	اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ
بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام	اور حکام کو اس غرض سے رشوت نہ
لتاکلوا فریقا من اموال الناس	دو کہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ ناجائز
بالاثم وانتم تعلمون	طور پر کھالو حالانکہ تم یہ جانتے ہو کہ یہ
(بقرہ - ۲۳)	ناجائز ہے،

عرب میں سب سے زیادہ دولت مند اور کاروباری قوم یہودیوں کی تھی، اس لئے ان میں رشوت خواری کا خصوصیت کے ساتھ رواج ہوگیا تھا، اور وہ اس کے ذریعہ سے ہر موقع پر کام نکالنا چاہتے تھے، چنانچہ جب رسول اللہ صلعم نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو اس غرض سے خیبر بھیجا کہ حسب شرائط صلح وہاں کے یہودیوں سے پیداوار تقسیم کرا کے

لائیں، تو گو اُنھوں نے نہایت انصاف کے ساتھ تقسیم کی لیکن یہود اس سے بھی زیادہ رعایت کے خواستگار تھے، اس لئے اُنھوں نے عورتوں کے زیورات جمع کئے، اور اُن کو بطور رشوت کے دینا چاہا، لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا، اور فرمایا،

فاما ما عرضتم من الرشوة — تم لوگوں نے جو یہ رشوت پیش کی ہو تو وہ

فانها سحت وانا لا ناکلها،[1] — حرام ہو اور ہملوگ اسکو نہیں کھاتے،

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اُن لوگوں نے ابن رواحہؓ کی امانت اور دیانت کو کم کرنا چاہا، اور رشوت خواری اور حرام خواری کی جو عادت اون کو تھی وہی اُن میں بھی پیدا کرنی چاہی،[2]

بدکاری عرب میں بدکاری کا عام رواج تھا، اور اس کے مختلف طریقے تھے، مثلاً

(۱) بعض رؤسا اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور کرتے تھے، اور اس ذریعہ سے مالی فائدہ اٹھاتے تھے، چنانچہ عبداللہ بن ابی سلول کے پاس جو مدینہ کا بہت بڑا رئیس تھا اس قسم کی چھ لونڈیاں تھیں، اور وہ ان کو مالی فائدہ کے لئے بدکاری پر مجبور کرتا تھا، اس میں سے دو لونڈیوں نے رسول اللہ صلعم سے اُس کی شکایت کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء (نور-۴) اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو،

قرآن مجید میں اس آیت کے بعد یہ ٹکڑا ہے "ان اردن تحصنا" یعنی اگر وہ لونڈیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہیں تو اُن کو زنا پر مجبور نہ کرو، اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیاں تک اس قدر غیور ہیں کہ وہ زنا کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھتی ہیں، تو شرفا کے لئے یہ کس قدر شرم کی بات ہے،

---

[1] موطاے امام مالک کتاب المساقات [2] منتقی جلد ۵ صفحہ ۱۲۱،

کہ وہ اپنی لونڈیوں کے لئے اس کو نہ صرف جائز رکھتے ہیں بلکہ اُنکو اس پر مجبور کرتے ہیں[1]،

اس کے علاوہ اور جو طریقے تھے، اُن کو نکاح کے نام سے جائز کرلیا گیا تھا، مثلاً

(۲) ایک طریقہ یہ تھا کہ جب کسی شخص کی بی بی حیض سے پاک ہوتی تھی تو وہ خود اوسکو ایک شخص کے پاس بھیجد یتا تھا، اور اسکو اس سے متمتع ہونے کی اجازت دیدیتا تھا، اور خود اوس سے بالکل علٰحدگی اختیار کرلیتا تھا، یہاں تک کہ جب یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ اس شخص سے حاملہ ہوچکی ہے، تو اُس سے پھر تعلقاتِ زناشوئی قائم کرلیتا تھا، اس قسم کے نکاح کو نکاح استبضاع کہتے تھے، اور چونکہ اس کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اولاد شریف پیدا ہو اسلئے لوگ عورتوں کو اکابر و شرفار کے پاس خاص طور پر حیض سے پاک ہونے کے بعد بھیجتے تھے، تاکہ استقرارِ حمل میں آسانی ہو،

(۳) ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت کے ساتھ متعدد اشخاص جن کی تعداد دس سے کم ہوتی تھی تعلق پیدا کرتے تھے، اور اس طریقہ سے جب وہ حاملہ ہوجاتی تھی تو وضعِ حمل کے چند دنوں کے بعد ان سب کو بلاتی تھی، اور ان کو مجبوراً جانا پڑتا تھا، جب یہ سب جمع ہوجاتے تھے تو وہ جس شخص کو متعین کردیتی تھی، بچہ اوسی کی اولاد خیال کیا جاتا تھا، اور وہ اس کے اولاد تسلیم کرنے سے انکار نہیں کرسکتا تھا،

(۴) ایک طریقہ بالکل موجودہ زمانہ کے پیشہ کی حیثیت رکھتا تھا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بیحیائی کے ساتھ کیا جاتا تھا، یعنی اس قسم کی پیشہ ور عورتیں اپنے دروازے پر جھنڈیاں نصب کرتی تھیں تاکہ وہ اُن کی علامت قرار پائے، ہر شخص کو اون سے تعلقات پیدا کرنے کی آزادی حاصل تھی، البتہ یہ فرق تھا کہ جب وہ حاملہ ہوتی تھیں تو ولادت کے بعد یہ

[1] صحیح مسلم کتاب التفسیر مع شرح مکمل اکمال الاکمال،

تمام لوگ اس کے پاس جمع ہوتے تھے، اور قیافہ شناس کو بلاتے تھے، وہ بچہ کو جس کی اولاد کہدیتا تھا وہ اس کی اولاد تسلیم کر لی جاتی تھی، اور وہ اُس کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں کرتا تھا،

(۵) اگرچہ اہلِ عرب علانیہ زنا کو بُرا سمجھتے تھے، تاہم اون کا خیال تھا کہ مخفی طریقہ پر اس میں کوئی ہرج نہیں ہے، اس لئے چھپے چوری عموماً عورتوں سے آشنائی کرتے تھے، اور اوس کو نکاح خدن کہتے تھے، قرآن مجید کی اس آیت میں اسی طریقہ کی طرف اشارہ ہے،

محصنات غیر مسافحات ولا — پاکدامن ہوں زانی نہ ہوں، اور چھپے

متخذات اخدان (نساء رکوع ۴) — چوری آشنائی کرنے والی نہ ہوں،

(۶) ایک مدت معینہ کے لئے عورتوں سے نکاح کرتے تھے اور اس مدت کے گذرجانے پر علیحدگی ہو جاتی تھی، اسی کا نام متعہ ہے، جو اسلام میں بھی بعض موقعوں پر جائز کر دیا گیا تھا لیکن بعد کو حرام کر دیا گیا،

(۷) نکاح کی ایک صورت یہ تھی کہ عورتوں کا باہم تبادلہ کر لیا کرتے تھے،

لیکن نکاح کی موجودہ صورت قریش اور اکثر قبائلِ عرب میں جاری تھی، اور اسلام نے صرف اسی کو جائز رکھا، اور بقیہ صورتیں ناجائز کر دیں[۱]،

بدکار عورتوں کے علاوہ مخنثوں کا بھی ایک گروہ تھا جو فحش گیت گا گا کر اپنی معاش پیدا کرتا تھا، چنانچہ ایک مخنث نے جس کا نام عمرو بن قرہ تھا، رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ "بدقسمتی سے میں دف بجا کر روزی پیدا کرتا ہوں، آپ مجھے ایسے گیتوں کے گانے کی اجازت دیجئے جو فحش نہیں ہیں"، لیکن آپ نے اُس کو سخت سرزنش کی، اور جب وہ

[۱] بخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی، و بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ثانی صفحہ ۴

پلٹ کر چلا تو فرمایا کہ ان گنہگاروں میں جو شخص بغیر توبہ کے مریگا، خدا اوس کو قیامت میں اوسی طرح اُٹھائیگا جس طرح وہ دنیا میں تھا، یعنی مخنث اور برہنہ،

یہ لوگ عورتوں کے پاس بھی آتے جاتے تھے، اس لئے ان کو عورتوں کی طرف ترغیب دلانے کا بھی موقع ملتا تھا، چنانچہ ایک مخنث نے ایک شخص کے سامنے اس غرض سے ایک عورت کے حسن و جمال کی تعریف کی، تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ان لوگوں کو گھروں سے نکال دو[۱]،

گانے بجانے والی لونڈیوں کا بھی ایک طبقہ تھا، جن کو اس فن کی تعلیم دیجاتی تھی اور انکی تجارت ہوتی تھی، لیکن رسول اللہ صلعم نے اس تعلیم اور اس تجارت کی ممانعت فرمائی،

بیشرمی و بیحیائی | عرب میں سخت بیحیائی اور بے شرمی پھیلی ہوئی تھی، کھلے ہوئے مقامات میں بے ستری کی حالت میں نہاتے تھے، اور کسی قسم کا پردہ نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلعم نے اسی طریقہ سے ایک شخص کو نہاتے ہوئے دیکھا تو منبر پر چڑھ کے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ باحیا، اور پردہ پوش ہے، اور حیا، اور پردہ کو پسند کرتا ہے تو تم میں جب کوئی نہائے تو پردہ کر لیا کرے[۲]، رفع ضرورت کے وقت بھی پردہ نہیں کرتے تھے، اور عام جلسوں میں بیٹھکر بیویوں سے ہمصحبتی کے تمام واقعات بیان کرتے تھے،

جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا تھا تو جو شخص اُس کے حملہ کی خبر لے کر آتا تھا، وہ بالکل برہنہ ہو جاتا تھا، اور اپنا کپڑا اپنے سر سے لپیٹ لیتا تھا، اس قسم کے لوگوں کو "نذیر عریان" یعنی ننگا ڈرانے والا کہتے تھے، اور ان کی اس حالت سے قبائل میں مدافعت کا سخت جوش پیدا ہو جاتا تھا، ایک حدیث میں بھی اس رسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ بخاری

[۱] سنن ابن ماجہ کتاب الحدود باب المخنثین صہ ۱۹۱ [۲] نسائی باب الاستتار عند الغسل،

کتاب الاعتصام میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں،

مثلی ومثل ما بعثنی اللہ کمثل رجل	آپ نے فرمایا کہ میری مثال اور میرے
اتی قوما فقال رایت الجیش	دین کی مثال اُس شخص کی ہے، جو ایک قوم
بعینی وانا النذیر العریان	کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے فوج کو اپنی آنکھ سے
الخ	دیکھا، اور میں ننگا ڈرانے والا ہوں،

بےحیائی اور بےشرمی کی انتہا یہ تھی کہ حج کے موقع پر جبکہ لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہوتا تھا، قریش کے سوا مرد اور عورت سب کے سب عموماً برہنہ ہو کر طواف کرتے تھے، صرف وہ شخص کپڑے پہنکر طواف کر سکتا تھا جس کو قریش کی طرف سے مستعار کپڑا ملے، چنانچہ اسی بنا پر ایک عورت نے جس کا نام ضباعہ بنت عامر بن قرط تھا، طواف کی حالت میں یہ الفاظ کہے،

من یعیرنی تطوافا تجعلہ	کون مجھکو طواف کا کپڑا دیگا جس سے
علی فرجہا،	وہ اپنی شرمگاہ کو چھپائے،

لیکن اسلام نے اس بےحیائی کی رسم کا انسداد کیا، اور اس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، خذوا زینتکم عند کل مسجد (اعراف ۳) ہر مسجد کے پاس اپنے کپڑے پہن لو، اور رسول اللہ صلعم نے یہ عام اعلان کرا دیا کہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے[1]،

سنگدلی وقساوت مسلسل جنگ و خونریزی، اور عام وحشت و جہالت نے اہل عرب کو نہایت بےرحم اور سنگدل بنا دیا تھا جس کے مظاہر مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتے تھے،

[1] صحیح مسلم کتاب التفسیر مع شرح مکمل اکمال الاکمال المعلم جلد ۷ صفحہ ۳۲۰،

(۱) بعض اوقات دشمن کی عورتوں اور بچوں تک کو آگ میں جلا دیتے تھے،[۱]

(۲) دشمن کے بچوں تک کو نہایت بے دردی سے ہلاک کر دیتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر ایک بے درد نے اپنے دشمنوں کے چند بچوں کو ایک میدان میں کھڑا کرکے تیروں سے چھلنی کر دیا، جو بچہ اس دن نہ مرا اوس پر دوسرے دن تیراندازی کی لیکن اسلام میں عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے کی ممانعت کی گئی، بلکہ اس کے ساتھ بوڑھے بھی شامل کر لئے گئے، اور عام حکم دیدیا گیا،

لا تقتلوا شیخا فانیا ولا طفلا ولا صغیرا ولا امراۃ، | بوڑھے، بچے، صغیر السن اور عورت کو قتل نہ کرو،

(۳) دشمنوں کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بناتے تھے یا تلوار سے قتل کرتے تھے، عربی زبان میں اسکو صبر کہتے ہیں، اور اوپر کے واقعہ میں جو بچے نشانہ تیر بنائے گئے تھے، وہ اسی طریقہ کے مطابق بنائے گئے تھے لیکن اسلام میں اسکی سخت ممانعت کی گئی، چنانچہ ایک لڑائی میں حضرت عبد الرحمٰن بن خالدؓ نے چار کافروں کو اسی طریقہ کے مطابق قتل کروایا تھا، لیکن حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "میں نے رسول اللہ صلعم سے اس طریقۂ قتل کی ممانعت سنی ہے، خدا کی قسم میں مرغیوں کو بھی اس طرح قتل نہیں کر سکتا"، عبد الرحمٰن بن خالدؓ نے سنا تو بطور کفارہ کے چار غلام آزاد کئے،[۲][۳]

(۴) جوش انتقام میں دشمن کے مرنے کے بعد اس کے اعضا کاٹ ڈالتے تھے، غزوہ احد میں اسی وحشیانہ طریقہ کے مطابق مشرکین نے شہدائے اسلام کے اعضا کاٹ ڈالے تھے،

---

[۱] مجمع الامثال میدانی جلد ۱ ص ۲۲۶، [۲] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین،
[۳] ایضاً باب فی قتل الاسیر بالنبل،

(۵) جوشِ انتقام میں طرح طرح کی سفاکانہ اور وحشیانہ حرکتیں کرتے تھے، چنانچہ جب غزوہ احد میں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو ہند بن عتبہ نے اون کے کلیجہ کو کھانا چاہا لیکن نگل نہ سکی[۱]،

حضرت عاصم بن ثابتؓ نے غزوۂ بدر میں سلافہ کے دو بیٹوں کو قتل کردیا تھا اسلئے اس نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اوس کو موقع ملا تو عاصم کے کاسۂ سر میں شراب پئے گی، چنانچہ عاصم جب غزوۂ رجیع میں شہید ہوئے تو کفار نے اون کے سر کو اس غرض سے لے جانا چاہا، کہ سلافہ کے ہاتھ فروخت کریں، لیکن تائید غیبی نے کفار کی اس کوشش کو ناکامیاب کردیا[۲]

(۶) سزائیں نہایت سخت اور وحشیانہ دیتے تھے، مثلاً سزا کا ایک طریقہ یہ تھا کہ دو درختوں کی ٹہنیاں جھکا کر مجرم کے اعضاء کو اس میں باندھ دیتے تھے، اور پھر ٹہنیوں کو چھوڑ دیتے تھے، جس سے مجرم کا بدن چرکر ٹہنیوں کے ساتھ رہجاتا تھا، کبھی کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ دیتے تھے پھر گھوڑے کو سرپٹ ڈال دیتے تھے، جس سے اوس کے بدن کے ٹکڑے اڑ جاتے تھے، اور اس قسم کی سزائیں اکثر عرب کے سلاطین اور رؤسا دیا کرتے تھے،

ابتدائے اسلام میں کفار نے صحابۂ کرامؓ کو جو سزائیں دیں اون میں اسی قساوت و سنگدلی کا اثر پایا جاتا ہے، مثلاً کفار متعدد صحابہؓ کو لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیتے تھے، مکہ کی گرم پہاڑیوں میں بلکہ انگاروں پر لٹا کر اون کو گھسیٹتے تھے بعض صحابہ کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دھوپ میں لٹا دیتے تھے، پھر پشت پر ایک چٹان رکھدیتے تھے، یہاں تک کہ وہ مختل الحواس ہوجاتے تھے، بعض صحابہ کو پانی میں غوطے دیتے تھے،

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۳ قسم اول ذکر حضرت حمزہؓ [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عاصم بن ثابتؓ،

بھوکا پیاسا رکھتے تھے، شعب ابوطالب میں تو مسلمانوں کی پوری جماعت کو محصور کرکے ان کا آب ودانہ بند کر دیا تھا، بعض صحابہؓ کو رسی میں باندھ کر مارتے تھے، بعض صحابہؓ کو چٹائی میں لپیٹ کر اون کی ناک میں دھواں دیتے تھے، دو شخصوں کے پاؤں کو ایک ساتھ رسی میں باندھ دیتے تھے،

(۷) انسانوں کی طرح بے زبان جانور بھی اس قساوت اور سنگدلی سے محفوظ نہ تھے، زندہ اونٹوں کی کوہان اور زندہ دنبوں کی چکیاں کاٹ کر کھاتے تھے، رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے اور یہ حالت دیکھی تو اس قسم کے گوشت کو مردار قرار دیا[۱] جب قحط پڑتا تھا تو بعض خاص قسم کی گھانسوں کے گٹھے، گائے کی دم میں باندھ کر اوس میں آگ لگا دیتے تھے اور اوس کو پہاڑ پر دوڑا کر بارش کی دعا مانگتے تھے، اور یہ آگ اون کے نزدیک بجلی چمکنے کا شگون تھی[۲]،

نر اونٹوں کی آنکھ پھوڑ ڈالتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے سے اون کو نظر نہ لگے گی[۳]، جب کوئی بڑا آدمی مرجاتا تھا تو اوس کی اونٹنی یا اونٹ کی گردن کو اسکی دم کی طرف اولٹ دیتے تھے، اور اوس کو ایک گڑھے میں ڈال کر دانہ پانی بند کر دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ مرجاتی تھی، بعض اوقات مرنے کے بعد اس کو جلا دیتے تھے، کبھی اوس کی کھال کھینچ کر اوس میں بھس بھر دیتے تھے، اون کا خیال تھا کہ اس قسم کی اونٹنیاں یا اونٹ قیامت کے دن مردہ کے لئے سواری کا کام دینگی[۴]،

رہزنی | لوٹ مار عرب کا ایک بڑا ذریعۂ معاش تھا، اور وہ سال کے اکثر حصے اسی مشغلہ

---

[۱] مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح صفحہ ۳۵۱ [۲] بلوغ الارب فی احوال العرب جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ [۳] ایضاً صفحہ ۳۳۸ [۴] ایضاً صفحہ ۳۴۰،

میں صرف کرتے تھے، صرف ایام حج کے تین مہینے یعنی ذیقعدہ، ذیحجہ اور محرم اس سے مستثنیٰ تھے، کیونکہ ذیحجہ تو خاص حج کا مہینہ تھا، اور ذیقعدہ میں قبائلِ عرب حج کے لئے روانہ ہوتے تھے، اور محرم میں واپس ہوتے تھے، اس لئے ان دو مہینوں کو بھی مستثنیٰ کر لیا گیا تھا، کہ ایک مذہبی فریضہ تو کم از کم امن و امان کے ساتھ ادا کر لیا جائے، لیکن پورے تین مہینے تک وہ اس ذریعۂ معاش کو چھوڑ نہیں سکتے تھے، اس لئے وہ محرم میں لوٹ مار کو جائز کر لیتے تھے اور اُس کے بجائے صفر کے مہینہ میں اس کو چھوڑ دیتے تھے، مہینوں کی اس تبدیلی کو نسئی کہتے تھے جس کے معنی تاخیر کے ہیں، اور قرآن مجید کی یہ آیت

انَّمَا النسی زیادۃ فی الکفر (توبہ-۵) "مہینوں کی یہ تبدیلی کفر میں اور بھی اضافہ کر دیتی ہے"

اسی کے متعلق نازل ہوئی ہے،

یہ تبدیلی معمولی اشخاص کا کام نہ تھا بلکہ جب تمام لوگ منیٰ سے واپس ہوتے تھے تو بنو کنانہ کا ایک سردار جس کا نام نعیم بن ثعلبہ تھا کھڑا ہو کر کہتا تھا کہ "میں وہ شخص ہوں جس پر کوئی عیب نہیں لگایا جاتا اور اُس کے فیصلے رد نہیں کئے جاتے" اس کے بعد لوگ مہینوں کی تبدیلی کی درخواست کرتے اور وہ یہ تبدیلی کر دیتا[۱]،

اس لوٹ مار میں قبیلہ طے کے ڈاکو خاص طور پر تمام عرب میں بدنام تھے، یہ لوگ عراق اور حجاز کے درمیان رہتے تھے اور جو لوگ اون سے معاہدہ کئے بغیر اون کے راستے سے گذرتے تھے، اون کو لوٹ لیتے تھے، عدی بن حاتم اسی قبیلہ کے سردار تھے، اور وہ ان ڈاکوؤں کی حالت سے واقف تھے، اس لئے جب ایک بار رسول اللہ صلعم نے اون سے فرمایا کہ "وہ زمانہ آئے گا جب حیرہ سے چل کر ایک پردہ نشین عورت خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی، اور اوس کو

---

[۱] امالی ابوعلی قالی جلد ۱ صفحہ ۶،

خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، تو انھوں نے اپنے جی میں کہا کہ قبیلۂ طے کے وہ ڈاکو کہاں چلے جائیں گے جنھوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے۔[1]

اس قسم کے ڈاکے اس قدر عام تھے کہ عرب کا کوئی قبیلہ ان سے محفوظ نہ تھا، صرف قریش کے لوگ خانۂ کعبہ کی حرمت کی وجہ سے اس سے محفوظ تھے، چنانچہ ابن زید کا قول ہے،

کانت العرب یغیر بعضها	عرب کے لوگ باہم ایک دوسرے
علی بعض ویسبی بعضها بعضاً	کو لوٹتے تھے، اور ایک دوسرے
فامنت قریش من ذلك	کو لونڈی غلام بناتے تھے، البتہ حرم کے
لمکان الحرم،[2]	احترام کی وجہ سے قریش اس سے محفوظ تھے،

یہی وجہ ہے کہ خدا نے ایک خاص سورہ میں قریش پر اس کا احسان جتایا ہے، لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اِیْلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ،

چوری | ڈاکہ تو اون قبائل اور اون اشخاص کا شیوہ تھا، جو طاقت، ہمت، اور جرات رکھتے تھے، لیکن جو قبائل اور جو اشخاص اس قدر طاقتور اور جری نہیں تھے، انھوں نے چوری کا بزدلانہ اور غیر شریفانہ شیوہ اختیار کر لیا تھا، اور عرب کے چند قبیلے یعنی اسلم، غفار، مزینہ، جہینہ اور اشجع جو بنو عامر بن صعصعہ اور بنو تمیم بن مر وغیرہ قبائل سے کم درجہ اور ضعیف تھے، عرب میں اس حیثیت سے خاص طور پر بدنام تھے کہ وہ زمانۂ جاہلیت میں حاجیوں کے مال واسباب کی چوری کیا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب یہ قبائل اور قبائل سے پہلے

---

[1] بخاری جلد اول باب علامات النبوۃ فی الاسلام مع فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۴۵۱،
[2] تفسیر فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۴،

اسلام لائے تو اقرع بن حابس تمیمی نے ان کے متعلق رسول اللہ صلعم سے یہ طعنہ آمیز فقرہ کہا،

اِنَّمَا بایعک سراق الحجیج من	تمہاری بیعت تو حاجیوں کے چوروں
اسلم وغفار ومزینۃ،	یعنی اسلم غفار اور مزینہ نے کی ہے،

اور رسول اللہ صلعم نے مختلف طریقوں سے اس ننگ وعار کو اُن سے مٹایا، چنانچہ غفار کے متعلق سر منبر فرمایا،

غفار غفر اللہ لہا،	خدا غفار کی مغفرت کرے،

اور اس فقرہ کی شرح میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن التین کا یہ قول نقل کیا ہے،

ان بنی غفار کانوا یسرقون الحاج	بنو غفار جاہلیت کے زمانہ میں حاجیوں کی
فی الجاھلیۃ فدعا لھم النبی	چوری کیا کرتے تھے اس لئے اون کے
صلی اللہ علیہ وسلم بعد ان	اسلام لانے کے بعد رسول اللہ صلعم نے اُنکے
اسلموا لیمحی عنھم ذلک العار[1]	لئے یہ دعا کی کہ اون سے یہ عار مٹ جائے

فریب وبدعہدی اہل عرب دشمنوں کے معاملات میں قول وقرار کی بالکل پروا نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو نہایت فریب اور بدعہدی سے قتل کر ڈالتے تھے، چنانچہ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں اسکی متعدد مثالیں ملتی ہیں، مثلاً ایک بار رسول اللہ صلعم کی خدمت میں متعدد قبائل حاضر ہوئے، اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان ہیں، ہمارے ساتھ کچھ لوگ کردیئے جائیں تاکہ وہ اور کفار کو دعوتِ اسلام دیں، یا یہ کہ اون کے ساتھ جہاد کریں، رسول اللہ صلعم نے اون کے ساتھ اصحابِ صفہ میں سے ستر صحابہ کو جو قرار کے لقب سے ممتاز تھے روانہ فرمایا، لیکن ان

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۹۶ و بخاری باب ذکر اسلم وغفار الخ،

لوگوں نے اُن کے ساتھ بدعہدی کی اور اون کو قتل کر دیا،

ایک بار رسول اللہ صلعم نے قریش کی خبر رسانی کے لئے ایک دستہ روانہ کیا جس کے امیر حضرت عاصم بن ثابتؓ تھے، کفار نے اون کا تعاقب کیا تو یہ لوگ ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے، کفار نے ان کو گھیر لیا، اور کہا کہ اگر تم اُتر آؤ تو ہم عہد و پیمان کرتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو قتل نہ کریں گے، لیکن حضرت عاصمؓ نے اون کے قول و قرار پر اعتبار نہیں کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ کفار نے اُن کو سات آدمیوں کے ساتھ تیروں سے شہید کر دیا، صرف حضرت خبیبؓ، حضرت زیدؓ، اور ایک اور صحابی قول و قرار لے کر نیچے اُترے، جب کفار نے ان پر قابو پایا تو کمانوں کے تار کھولے اور اُن کو اُن سے باندھ لیا، اس پر تیسرے صحابی نے کہا کہ یہ پہلی بدعہدی ہے، اس بدعہدی کی بنا پر اُنھوں نے اون کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا، کفار نے بجبر اون کو ساتھ لیجانا چاہا لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے تو اون کو قتل کر دیا، البتہ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کو ساتھ لے گئے، اور اُن کو مکہ میں بطور غلام کے فروخت کر دیا، حضرت خبیبؓ نے غزوۂ بدر میں حارث بن عامر کو قتل کر دیا تھا، اس لئے حارث کے بیٹوں نے اون کو خرید لیا، اور بطور قیدی کے ان کو رکھا، پھر قتل کر دیا،

اسلام کی تاریخ میں اس قسم کی بدعہدی کی کوئی مثال نہیں ہے، بلکہ خود اس واقعہ میں پابندی عہد کی بہترین مثال ملتی ہے، کفار نے تو حضرت خبیبؓ کے ساتھ یہ سلوک کیا، لیکن حضرت خبیبؓ نے قتل سے پہلے حارث کی ایک لڑکی سے طہارت کے لئے استرا مانگا، اوس نے استرا دیا، تو اسی حالت میں اس کا ایک بچہ اون کے پاس چلا گیا، اور انھوں نے اوس کو اپنی ران پر بٹھا لیا، وہ اُن کے ہاتھ میں استرا اور اُن کی ران پر اپنے بچے کو دیکھکر سخت گھبرائی، لیکن اُنھوں نے کہا کہ تم کو خوف ہے کہ میں اسکو قتل کر ڈالوں گا؟ انشاء اللہ

میں ایسا نہ کروں گا، ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے بچے کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اب تو مجھے بھی موقع مل گیا، لڑکی نے کہا کہ مجھے تم سے یہ بدگمانی نہ تھی، حضرت خبیبؓ نے استرے کو پھینکدیا اور کہا کہ میں مذاق کر رہا تھا، میرا ارادہ بدعہدی کرنے کا نہ تھا،

عصبیت اور حمیت

اسلام سے پہلے باہمی جنگ وجدال نے اہلِ عرب میں سخت حمیت اور عصبیت پیدا کر دی تھی، اس لئے وہ ہر موقع پر اپنے قبیلہ کی حمایت اپنا قومی فرض سمجھتے تھے اور اس میں حق و باطل کی کوئی تفریق نہیں کرتے تھے، جندب بن عمرو بن تمیم نے ایک فقرہ میں جسکو سب سے پہلے اُسی نے استعمال کیا ان الفاظ میں اس عصبیت کی تشریح کی ہی،

انصر اخاک ظالماً او مظلوماً — اپنے بھائی کی مدد ہر حال میں کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم،

ایک حدیث بھی انہی الفاظ میں مروی ہی لیکن جب صحابہؓ نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ "مظلوم کی مدد تو ہم کر سکتے ہیں لیکن ظالم کی مدد کیونکر کریں، تو آپ نے فرمایا کہ "اوس کا ہاتھ پکڑ لو" یعنی اوسکو ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد ہے، لیکن جندب نے اس فقرہ کے بالکل ظاہری معنی مراد لئے تھے، یعنی اگر کسی کا بھائی ظلم کرے تو دوسرے بھائی کو بھی اس کے ساتھ شریکِ ظلم ہو جانا چاہئے، چنانچہ حافظ ابن حجر اس کے اس فقرہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں،

واراد بذلک ظاہرہ وھو	اُس نے اس فقرہ کے ظاہری معنی مراد لئے ہیں
ما اعتادوہ من حمیۃ الجاہلیۃ	یعنی حمیت جاہلیۃ جس کے وہ خوگر تھے، وہ معنی
لا علی ما فسرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	مراد نہیں لئے جو رسول اللہ صلعم نے بیان فرمائی

مجمع الامثال کرمانی میں اس فقرہ کو بطور ایک ضرب المثل کے نقل کیا ہی، پھر حدیث کے مطابق اس کی تشریح کی ہی، اس کے بعد لکھا ہے،

۱؎ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان وبیر معونہ وحدیث عضل وقارہ مع فتح الباری،
۲؎ فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۷۲،

واما العرب فکان مذھبھا	لیکن اِس مثل کے مطابق اہلِ عرب کا مذہب یہ تھا
فی المثل نصرتہ علی کل حال[1]	کہ اپنے بھائی کی مدد ہر حالت میں کرنی چاہئے،

سورۂ فتح کی اس آیت میں "اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ" الآیۃ
یہی حمیت مراد ہے، اور اسکی تفسیر مفسرین نے ان الفاظ میں کی ہے،

حمیۃ الجاھلیۃ ھی التی مدارھا	حمیت جاہلیت کا دار مدار مطلقاً مدافعت
مطلق المنع سواء کان بحق	پر ہے، چاہے وہ حق پر ہو یا باطل پر، اسلئے
او باطل فتمنع من الاذعان	یہ حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے، اور اسکی
للحق ومبناھا علی التشفی علی	بنیاد اوس غصہ کے مطابق تسکین قلب
مقتضی الغضب۔ . .	حاصل کرنا ہے جو غیر اللہ کے لئے کیا جائے'
لغیر اللہ فتوجب تخطی حدود	اس لئے وہ حدود شریعت سے باہر نکال
الشرع ولذلک انفوا من دخول	لے جانے والی ہے، یہی وجہ ہے کہ خانہ کعبہ کی
المسلمین مکۃ المشرفۃ	زیارت کے لئے جو سب کے لئے یکساں بنایا
لزیارۃ البیت العتیق الذی	گیا تھا، کفار نے مسلمانوں کے مکہ میں داخل
الناس فیہ سواء[2]،	ہونے کو موجب عار سمجھا،

ایک جاہلی شاعر اسی حمیت کا اظہار اس شعر میں کرتا ہے،

اذا انا لم انصر اخی وھو ظالم ۔۔۔ علی القوم لم انصر اخی حین یظلم

"اگر میرا بھائی کسی قوم پر ظلم کرے اور میں اُسکی مدد نہ کروں تو جب اُس پر ظلم کیا جائیگا، اس وقت بھی میں اسکی مدد نہ کروں نگا"
عرب میں ہر قسم کے فتنہ و فساد کی بنیاد اسی حمیت جاہلیت پر قائم تھی، اور اسی حمیت کی بنا پر

---

[1] مجمع الامثال صفحہ ۲۸۳، [2] تفسیر فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۴۵،

عرب کا کوئی قبیلہ دوسرے قبیلہ کی اطاعت پر آمادہ نہیں ہوتا تھا، رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد انصار اور مہاجرین میں خلافت کے متعلق جو اختلاف پیدا ہوا وہ دنیا طلبی اور جاہ پرستی کے لئے نہ تھا، بلکہ اُس کا سبب صرف یہ تھا کہ عرب کا ہر قبیلہ صرف اپنے قبیلہ کے سردار کی اطاعت کر سکتا تھا، اور دوسرے قبیلہ کے سردار کی اطاعت کو قومی ننگ و عار سمجھتا تھا، اور اسی اصول کے مطابق انصار نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ منا امیر و منکم امیر یعنی ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے چنانچہ ابن تین نے اُس کی وجہ یہ بتائی ہی،

اِنَّمَا قالت الانصار منا امیر و	انصار نے جو یہ کہا کہ ایک امیر ہم میں سے ہو
منکم امیر علی ما عرفوہ من	اور ایک تم میں سے، وہ عرب کی اس عادت
عادۃ العرب ان لا یتامر علی	کے مطابق تھا کہ ہر قبیلہ کا امیر اوسی قبیلہ
القبیلۃ الا من یکون منہا[1]	کا شخص ہوتا تھا،

بغض و انتقام | وحشی قوموں میں بغض و انتقام کا جذبہ یوں بھی تیز ہوتا ہی لیکن اسلام سے پہلے مسلسل جنگ و خونریزی نے اہلِ عرب کے اس جذبہ کو اور بھی تیز کر دیا تھا، اس لئے جب کسی قبیلہ کا آدمی، کسی قبیلہ کے آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اوس قبیلہ پر اوس کا انتقام فرض ہو جاتا تھا، اور یہ سلسلہ اس قدر وسعت اختیار کر لیتا تھا، کہ جو لوگ قتل کے مرتکب نہیں ہوتے تھے، اون سے بھی انتقام لیا جاتا تھا، مثلاً باپ کا انتقام بیٹے سے، ہمسایہ کا انتقام ہمسایہ سے، اور حلیف کا انتقام حلیف سے لیتے تھے[2] اور ہمیشہ اس کی تاک جھانک میں لگے رہتے تھے، اور جہاں کہیں موقع ملتا تھا، انتقام سے نہیں چوکتے تھے، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ بنو لیث کے کسی شخص نے قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا، فتحِ مکہ کے زمانہ میں قبیلہ خزاعہ نے

---

[1] فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۵، [2] ایضاً جلد ۱۲ صـ ۱۸۶،

موقع پایا تو اوس کے بدلے قبیلہ بنو لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا،

اور غالباً یہ قتل حدودِ حرم میں واقع ہوا تھا، یہی وجہ ہے، کہ رسول اللہ صلعم نے اس موقع پر فرمایا کہ "خدا نے مکہ سے ہاتھی کو روک دیا، اور اہلِ مکہ پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غالب کر دیا، وہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا اور نہ میرے بعد حلال ہوگا، صرف دن کے چند گھنٹوں میں وہ میرے لئے حلال ہوا تھا، اور اب وہ اس وقت حرام ہی جس شخص کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے اوس کو دو باتوں میں سے ایک بات کا اختیار ہے یا دیت لے یا قصاص[1]"، ان ہی حالات کو پیشِ نظر رکھکر ایک دوسرے موقع پر فرمایا،

ابغض الناس الی اللہ ثلاثۃ	خدا کے نزدیک تین شخص سب سے زیادہ مبغوض ہیں،
ملحد فی الحرم و مبتغ فی الاسلام	ایک وہ جو حرم میں ارتکاب جرم کرے، دوسرے اسلام
سنۃ الجاھلیۃ و مطلب دم	میں جاہلیت کے طریقہ کی جستجو کرے تیسرے یہ کہ بغیر
امری بغیر حق یھریق دمہ[2]	حق کے ایک شخص کی تلاش کرے تاکہ اسکا خون گرائے،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں اگرچہ انتقام کے ان طریقوں کے ساتھ سنت الجاہلیۃ میں عرب کے اور معتقدات مثلاً شگون اور کہانت وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہی، تاہم دار قطنی کی ایک روایت نقل کی ہی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ سرکش وہ ہی جو ایسے شخص کو قتل کرے جو اس کا قاتل نہ ہو، اور اسلام کے زمانہ میں جاہلیت کے خون کا مطالبہ کرے، اور لکھا ہے کہ اس حدیث کے مطابق سنت الجاہلیۃ کی تفسیر کیجا سکتی ہی[3]،

بہر حال مسلسل جنگ و خونریزی کی وجہ سے عرب میں ہمیشہ قتل ہوا کرتے تھے، اس لئے

---

[1] بخاری کتاب الدیات باب من قتل لہ قتیل فھو بخیر النظرین، [2] ایضاً باب من طلب دم امرء بغیر حق،

[3] فتح الباری جلد ۱۲ صفحہ ۱۸۶،

اوس کا انتقام اہل عرب کی اخلاقی زندگی کا ایک اہم جزو ہوگیا تھا، اور اس جذبہ نے یہ عقیدہ پیدا کردیا تھا کہ جب مقتول مرجاتا ہے تو اُس کی روح پرند بنجاتی ہے، اور جب تک اوس کا انتقام نہیں لیا جاتا وہ شور کرتی رہتی ہے کہ "مجھکو پلاؤ میں پیاسی ہوں" اس پرند کو صدق یاہامہ کہتے تھے، اور رسول اللہ صلعم نے اس حدیث میں "لا عدوی ولا صفر ولا ھامۃ" اہل عرب کے اور بہت سے معتقداتِ باطلہ کے ساتھ اسی عقیدہ کو مٹایا ہے، اس عقیدہ کے ساتھ یہ خیال بھی تھا کہ جب تک مقتول کا انتقام نہ لے لیا جائے اوس کی قبر میں اندھیرا رہتا ہے عملی طور پر جب تک مقتول کے خون کا بدلہ نہیں لے لیتے تھے، اس پر نوحہ نہیں کرتے تھے، شراب نہیں پیتے تھے، خوشبو نہیں لگاتے تھے، اور عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے، ان اسباب سے عرب میں مستقل امن وامان صرف اس وقت قائم ہوسکتا تھا جب اس جذبہ کو بالکل مٹا دیا جائے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے حجۃ الوداع میں جاہلیت کے اور تمام بیہودہ مراسم کے ساتھ نہایت شدت کے ساتھ اس کی ممانعت کی اور فرمایا،

الا کل شی من امر الجاھلیۃ	آگاہ رہو کہ جاہلیت کی ہر چیز میرے پاؤں کے نیچے
تحت قدمی موضوع ودماء الجاھلیۃ	مسل دی گئی اور زمانۂ جاہلیت کا انتقام خون
موضوعۃ وان اول دم اضع	مٹا دیا گیا اور پہلا خون جسکو میں باطل کرتا ہوں
من دمائنا دم ابن ربیعۃ بن الحارث[۱]	ابن ربیعہ بن حارث کا خون ہے،

فخر وغرور | اہل عرب کے اکثر محاسنِ اخلاق کی بنیاد جاہ پرستی اور شہرت طلبی پر تھی، اس لیے اس نے اون کو نہایت فخار اور مغرور بنا دیا تھا، اور عام مجمعوں میں اس فخر وغرور کا اظہار کیا جاتا تھا اہل عرب کا سب سے بڑا اجتماع زمانۂ حج میں ہوتا تھا، اور وہ اگرچہ ایک مذہبی مجمع ہوتا تھا

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبیؐ،

تاہم اس موقع پر بھی وہ فخر وغرور کے اظہار سے نہیں چوکتے تھے، بلکہ مناسکِ حج سے فارغ ہونے کے بعد ترفع وشہرت کے لئے اپنے آبا و اجداد کی فیاضی، بہادری اور صلہ رحمی کے واقعات بیان کرتے تھے، ان کے متعلق اشعار پڑھتے تھے، اور تقریریں کرتے تھے، قرآن مجید کی اس آیت میں

فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ	جب تم اپنے مناسکِ حج ادا کرچکو تو خدا کا
کذکرکم آباءکم او اشد ذکرا	ذکر کرو جسطرح اپنے آبا و اجداد کا ذکر کرتے ہو
(بقرہ رکوع ۲۵)	یا اس سے بھی زیادہ بلند آہنگی کیساتھ خدا کا ذکر کرو،

اسی فخارانہ طریقہ کی طرف اشارہ ہی،

اسلام نے اگرچہ اہلِ عرب کے بہت سے اخلاق کو جن پر وہ فخر و غرور کیا کرتے تھے معتدل طریقہ پر قائم رکھا تاہم چونکہ اس فخر وغرور سے قبائل میں سخت تفریق و نزاع قائم ہوتی تھی، اور اصولِ مساوات بلکہ عقیدۂ توحید کو بھی صدمہ پہنچتا تھا، کیونکہ اہلِ عرب نے اپنے آبا و اجداد کا درجہ اس قدر بلند قائم کرلیا تھا کہ اون کے نام کی قسم کھایا کرتے تھے، اسلئے رسول اللہ صلعم نے اس کی ممانعت کی اور فرمایا،

لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم	جو لوگ اپنے مردہ آبا و اجداد پر فخر
الذین ماتوا انما ھم فحم جھنم	کرتے ہیں وہ اس سے باز آئیں، وہ لوگ تو جہنم کے
او لیکونن اھون علی اللہ من	کوئلے ہیں، یا یہ کہ خدا کے نزدیک اس گبریلے سے
الجعل الذی یدھدہ الخراء	بھی زیادہ ذلیل ہیں جو اپنی ناک سے غلیظ کو
بانفہ ان اللہ اذھب عنکم	کو لڑھکاتا ہی، خدا نے جاہلیت کے غرور اور
عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء	باپ دادا کے فخر کرنے کا طریقہ مٹا دیا صرف

انما ھو مومن تقی و فاجر شقی ۔ الناس بنو آدم و آدم خلق من تراب[1]،

دو قسم کے لوگ رہ گئے ہیں، ایک پرہیزگار مسلمان اور ایک بدبخت بدکار، سب لوگ آدم کے بیٹے ہیں، اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے،

دختر کشی زمانۂ جاہلیت میں دختر کشی کا عام رواج تھا اور اس کے مختلف اسباب تھے،

(۱) سب سے بڑا سبب تو یہ تھا کہ اہلِ عرب عورتوں کے معاملہ میں نہایت غیور واقع ہوئے تھے، اس لئے لڑائیوں میں عورتوں کا گرفتار ہونا گوارا نہیں کرتے تھے، سوء اتفاق سے ایک بار نعمان بن منذر کی فوجیں قبیلہ بنو تمیم کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرلے گئیں، اور جب بنو تمیم کے وفد نے نعمان سے اون کی رہائی کے لئے گفتگو کی تو اُس نے خود ان عورتوں کو اختیار دیدیا کہ جو عورت اپنے شوہر کے پاس جانا پسند کرے گی اُس کو رہا کر دیا جائیگا، لیکن ان میں قیس بن عاصم کی لڑکی نے اپنے شوہر کے پاس جانا پسند نہیں کیا، اس پر قیس کو غیرت آئی، اور اُس نے یہ عہد کر لیا کہ اب جو لڑکی پیدا ہوگی اوس کو زمین میں دفن کر دے گا، چنانچہ اس طرح اوس نے دس لڑکیاں دفن کیں، اسی غیرت کی بنا پر سب سے پہلے قبیلۂ ربیعہ نے اس رسم کی ابتدا کی، اور اکثر قبائلِ عرب میں اسی مقصد سے دختر کشی کا رواج ہو گیا،

(۲) بعض لوگ سیاہ، مبروص، کرنجی اور لنگڑی لولی لڑکیوں کو بھی دفن کر دیتے تھے، کیونکہ اہلِ عرب ان عیوب کو منحوس سمجھتے تھے،

(۳) اہلِ عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، اس لئے لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے تاکہ وہ بھی خدا کی بیٹیوں میں شامل ہو جائیں،

[1] ترمذی کتاب المناقب،

(۴) بعض تنگدست لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے، اور اس میں لڑکیوں کی تخصیص نہ تھی بلکہ لڑکے بھی شامل تھے،

(۵) بعض لوگ اپنی اولاد کو بتوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے، اور اس صورت میں صرف لڑکے کی قربانی کی جاتی تھی، اسی قسم کے مذہبی خیال کی بنا پر عبد المطلب نے یہ نذر مانی تھی کہ جب اون کے لڑکوں کی تعداد دس تک پہونچ جائے گی تو وہ اون میں سے ایک کی قربانی کر دیں گے، ممکن ہے کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید بھی مقصود ہو،

بدویت اور وحشت

اہل عرب کی ایک بہت بڑی تعداد جن کو بدو کہتے ہیں، میدانوں اور جنگلوں میں رہتی تھی، اور یہ لوگ اخلاق و معاشرت میں شہر کے باشندوں سے بالکل مختلف ہوتے تھے، یعنی جو لوگ شہروں میں رہتے تھے، اون میں کسی قدر ادب، تہذیب، شائستگی اور اخلاقی لطافت پائی جاتی تھی، لیکن بدؤں میں ان چیزوں کا نام و نشان تک نہ تھا، بلکہ وہ سخت بدتمیز، بدتہذیب، درشت مزاج اور اُجڈ ہوتے تھے، اور اُن کی ان ہی اخلاقی خصوصیات کو ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے،

من بدا جفا، — جس نے بدویانہ زندگی اختیار کی وہ اجڈ ہوا،

ان بدؤں کی ان اخلاقی خصوصیات کا صحیح اندازہ تو اون ہی لوگوں کو ہو سکتا ہے جنھوں نے اون کے ساتھ زندگی بسر کی ہو، تاہم احادیث میں ان کے جو واقعات مذکور ہیں، اون سے بھی بہت کچھ اون کی اخلاقی و معاشرتی زندگی پر روشنی پڑتی ہے،

(۱) مثلاً اون کی سنگدلی اور درشت خوئی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اولاد سے بہت کم محبت رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار چند بدو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ "تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ خدا کی قسم ہم نہیں چومتے" آپ نے فرمایا کہ "اگر

خدا نے تمھارے دلوں سے محبت نکال لی ہے، تو میں اوسکو کیونکر پیدا کرسکتا ہوں"

ایک بار آپ نے حضرت حسن علیہ السلام کا بوسہ لیا، اقرع بن حابس نے دیکھا تو کہا کہ "میرے دس لڑکے ہیں، میں نے اون میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا،، ارشاد ہوا کہ "جو شخص رحم نہیں کرتا اوس پر رحم نہیں کیا جاتا"[1]

عیینہ بن حصن بن حذیفۃ الفزاری کے متعلق بھی اسی قسم کا واقعہ منقول ہے[2]، اور عیینہ کے حال میں صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں،

وکان من المولفۃ قلوبھم ومن	یہ مولفۃ القلوب اور اجڈ بدوؤں
الاعراب الجفاۃ،	میں سے تھا،

(۲) سخت بدتمیز ہوتے تھے، اور بات چیت کرنے، اوٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کے آداب سے بالکل ناواقف تھے، کسی کا ادب واحترام نہیں کرتے تھے، اور نہایت بیباکی سے گفتگو کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام کو رسول اللہ صلعم سے جب کسی بات کے پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی تو خود ادب واحترام سے نہیں پوچھتے تھے، بلکہ بدوؤں سے دریافت کرواتے تھے[3] حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ "ہمکو رسول اللہ صلعم سے سوال کرنے کی ممانعت کی گئی تھی، اسلئے ہماری خواہش تھی کہ کوئی عقلمند بدو آئے، اور آپ سے سوال کرے، اور ہم سنیں"۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ایک بار خود رسول اللہ صلعم نے کہا کہ مجھ سے پوچھو لیکن صحابۂ کرام آپ کے خوف سے نہ پوچھ سکے، اسی حالت میں ایک شخص آیا، اور آپ سے زانو ملاکر بیٹھ گیا۔ ایک بار آپ سفر میں تھے کہ ایک بدو نے آپ کے ناقہ کی مہار پکڑلی، اور کہا کہ

---

[1] مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال وتواضعہ وفضل ذلک وتقبیلہ ومعانقتہ
[2] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۳۶۰ [3] ترمذی کتاب المناقب باب،

محمدؐ مجھے وہ بات بتاؤ جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کردے[1]، ایک بار ایک بدو نے مسجد نبوی میں پیشاب کردیا، صحابہ کرام نے اوسکو سزا دینی چاہی، لیکن رسول اللہ صلعم نے روک دیا[2]، صحابہ کرام کے ادب واحترام کا یہ حال تھا کہ جب رسول اللہ صلعم کے ساتھ کھانا کھاتے تھے تو جب تک آپ کھانا نہ شروع کرتے کھانے میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے، لیکن ایک بار اسی حالت میں ایک بدو آیا اور کھانے میں ہاتھ ڈالنے کا ارادہ کیا، آپنے اس کا ہاتھ پکڑلیا، اور فرمایا کہ "کھانے پر جب تک بسم اللہ نہ کرلیا جائے اوس کو شیطان کھا لیتا ہے[3]"، ایک بار عینیہ بن حصن رسول اللہ صلعم کے پاس بلا اجازت چلا آیا، آپ نے فرمایا کہ تم نے اجازت کیوں نہیں لی؟ بولا کہ میں نے مضر کے کسی شخص سے اجازت نہیں طلب کی[4]

قرآن مجید میں آداب نبوت کے متعلق بعض آیتیں انہی بدویانہ بدتمیزیوں کی وجہ سے نازل ہوئیں، چنانچہ ایک بار جفاۃ بنوتمیم یعنی اقرع بن حابس وغیرہ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے، اور چونکہ آپ اندر زنانہ میں تھے، اس لئے حجرہ سے باہر نہایت بدتمیزی سے پکارنا شروع کیا کہ "محمدؐ نکلو" اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

ان الذین ینادونک من وراء	جو لوگ تمکو حجروں کے باہر سے پکارتے
الحجرات اکثرھم لا یعقلون	ہیں اون میں اکثر بے سمجھ ہیں، اور اگر
ولو انھم صبروا حتی تخرج	وہ اس قدر صبر کرتے کہ تم خود اون کے
الیھم لکان خیرا لھم	لئے باہر نکل آتے، تو یہ اون کے لئے بہتر

[1] مسلم کتاب الایمان باب فی بیان الایمان باللہ وشرائع الدین وباب بیان الایمان الذی یدخل بہ الجنۃ
[2] بخاری کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ [3] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام
[4] اسد الغابہ تذکرہ عینیہ بن حصن،

غفور رحیم (حجرات رکوع ۱) ہوتا، اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

(۳) چونکہ نہایت فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے، اور جنگلوں، پہاڑوں اور بیابانوں میں رہتے تھے، اس لئے جنگلی چوہے، گوہ، ساہی اور کیڑے مکوڑے سب کچھ کھاتے تھے، اور کسی چیز سے احتراز نہیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم جب کھانا کھاتے تھے، تو جب تک آپ کو متعین طور پر یہ بتا نہیں دیا جاتا کہ سامنے کیا چیز رکھی گئی ہو اس وقت تک بہت کم اُس کو کھاتے تھے، چنانچہ ایک بار حضرت میمونہؓ کی بہن نجد سے گوہ لائی تھیں وہ بھون کر آپ کے سامنے رکھی گئی، اور آپ نے اوس کی طرف ہاتھ بڑھایا، لیکن چونکہ یہ معلوم تھا کہ جب تک آپ کو کھانے کی نوعیت معلوم نہ ہو، آپ اوس کو نہیں کھاتے اسلئے جب بتانے سے معلوم ہوا کہ یہ گوہ ہے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا، حضرت خالد بن ولیدؓ بھی ساتھ تھے، اُنھوں نے کہا کہ کیا یہ حرام ہے؟ ارشاد ہوا نہیں لیکن یہ ہمارے ملک میں نہیں ہوتی، اس لئے مجھے گھن آئی"، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، اور اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ" رسول اللہ صلعم یہ سوال اس لئے کرتے تھے کہ عرب قلتِ معاش کی وجہ سے کھانے کی کسی چیز سے اجتناب نہیں کرتے تھے، اور رسول اللہ صلعم بعض چیزوں سے احتراز فرماتے تھے، اس لئے پوچھ لیا کرتے تھے، اور اس سوال کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ میدان میں بہت کم رہتے تھے، اسلئے بہت سے حیوانات کا حال آپ کو معلوم نہ تھا، یا یہ کہ شریعت نے بعض جانوروں کو حرام کر دیا تھا، اور بعض کو مباح، لیکن عرب ان میں سے کسی کو حرام نہیں سمجھتے تھے، اور اون کو بھون کر یا پکا کر لاتے تھے، اس لئے جب تک سوال نہ کر لیا جاتا اون میں تمیز نہیں ہوتی تھی[1]،

---

[1] فتح الباری جلد ۹ ص ۴۶۶،

محاسنِ اخلاق

غیرت | اہلِ عرب سخت غیور تھے، اور اُن کی غیرت مندی کے مختلف نتائج تھے، مثلاً

(۱) عورتوں کی عزت و آبرو کی شدت کے ساتھ حفاظت کرتے تھے، اور اسی لئے اُنکو "بیضات الخدور" یعنی پردوں کا انڈا کہتے تھے، چنانچہ امرء القیس کہتا ہے،

وبیضۃ خدر لا یرام خباء ھا،

"اور پردہ کا انڈا جس کے خیمہ کے گرد کوئی پھٹک بھی نہیں سکتا"،

قرآن مجید میں اہلِ عرب کی اسی اخلاقی خصوصیت کے مطابق حوروں کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں،

وعندھم قاصرات الطرف عین	اور اہلِ جنت کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والیاں
کانھن بیض مکنون،	خوبصورت آنکھوں والیاں بیٹھی ہونگی.
(الصفت رکوع ۲)	گویا وہ چھپایا ہوا انڈا ہیں،

ہمارے مفسرین نے اگرچہ اسکو ایک مادی وصف قرار دیا ہے، یعنی اون کے نزدیک اس آیت میں حوروں کو شترمرغ کے انڈے سے تشبیہ دی گئی ہے، جس کا قدرتی رنگ سفید مائل بزردی ہوتا ہے، اور چونکہ شترمرغ اس کو اپنے پیروں سے چھپائے رکھتا ہے اس لئے وہ گرد و غبار سے آلودہ نہیں ہونے پاتا، اہلِ عرب کو عورتوں کا یہی رنگ پسند تھا، اس لئے خداوند تعالیٰ نے عورتوں کو اسی رنگ سے تشبیہ دی، لیکن بعض مفسرین کے

نزدیک یہ ایک اخلاقی وصف ہے، چنانچہ حضرت حسن نے اس کی یہ تفسیر کی ہے،

یعنی مصون لم تمسہ الایدی[1] یعنی وہ محفوظ ہیں اور انکو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا،

اور اوپر کے ٹکڑے یعنی "قاصرات الطرف" سے جس میں بہرحال عورتوں کی عفت مراد ہے،

یہی تفسیر مناسبت رکھتی ہے، قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے،

حور مقصورات فی الخیام (الرحمٰن - ۳) حوریں ہیں جو خیموں میں ٹھائی ہوئی ہیں،

جس سے ممکن ہے کہ رسمی پردہ مراد نہ ہو، تاہم اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اہل عرب عورتوں کو بالکل بے قید و بند نہیں رکھتے تھے، اور اون کو ہر ممکن طریقہ سے باعصمت رکھنا چاہتے تھے، اسی غیرت کی بنا پر جب عورتوں کو طلاق دیدیتے تھے تو اُن کو دوسرے اشخاص سے نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، اسلام نے اگرچہ اس بے اعتدالی کی اصلاح کر دی تاہم اہل عرب کی غیرت کو قائم رکھا، چنانچہ امام بخاری نے کتاب النکاح میں غیرت کا ایک مستقل باب باندھا ہے، اور اُس کے تحت میں متعدد حدیثیں لائے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ "اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو اُس کی گردن ماردوں"، رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "تم کو سعدؓ کی غیرت سے تعجب ہے، میں اُن سے بھی غیرت مند ہوں، اور خدا مجھ سے بھی غیرت مند ہے"، رسول اللہ صلعم کے اسی قول سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کر بیٹھے تو مقتول کا خون رائگاں جائیگا،[2]

ایک بار بہت سے صحابہ جن میں حضرت عمر بن الخطابؓ بھی تھے رسول اللہ صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا کہ "میں نے حالتِ خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، اور ایک عورت ایک محل کے پہلو میں وضو کر رہی ہے، لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ محل عمر بن الخطابؓ

[1] تفسیر ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۲۵ [2] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۸ و بخاری کتاب النکاح باب الغیرہ،

کا ہے، تو مجھے اون کی غیرت یاد آئی اور اُلٹے پاؤں واپس آیا، حضرت عمرؓ رو پڑے اور کہا کہ "میں آپ سے غیرت کرونگا"؟

ایک بار حضرت اسماءؓ پیدل جا رہی تھیں، راستہ میں رسول اللہ صلعم چند انصارؓ کے ساتھ ملے اور اون کو اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھانا چاہا، لیکن چونکہ اُن کے شوہر حضرت زبیرؓ نہایت غیور تھے، اس لئے اون کی غیرت کے خیال سے اُنھوں نے مردوں کے ساتھ سوار ہونا پسند نہیں کیا، عرب میں لڑکیوں کے زندہ دفن کرنے کا جو رواج ہو گیا تھا اوس کا ایک سبب جیسا کہ اوپر گذرا ایسی غیرت تھی،

(۳) یہ غیرت صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی، بلکہ اہلِ عرب اپنی عورتوں کی عزت وآبرو کی طرح اپنے ہمسایوں کی عورتوں کی عزت وآبرو کی بھی حفاظت کرتے تھے، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے،

واغض طرفی ان بدت لی جارتی	حتی یواری جارتی ماواھا
جب میری پڑوسن نکلتی ہو تو میں اپنی آنکھ جھکا لیتا ہوں	یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو جائے

ایک اور شاعر کہتا ہے،

وما تشتکینی جارتی غیر انھا	اذا غاب عنھا بعلھا لا ازورھا
میری پڑوسن کو مجھ سے صرف یہ شکایت ہو	کہ جب اُسکا شوہر باہر ہوتا ہو تو میں اُس سے ملنے نہیں جاتا

پابندی عہد حالتِ جنگ میں اگرچہ اہلِ عرب بعض موقعوں پر خدع وفریب سے کام لیتے تھے اس لئے ایسی حالتوں میں پابندی معاہدہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے، تاہم عام معاملات میں وہ معاہدوں کے سخت پابند تھے، اور یہ اُن کا عام قومی وصف تھا، اس لئے جو شخص معاہدوں کی خلاف ورزی کرتا تھا، وہ عام قومی مجمعوں میں سب کے سامنے ذلیل کیا جاتا تھا، چنانچہ اس قسم کے اشخاص کے لئے سوق عکاظ میں ایک جھنڈا نصب کیا جاتا تھا تاکہ تمام قوم کے سامنے

اُن کی ذلت و تشہیر ہو، صحیح مسلم کی ایک حدیث میں جس کے الفاظ یہ ہیں،

لکل غادر لواء یوم القیامۃ — قیامت کے دن ہر بدعہدی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا بلند کیا جائیگا،

جاہلیت کی اسی رسم کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ علامہ نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں،

وکانت العرب تنصب الالویۃ فی الاسواق الحفلۃ لغدرۃ الغادر لتشہیرہ بذلک[1]، — اہلِ عرب بھرے بازاروں میں بدعہدی کرنے والے کے لئے جھنڈے نصب کرتے تھے تاکہ اُس کی تشہیر ہو،

عرب کے قومی اخلاق میں جو لوگ بہت زیادہ ناموری حاصل کر لیتے تھے اُن کے نام خاص طور پر مشہور ہو جاتے تھے، مثلاً فیاضی میں حاتم طائی نے عام شہرت حاصل کی ہے، شجاعت میں بھی خاص خاص لوگ مشہور ہیں، اور پابندی عہد میں سموآل بن عادیا نے ایک خاص واقعہ کی بنا پر نام پیدا کیا ہے،

شجاعت غیر متمدن قوموں میں یوں بھی شجاعت پائی جاتی ہے، لیکن عام قتل و خون اور جنگ و خوں ریزی نے اہلِ عرب کو اور بھی زیادہ شجاع بنا دیا تھا، اُن کے نزدیک میدانِ جنگ میں مرنا بڑے فخر کی بات تھی، اور طبعی موت کو بہت بڑا عیب سمجھتے تھے، اور جو شخص اس طرح مرتا تھا اُس کی نسبت کہتے تھے،

مات فلان حتف انفہ — فلاں شخص ناک کی موت مرا،

ایک عرب کو جب معلوم ہوا کہ اُس کا بھائی قتل کر دیا گیا ہے، تو اُس نے فخریہ لہجہ میں کہا،

[1] نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۸۳،

کہ "اگر وہ قتل کر دیا گیا ہے، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، اُس کے باپ، بھائی، چچا سب کے سب اسیطرح قتل کئے گئے ہیں، خدا کی قسم ہم لوگ طبعی موت سے نہیں مرتے، بلکہ نیزوں سے کٹ کر اور تلوار کے سایہ کے نیچے مرتے ہیں"

اشعار جاہلیت کی ایک خاص قسم کا نام حماسیات ہے، اور وہ اسی قسم کے بہادرانہ کارناموں سے لبریز ہے، ایک شاعر کہتا ہے،

ومامات مناسید حتف انفہ	ولا طل مناحیث کان قتیل
ہمارا کوئی سردار ناک کی موت نہیں مرا	اور ہمارے کسی مقتول کا خون رائیگاں نہیں گیا
تسیل علی حد الظبات نفوسنا	ولیست علی غیر الظبات تسیل
ہمارا خون تلوار کی دھار پر بہتا ہے،	تلوار کی دھار کے سوا اور کسی چیز پر نہیں بہتا

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے،

لسنا نموت علی مضاجعنا	باللیل بل ادواؤنا القتل،

ہم رات کو اپنے بستروں پر نہیں مرتے، بلکہ ہماری بیماری صرف قتل ہے،

میدان جنگ کے علاوہ اس وصف نے اُن میں اور بھی بہت سے اخلاقی اوصاف پیدا کر دیئے تھے، مثلاً اُن کے قول و فعل میں ریا اور خوشامد کا شائبہ نہیں پایا جاتا تھا، بلکہ جو کچھ کہنا چاہئے اُس کو صاف صاف کہتے تھے، اور جو کچھ کرنا چاہئے اُس کو علانیہ کرتے تھے، ایک شاعر کہتا ہے،

فاما ان تکون اخی بصدق	فاعرف منک غثی من سمینی،
اگر تم میرے سچے دوست ہو،	تو میرے عیب و ہنر کو پہچانو،
والا فاطرحنی واتخذنی	عدوا اتقیک و تتقینی،

ورنہ مجھ سے الگ ہو جاؤ، اور مجھ کو اپنا دشمن بنالو کہ میں تم سے ڈروں اور تم مجھ سے

ایک اور شاعر کہتا ہے،

وبالعدل فانطق ان نطقت ولا تجر   وذالذم فاذممہ وذالحمد فاحمد

اگر کہو تو ٹھیک بات کہو، کجروی نہ اختیار کرو   بُرے کی بُرائی کرو، اور اچھے کی تعریف،

قبیلہ کی حمایت اور مصائب پر صبر وسکون کا جو جذبہ اہلِ عرب میں پایا جاتا تھا وہ اسی شجاعت کا نتیجہ تھا، ایک شاعر کہتا ہے،

انی لمن معشر افنی اوائلھم   قیل الکماۃ الا این المحامونا

میں اُس قبیلہ سے ہوں جن کے اگلوں کو بہادروں کے اس قول نے فنا کر دیا ہے کہ "ہمارے حمایت کرنے والے کہاں ہیں"

ولا تراھم وان جلت مصیبتھم   مع البکاۃ علی من مات یبکونا

مصیبت کتنی ہی بڑی ہو لیکن ہمارے   قبیلہ کے لوگ مرنے پر روتے نہیں،

صلہ رحمی | اعزہ واقارب کے تعلقاتِ قرابت کا لحاظ زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب کے نزدیک ایک نہایت قابلِ احترام وصف تھا، اس لئے جب کسی شخص سے کوئی درخواست کرتے تھے، تو اُس کے موثر بنانے کے لئے خدا کے ساتھ تعلقاتِ قرابت کا بھی واسطہ دیتے تھے اور کہتے تھے،

اسألک باللہ والرحم   یعنی میں تم سے خدا اور تعلقاتِ قرابت کا واسطہ دلاکر یہ درخواست کرتا ہوں،

اسی طریقہ کے موافق جب کفار رسول اللہ صلعم کے پاس کوئی خط روانہ کرتے تھے، تو اُس میں لکھتے تھے،

نناشدك اللہ والرحم، ہم آپ کو خدا اور تعلقاتِ قرابت کا واسطہ دلاتے ہیں،

بعض اوقات صرف تعلقاتِ قرابت ہی پر اکتفا کرتے تھے اور کہتے تھے اسألك بالرحم یعنی میں تم کو تعلقاتِ قرابت کا واسطہ دلاتا ہوں[1]، قرآن مجید کی اس آیت میں

واتقوا اللہ الذی تساءلون خدا سے ڈرو جس کے نام سے مانگتے ہو
بہ والارحام ۰ (نساء - ۱) اور قرابت سے،

اہلِ عرب کا یہی طریقہ مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ ان تعلقات کا لحاظ رکھتے تھے اور اعزہ و اقارب کی اعانت و امداد کرتے تھے، وہ نہایت معزز اور قابلِ مدح و ستائش خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ ابتدائے وحی میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبراہٹ ہوئی اور آپ نے حضرت خدیجہؓ سے واقعہ بیان کرکے کہا کہ مجھکو اپنی جان کا خوف ہے تو انھوں نے جن الفاظ میں آپ کو تسکین دی، اون میں پہلا فقرہ یہ ہے،

واللہ ما یخزیک اللہ ابدا انک خدا کی قسم، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کریگا
لتصل الرحم[2]، کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں،

حضرت ابوبکرؓ نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی اور راستہ میں ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی تو اُس نے اون کے مخصوص اخلاقی اوصاف کی بنا پر اون کو روک لیا اور کہا کہ "تم جیسا شخص نہ جلاوطن ہو سکتا نہ جلاوطن کیا جا سکتا" اس کے بعد اون کے جو اخلاقی اوصاف گنائے اون میں ایک صلہ رحمی بھی تھی[3]،

ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت

[1] تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ و ۱۹۵ [2] بخاری باب کیف کان بدء الوحی [3] ایضاً باب ہجرۃ النبی صلعم و اصحابہ الی المدینۃ

میں صدقہ کیا کرتا تھا، غلام آزاد کیا کرتا تھا، اور صلہ رحمی کیا کرتا تھا کیا مجھے اس پر ثواب ملے گا[1]

زمانۂ جاہلیت میں ابن جدعان ایک شخص تھا جو فیاضی اور صلہ رحمی میں نہایت نامور تھا[2]

فیاضی اور عالی حوصلگی زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب نہایت فیاض اور عالی حوصلہ تھے، اور اس فیاضی اور عالی حوصلگی کے مختلف مظاہر تھے مثلاً

(۱) عام دعوت دیتے تھے، اور اس پر فخر کرتے تھے، ایک شاعر کہتا ہے،

نحن فی المشتاۃ ندعوا الجفلی لا تری الادب فینا ینتقر

ہم لوگ زمانہ قحط میں عام دعوت دیتے ہیں، خاص دعوت نہیں دیتے،

زمانۂ جاہلیت میں عبداللہ بن جدعان ایک مشہور فیاض تھا، اس نے ایک بار مکہ میں فالودہ کی عام دعوت دی، بڑا لمبا چوڑا دستر خوان بچھایا، اور عام منادی کرادی کہ جو شخص فالودہ کھانا چاہے وہ آئے اور کھائے،

(۲) دولت مند لوگ غربا کو اپنی دولت میں شریک کر لیتے تھے، اور اس کو ایک وصف محمود سمجھتے تھے، ایک شاعر کہتا ہے،

والخالطون لجینھم بنضارھم وذوی الغنی منھم بذی الفقر

اپنی چاندی کو اپنے سونے کے ساتھ اور اپنے دولت مندوں کو محتاجوں کے ساتھ ملا لیتے ہیں

ایک اور شاعر کہتا ہے،

وانی لعف الفقر مشترک الغنی

میں محتاجی میں خود دار ہوں اور دولت مندی کی حالت میں اوروں کو اپنی دولت میں شریک کر لیتا ہوں

---

[1] مسلم کتاب الایمان باب بیان حکم عمل الکافر اذا اسلم بعدہ [2] ایضاً باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لا ینفعہ عمل،

اسی فیاضانہ وصف کی بنا پر انصار نے مہاجرین کو اپنے مال و جائداد میں شریک کر لیا تھا،

(۳) بڑے مہمان نواز تھے اور اس کے لئے بلند مقامات پر آگ روشن کرتے تھے تاکہ مسافروں کے لئے اس کی روشنی شمعِ راہ ہو، اور اُس کے ذریعہ سے اُن کے گھروں کا پتہ پا سکیں، لیکن اندھوں کے لئے یہ روشنی بیکار تھی، اس لئے بعض لوگ اس آگ پر عود جلاتے تھے تاکہ اندھے اس کی خوشبو کے ذریعہ سے آ سکیں، آگ کے علاوہ کتے پالتے تھے تاکہ اون کی آواز سے مسافران کے مکانات کا سراغ لگا سکیں،

بدؤں میں باہم فیاضی کے مقابلے ہوتے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ دو شخص اونٹ ذبح کرتے جاتے تھے، یہاں تک کہ اس فریقانہ مقابلہ میں ایک شخص اونٹ کے ذبح کرنے سے عاجز آ کر شکست کھا جاتا تھا،

ایک قاعدہ یہ بھی تھا کہ جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو اُس کی قبر پر اونٹ ذبح کرتے تھے، جس کی متعدد وجہیں بتائی جاتی ہیں، لیکن ان میں جو وجہ خاص طور پر فیاضی اور مہمان نوازی سے تعلق رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ زندگی میں مہمانوں کے لئے اونٹ ذبح کیا کرتے تھے، اُن کے احسانات کے صلہ میں مرنے کے بعد اون کی قبروں پر اونٹ ذبح کئے جاتے تھے،

(۴) قمار بازی اور شراب خواری بھی اہلِ عرب کی فیاضی کے بڑے مظاہر تھے، اور جو لوگ ان مشاغل میں شریک نہیں ہوتے تھے وہ بڑے بخیل خیال کئے جاتے تھے،

اسلام نے بھی اہلِ عرب کے اس وصف کو قائم رکھا، بلکہ اس کو ترقی دی، البتہ عرب میں فیاضی کے جو ناجائز اور غیر معتدل طریقے پیدا ہو گئے تھے، اسلام نے اُن کا انسداد کیا، مثلاً بدؤں میں محض نام و نمود کے لئے باہم مقابلۃً اونٹوں کے ذبح کرنے کا جو طریقہ قائم تھا، رسول اللہ صلعم

نے اُس کی ممانعت فرمائی،[1] مردوں کی قبروں پر اونٹوں کے ذبح کرنے کا جو دستور تھا، اُسکو بھی ناجائز قرار دیا، قمار بازی اور شراب خواری کی شدت کے ساتھ ممانعت فرمائی، اور فیاضی کا ایک معتدل طریقہ قائم کیا، اور اُس کو مسلمانوں کا مخصوص وصف قرار دیا،

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا	اور جو خرچ کرنے لگیں تو فضول خرچی نہ
ولم یقتروا وکان بین ذٰلک	کریں اور نہ بہت تنگی کریں بلکہ اُن کا خرچ
قواما (فرقان - ۴)	افراط اور تفریط کے درمیان بیچ راس کا ہو،

اہلِ عرب چونکہ محض فخارانہ مقابلہ اور نام ونمود کے لئے فیاضی کرتے تھے اس لئے اُس کی ممانعت کی، اور اس قسم کے اسراف کو شیطانی فعل قرار دیا، چنانچہ امام رازی "ولا تبذر تبذیرا ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

قال بعض العلماء خرجت	بعض علماء کا قول ہو کہ اس آیت کا
ھذہ الآیۃ علی وفق عادۃ العرب	مفہوم اہلِ عرب کی عادت کے موافق
وذلک لانھم کانوا یجمعون	ہے، کیونکہ وہ لوگ لوٹ مار سے مال
الاموال بالنہب والغارۃ ثم	جمع کرتے تھے، پھر اُس کو نام ونمود حاصل
کانوا ینفقونھا فی طلب الخیلاء والتفاخر[2]	کرنے کے لئے خرچ کرتے تھے،

اخلاقِ عجم

عرب کا یہ نظامِ اخلاق جس کے نمایاں اجزار کی تفصیل ابھی گذر چکی ہے، وحشت اور

---

[1] ابو داؤد کتاب الاضاحی باب ماجار فی اکل معاقرۃ الاعراب،

[2] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۰۰،

بدویت سے پیدا ہوا تھا لیکن بالکل اس کے مقابل اہلِ عرب کے سامنے عجمیوں کا نظام اخلاق بھی تھا جو تہذیب و تمدن کی انتہائی ترقی کا نتیجہ تھا، اہلِ عرب کے نظام اخلاق میں اگرچہ بہت سی بے اعتدالیاں پائی جاتی تھیں، لیکن اس کے بدترین اجزاء میں بھی اخلاقِ حسنہ کی جھلک موجود تھی، شراب نوشی اور قماربازی فیاضی کا مظہر تھی، دختر کشی کا رواج غیرت کا نتیجہ تھا عصبیت قومی حمیت کی دوسری شکل کا نام تھا لیکن عجمی نظامِ اخلاق درحقیقت کوئی روحانی نظامِ اخلاق نہ تھا، بلکہ جسمانی آسائش و آرام کے سامان کی کثرت میں اخلاق کے تمام روحانی اجزاء گم ہوگئے تھے، اور اسبابِ تعیش کے اس بے پایاں ذخیرہ نے تمام قوم کو اخلاقِ حسنہ سے معرا کر دیا تھا، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ "عجمیوں اور رومیوں میں چونکہ ایک مدت سے حکومت کا سلسلہ قائم تھا اور وہ لوگ دنیوی لذتوں میں مستغرق ہو چکے تھے، اس لئے اسباب معاشرت میں نہایت غلو پیدا کر لیا تھا اور اُس پر فخر کرتے تھے، اور اطراف ممالک سے اون کے یہاں حکماء آتے تھے اور ان اسباب میں نہایت نازک جدتیں اور اختراعیں پیدا کرتے رہتے تھے، یہ لوگ ہمیشہ اُن پر عمل کرتے تھے اور ہر ایک دوسرے کے مقابل میں بڑھنا چاہتا تھا، اور اس پر فخر و مباہات کرتے تھے، یہاں تک کہ جو رئیس لاکھ درہم سے کم قیمت کا کمربند یا تاج پہنتا تھا، یا اس کے پاس شاندار محل، حمام، باغ، عمدہ سواریاں، خوبصورت غلام، متنوع غذائیں، اور عمدہ لباس نہیں ہوتا تھا، اُس کو نہایت حقیر سمجھتے تھے، یہ تمام چیزیں اون کے اُصولِ معاشرت میں داخل ہوگئی تھیں، اور وہ بہ مشکل اوس کو چھوڑ سکتے تھے، اس نے ملک کے تمام اعضاء و جوارح کو مریض بنا دیا تھا، اور اس مرض سے بازاری، دیہاتی، دولت مند اور محتاج کوئی شخص محفوظ نہ تھا، کیونکہ یہ چیزیں بہت سے مال کے صرف کرنے سے حاصل ہوتی تھیں، اور یہ

مال اُس وقت تک نہیں حاصل ہو سکتا تھا، جب تک کاشتکاروں اور تاجروں وغیرہ پر دوگنا ٹکس نہ لگایا جائے اور اون پر تشدد نہ کیا جائے، اور وہ اگر اوس کے دینے سے انکار کریں تو اون سے جنگ کیجائے اور اون کو سزائیں دیجائیں،

اور اگر اون کی اطاعت کریں تو اون کو مویشی بنا لیا جائے جن سے کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا ہے، اور اون کو اس قدر فرصت نہ دیجائے کہ وہ سعادت اخروی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکیں، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ بڑے سے بڑے ملک میں بھی ایک شخص نہ تھا جس کو دین سے کوئی غرض ہو، نیز یہ تمام سامان صرف اوس وقت مہیا ہو سکتے تھے، جب ایک مستقل گروہ نظام عالم کے اصولِ معاش کو چھوڑ کر صرف ان غذاؤں، لباسوں، اور عمارتوں کی فراہمی کو اپنا ذریعۂ معاش بنا لے، عام لوگ بھی جب ان کے پاس آتے تھے، تو ان چیزوں میں انہی رئیسوں کی تقلید کرتے تھے، کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اُن کے نزدیک اُن کی کوئی حیثیت نہیں قائم ہوتی، اس طرح تمام لوگ بادشاہ کے دست نگر ہو گئے تھے، اور کبھی اوس سے یہ کہہ کر بھیک مانگتے تھے کہ وہ مجاہد اور مدبر ملک ہیں، اسلئے ان کو انہی کی وضع میں رہنا ہے، حالانکہ اس سے ضرورت کا پورا کرنا مقصود نہ تھا، بلکہ اپنے سلف کی وضع پر قائم رہنا مقصود تھا، کبھی یہ کہکر سوال کرتے کہ وہ شاعر ہیں، اور سلاطین نے ہمیشہ ان کو صلہ دیا ہے، کبھی یہ کہتے کہ وہ زہاد اور فقرا ہیں، بادشاہ کے لئے اُنکی خبر گیری نہ کرنا معیوب ہے، اس طریقہ سے ایک دوسرے کو تنگ کرتا رہتا تھا، اور اُنکی معاش بادشاہوں کی صحبت، بذلہ سنجی اور خوشامد پر موقوف ہوگئی تھی، جب ان مشاغل کی کثرت ہوئی تو اُن کی روح میں نہایت ذلیل اوصاف پیدا ہوگئے، اور اُن لوگوں نے اخلاقِ صالحہ سے بالکل روگردانی اختیار کر لی، اگر تم اس مرض کی حقیقت کو جاننا چاہتے ہو

تو ایسی قوم کی طرف دیکھو جس میں نہ حکومت ہے، نہ وہ لذیذ غذاؤں اور لباسوں میں تکلفات کرتی، تم کو نظر آئے گا کہ ان میں ہر شخص خود مختار ہے، اور اس کی گردن پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ نہیں ہے، اس لئے دین وملت کے لئے اوس کو وقت اور موقع مل سکتا ہے، پھر اُس کو دیکھو کہ اگر اُس میں سلطنت اور عمال سلطنت ہوتے اور وہ رعایا کو اپنا غلام بنا لیتی، تو اوس کا کیا حال ہوتا[1]"

بدقسمتی سے رومیوں اور ایرانیوں کی یہی دونوں سلطنتیں اور دوسرے متمدن ممالک پر اثر و اقتدار رکھتی تھیں، کیونکہ عراق، یمن، خراسان اور اُن کے متصل کے ممالک کسریٰ کے زیر اقتدار تھے، اور ماوراء النہر اور ہندوستان کے بادشاہ بھی اُس کے زیر اثر تھے، اور اُسکو سالانہ خراج دیتے تھے، قیصر روم اور شام پر فرماں روائی کرتا تھا، اور مصر، مغرب اور افریقہ کی سلطنتیں اوس کے زیر اثر تھیں اور اُسکو سالانہ خراج دیتی تھیں، اس لئے ان دونوں سلطنتوں کا اخلاقی اثر تمام مہذب ملکوں پر پڑتا تھا، اور وہ اون کی عیش پسندی سے متاثر ہوتے تھے، عرب اگرچہ اون کے سیاسی اقتدار سے آزاد تھا، تاہم یہ دونوں سلطنتیں عرب کے پہلو میں قائم تھیں اور ان سے اہل عرب کے تجارتی تعلقات قائم تھے، اس لئے اہل عرب پر بھی اون کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کا اثر پڑتا تھا، چنانچہ ایک بار حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ چٹائی پر لیٹے ہوئے اور چمڑے کے ایک تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے ہیں، جس کے اندر کھجور کی خشک پتیاں بھری ہوئی ہیں، چٹائی پر کوئی بچھونا نہیں ہے، اس لئے آپ کے پہلو میں چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے ہیں، گھر کے اندر ادھر اودھر دیکھا تو صرف تین کھالیں نظر آئیں، اس بے سروسامانی کو دیکھ کر بولے کہ "خدا سے دعا فرمایئے کہ وہ آپ

[1] حجۃ اللہ البالغہ جلد اوّل مطبوعہ مصر صفحہ ۸۴-۸۳،

کی امت کو مرفہ الحال بنائے، کیونکہ فارس و روم مرفہ الحال ہیں اور اون کو دنیا حاصل ہے، حالانکہ وہ خدا کو نہیں پوجتے،[1]

ایک بار حضرت قیس بن سعدؓ حیرہ گئے تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ ایک رئیس کو سجدہ کر رہے ہیں، پلٹ کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس واقعہ کو بیان کر کے کہا کہ "آپ اس کے بہت زیادہ مستحق ہیں کہ ہملوگ آپ کو سجدہ کریں"[2]، لیکن یہ طرز معاشرت چونکہ اخلاق کی اصلی روح کو بالکل فنا کر دینے والا تھا، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اس طرز معاشرت کے تمام اجزا کی بیخ کنی کی، کتب حدیث میں وضع و لباس وغیرہ کے متعلق بہت سی حدیثیں مذکور ہیں، جن سے اسی طرز معاشرت کی بیخ کنی مقصود ہے مثلاً

لا تشربوا فی اناء الذهب والفضة	سونے اور چاندی کے برتنوں میں پانی
ولا تلبسوا الدیباج والحریر فانه	نہ پیو اور دیبا و حریر نہ پہنو کیونکہ وہ
لهم فی الدنیا وهو لکم فی الآخرة	عجمیوں کے لئے دنیا میں ہیں اور تمہارے
(مسلم کتاب اللباس)	لئے آخرت میں،
خرج علینا رسول الله صلعم	صحابہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم عصا
متوکیا علی عصا فقمنا الیه فقال	پر ٹیک لگائے ہوئے نکلے تو ہملوگ کھڑے ہو گئے
لا تقوموا کما تقوم الاعاجم یعظم	فرمایا کہ جس طرح عجمی کھڑے ہو کر باہم تعظیم کرتے
بعضها بعضا (ابوداؤد کتاب الادب)	ہیں، اُس طرح نہ کھڑے ہوا کرو،
خالفوا المشرکین وفروا اللحی	مشرکوں یعنی مجوسیوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں
واحفوا الشوارب (بخاری کتاب اللباس)	بڑھاؤ، اور مونچھیں منڈ واؤ،

اسکے بعد ہم اب اوس نظام اخلاق کی تاریخ لکھتے ہیں جسکو اسلام نے عرب و عجم کے سامنے پیش کیا،

[1] بخاری کتاب ... باب غض البصر ... حال زوجها ...
[2] ابوداؤد کتاب النکاح ... حق الزوج علی المرأة،

اخلاق قرآنی

اسلام میں فقہی احکام کی اصلی تاریخ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلعم کی مدنی زندگی سے شروع ہوئی ہے لیکن اصول دین یعنی عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت، عقیدۂ حشر و نشر اور دوسرے اسلامی عقائد کی تاریخ مکہ ہی میں مکمل ہو گئی انہی اصولی چیزوں کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے اصول اخلاق کی تعلیم بھی مکہ ہی میں دی، چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب اپنے بھائی کو آپ کی تحقیقِ حال کے لئے مکہ میں بھیجا تو اُنھوں نے پلٹ کر آپ کی پیغمبرانہ خصوصیت یہ بتائی کہ

رایتہ یامر بمکارم الاخلاق — میں نے آپ کو مکارمِ اخلاق کا حکم دیتے ہوئے دیکھا،

(صحیح مسلم فضائل ابی ذرؓ)

ان اخلاقی تعلیمات کا ایک حصہ تو خود قرآنِ مجید میں مذکور ہے، اور ایک حصہ کی تشریح و تفصیل احادیث کی کتابوں میں موجود ہے، لیکن تاریخی حیثیت سے یہ پتہ لگانا کہ آپ نے فلاں فلاں اخلاقی حدیثیں مکہ میں اور فلاں فلاں اخلاقی حدیثیں مدینہ میں بیان کیں، مشکل بلکہ ناممکن ہے، اور جہاں تک ہمکو معلوم ہے محدثین کرام نے بھی احادیث کے متعلق مکی اور مدنی کی کوئی تفریق نہیں کی ہے، قرآن مجید کے مکی اور مدنی حصے بے شبہہ ممتاز ہیں اور اہلِ نظر نے اون کی خصوصیات بھی الگ الگ قائم کر دی ہیں، جن میں ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مکی سورتوں

میں زیادہ تر اصولِ دین اور اُصولِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہو، تاہم قرآن مجید کی اون اخلاقی تعلیمات میں بھی جو اُصولی طور پر مکہ میں دی گئیں تاریخی ترتیب پیدا کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ آیتوں کی تاریخ نامعلوم ہے، البتہ قرآن مجید کی بعض اخلاقی تعلیمات کے متعلق ہم کو یہ تصریح معلوم ہے کہ وہ مکہ میں دی گئیں، چنانچہ قرآن مجید کی جن آیتوں میں اصولِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اون میں ایک آیت یہ ہے،

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون،

(نحل - ۱۳)

(ترجمہ از ترجمان القرآن ابوالکلام آزاد)

مسلمانو! اللہ انصاف کرنے کا حکم دیتا، اور (لوگوں کیساتھ) احسان کرنیکا اور قرابت والوں کو (مالی امداد) دینے کا اور بیحیائی کے کاموں اور ناشایستہ حرکتوں اور (ایک دوسرے پر) زیادتی کرنے سے منع فرماتا ہو، تملوگوں کو (ایسی ایسی) نصیحتیں کرتا ہے،

اور اس آیت کے متعلق ہم کو بہ تصریح معلوم ہے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی اور حضرت عثمان بن مظعونؓ جو مہاجرین اوّلین اور سابقینِ اسلام میں ہیں، اسی آیت کو سن کر مکہ میں اسلام لائے[1] لیکن دوسری اخلاقی آیتوں کے متعلق ہم کو اس قسم کی تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہیں، البتہ مکی سورتوں میں جو اخلاقی تعلیمات مذکور ہیں، اون سب کے یکجا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیزیں اُصولِ اخلاق میں داخل ہیں، اون سب کی تعلیم مکہ ہی میں دیجا چکی تھی، اور ان تعلیمات کے مطابق مکہ میں اسلام کا جو اساسی نظامِ اخلاق قائم ہوا، اسکے اہم اجزا حسب ذیل ہیں:

(۱)
احترامِ نفسِ انسانی

اس سلسلہ میں قتلِ انسانی کی عام ممانعت کی گئی ہو جس میں کافر و مسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہو،

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۳۱۸

ولا تقتلوا النفس التی حرم اللّٰہ الا بالحق (بنو اسرائیل - ۴)

اور (کسی کی) جان کو جس کا مارنا اللّٰہ نے حرام کر دیا ہو، ناحق قتل نہ کرنا،

اور قتلِ اولاد کی رسمِ قبیح کو جو عرب میں مختلف صورتوں میں جاری تھی خصوصیت کیساتھ مٹایا گیا ہے، مثلاً

(۱) اس کی ایک صورت یہ تھی کہ اولادِ نرینہ کو بتوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے اور قرآن مجید نے سورۂ انعام کی ان آیتوں میں اسی کی مذمت اور ممانعت کی ہے،

وکذٰلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم لیردوھم ولیلبسوا علیھم دینھم ولو شاء اللّٰہ ما فعلوہ فذرھم وما یفترون،

(انعام - ۱۶)

اسی طرح بہتیرے مشرکین کو (انکے دبنائے ہوئے) شریکوں نے اون کے اپنے بچے مار ڈالنے کو انکی نظروں میں عمدہ کر دکھایا ہے تاکہ (آخر کار) انکو (ابدی) ہلاکت میں ڈالدیں اور تاکہ اون کے دین کو ان پر مشتبہ کر دیں (کہ سیدھا راستہ سجھائی نہ دے) اور خدا چاہتا تو یہ لوگ یہ (بے رحمی کا) کام نہ کرتے، تو (اے پیغمبر) انکو اور ان کی افترا پردازیوں کو (انکی حالت پر) رہنے دو،

قد خسر الذین قتلوا اولادھم سفھا بغیر علم، (انعام - ۱۶)

بیشک وہ لوگ گھاٹے میں ہیں جنھوں نے بدعقلی (اور) جہالت سے اپنے بچوں کو مار ڈالا

(۲) لیکن عام طور پر لڑکیاں اس مصیبت میں مبتلا تھیں، اور لوگ ان غریبوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، جس کے مختلف اسباب تھے، ایک سبب تو یہ تھا کہ لڑکیاں چونکہ کسبِ معاش نہیں کر سکتی تھیں، اس لئے اہلِ عرب جو اکثر مفلوک الحال ہوتے تھے، اُن کو اپنے فقر و فاقہ کے اضافہ کا ایک سبب سمجھتے تھے، اور اس بنا پر اونکو مار ڈالتے تھے، چنانچہ سورۂ بنو اسرائیل کی ایک آیت میں اس کی تصریح ہے،

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیرا (بنو اسرائیل ۴)

اور (لوگو) افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اون کو اور تمکو ہمیں روزی دیتے ہیں اولاد کا جان سے مارنا بڑا گناہ ہے،

اگرچہ اس میں اولاد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو لڑکے اور لڑکی دونوں کو شامل ہے لیکن امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ گو عام ہے تاہم اس سے درحقیقت لڑکیاں ہی مراد ہیں، چنانچہ اون کے الفاظ یہ ہیں،

"لڑکیاں چونکہ کسب معاش کی قدرت نہیں رکھتی تھیں اور لڑکے لوٹ مار کر کے کسب معاش کر سکتے تھے، اس لئے اہل عرب لڑکیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، نیز اُن کو یہ بھی خوف تھا کہ محتاج لڑکیوں کی طرف اُن کا کفو رغبت نہ ظاہر کرے گا، اس لئے اون کا نکاح غیر کفو میں کرنا پڑیگا، جو موجب ننگ و عار ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ "لا تقتلوا اولادکم" یعنی اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، اور اولاد کا لفظ مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے، اس بنا پر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اولاد کی محبت کا سبب اُس کا اولاد ہونا ہے، اور یہ ایک ایسا وصف ہے جو مرد اور عورت دونوں میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے، رہ گئی یہ بات کہ لڑکیوں کے زندہ رہنے سے فقر و فاقہ کا خوف ہے، تو بچپن میں لڑکوں کی نسبت بھی یہی اندیشہ ہے، نیز اپاہج لڑکوں کی نسبت بھی اس کا ڈر ہے، اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "نحن نرزقھم وایاکم" یعنی ہمیں اُنکو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ روزی خداوند تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح اُس نے مردوں پر روزی کے دروازے کھول دیئے ہیں، اوسی طرح عورتوں پر بھی روزی کے دروازے کھول سکتا ہے۔"

لیکن اکمال المعلم شرح مسلم سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے لڑکیوں کی طرح لڑکوں کو بھی مار ڈالتے تھے[1]

(۲) لڑکیوں کے مار ڈالنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ بعض اوقات وہ جنگ میں گرفتار ہو کر لونڈی بنالی جاتی تھیں، جس کو عرب کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی اور غالباً اون کے نزدیک نکاح بھی بے غیرتی کا ایک سبب تھا، اس بنا پر اون کے نزدیک لڑکیاں موجب ننگ و عار تھیں، اور اُس کا یہ اثر تھا کہ عرب میں جب کسی عورت کو دردِ زہ شروع ہوتا تھا تو اُس کا شوہر لوگوں سے روپوشی اختیار کر لیتا تھا اور جب تک ولادت نہ ہولے روپوش رہتا تھا، لیکن ولادت کے بعد اگر اسکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ لڑکا پیدا ہوا ہے تو خوش اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو نہایت رنجیدہ ہوتا تھا، اور چند دنوں تک لوگوں کو منہ تک نہیں دکھلاتا تھا، اور اس مدت میں اس پر غور و فکر کرتا رہتا تھا کہ اس کو مار ڈالے یا زندہ رہنے دے، اور اس غور و فکر کے بعد جو لوگ انکے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیتے تھے وہ اُس کے مختلف طریقے اختیار کرتے تھے، بعض لوگ زمین میں گڑھا کھود کر اون کو دفن کر دیتے تھے بعض لوگ اون کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیا کرتے تھے، بعض لوگ اون کو ڈبو دیتے تھے، اور بعض لوگ اون کو ذبح کر دیا کرتے تھے[2] لیکن اس کا عام اور متداول طریقہ زندہ درگور کر دینا تھا، اسی لئے قرآنِ مجید نے صرف اسی طریقہ کا ذکر کیا ہے،

واذا بشر احدھم بالانثی	اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا
ظل وجھہ مسودا وھو کظیم	ہونے کی خبر دیجائے تو (مارے رنج کے)
یتواری من القوم من سوء	اس کا منہ کالا پڑجائے لوگوں سے بیٹی کے

[1] المعلم شرح مسلم جلد ۴ صفحہ ۶۲ [2] تفسیر کبیر سورۂ نحل جلد ۵ صفحہ ۴۷۴-۴۷۵

ما بشر به الیمسکه علی هون		عار کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اُسکو خبر
ام یدسه فی التراب،	مرا ہوا بچی کو گاڑ دیتا	دی گئی چھپا چھپا پھرے (اور دل میں منصوبے
(نحل رکوع ۔۷)		سوچے کہ) آیا اس ذلت پر بیٹی کو لئے رہے

روایات سے بھی زیادہ تر اسی طریقہ کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ایک بار حضرت قیس بن عاصمؓ نے رسول اللہ صلعم سے بیان کیا کہ "میں نے زمانۂ جاہلیت میں آٹھ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا" ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میرے ایک لڑکی تھی جس کو میرے حکم سے میری بی بی بناؤ سنگار کرا کے میرے پاس لائی، اور میں نے اُسکو ایک میدان کے نہایت گہرے گڑھے میں ڈال دیا یہ صرف اسی شخص کی جدت طرازی نہ تھی، بلکہ بعض تفسیری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں یہ عام رواج تھا کہ جس بیٹی کو باپ مار ڈالنا چاہتا تھا شروع میں اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتا تھا لیکن جب وہ قریب بلوغ کے ہو جاتی تھی تو ماں اوس کو اچھے کپڑے پہنا کر جسم میں خوشبو لگا کر اور بنا سنوار کر اوس کے ساتھ کر دیتی اور وہ اوس کو اپنے ہمراہ بیابان میں لیجاتا جہاں پہلے سے ایک گڈھا کھدا ہوا تیار رہتا، اوس میں اوس لڑکی سے جھانکنے کو کہتا اور خود پیچھے سے اوس کو اوس میں ڈھکیل دیتا، مدینہ میں پہنچکر اس اخلاقی اُصول میں مختلف ترقیاں ہوئیں، مثلاً

(۱) قصاص اور اصلاحِ قصاص کے متعلق مکہ میں جو اجمالی حکم اس آیت میں دیا گیا تھا،

ومن قتل مظلوماً فقد جعلنا	جو شخص ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اُسکے والی
لولیه سلطانا فلا یسرف	(وارث) کو قاتل سے قصاص لینے کا) اختیار دیا ہے
فی القتل انه کان منصورا	تو اُسکو چاہیئے کہ خون کا بدلہ لینے میں زیادتی نہ
(بنو اسرائیل ۔ ۴)	کرے کیونکہ وہ اچھی بدلہ لینے میں بھی اُسکی جیت ہے،

مدینہ میں اس کی توضیح کی گئی، کیونکہ عرب میں :

(۱) اگر کسی کم رتبہ قبیلہ کا شخص کسی بلند رتبہ قبیلہ کے آدمی کو مار ڈالتا تھا تو مقتول کے وارث صرف قاتل ہی کے قتل پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اوس قبیلہ کے بہت سے اشخاص کو قتل کر دیتے تھے،

(۲) یہاں تک کہ خود معمولی درجہ کے قاتل سے قصاص نہیں لیتے تھے بلکہ اوس کو چھوڑ کر اوس قبیلہ کے متعدد سرداروں کو مار ڈالتے تھے،

(۳) صرف قاتل کے قتل ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اوس کا مثلہ کر ڈالتے تھے، یعنی اوس کے ناک کان ہاتھ پاؤں سب کاٹ ڈالتے تھے،

لیکن درحقیقت ان طریقوں سے قصاص کا اصلی مقصد نہیں حاصل ہوتا تھا بلکہ اس سے قتل و خونریزی کے جذبہ کو اور بھی تحریک ہوتی تھی، اس لئے مدینہ میں خداوند تعالیٰ نے قصاص کے اصل مقصد کو واضح کیا، اور بتایا کہ فرضیتِ قصاص کی اصلی غرض خونریزی کا انسداد ہے،

ولکم فی القصاص حیٰوۃ یآ	اور عقلمندو! قصاص (کے قاعدے)
اولی الالباب (بقرہ - ۲۲)	میں تمھاری زندگی ہے،

اس مقصد کے واضح کرنے کے بعد عملاً قصاص میں مساوات کا حکم دیا گیا،

یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم	مسلمانو! جو لوگ تم میں، مارے جائیں اون
القصاص فی القتلیٰ الحر بالحر	(کے بارے) میں تمکو (جان کے) بدلے (جان)
والعبد بالعبد والانثیٰ	کا حکم دیا جاتا ہے آزاد کے بدلے آزاد اور غلام
بالانثیٰ (بقرہ - ۲۲)	کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت،

مکہ میں قصاصِ اعضاء کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا، اس لئے اس کے متعلق تورات میں جو احکام مذکور تھے، وہ مدینہ میں مسلمانوں پر بھی عائد کیے گئے،

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص،

(مائدہ - ۷)

اور ہم نے توراۃ میں یہود پر یہ فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ ویسے ہی زخم،

قصاص کے بدلے بعض صورتوں میں صرف دیت وکفارہ کی ہدایت کی گئی،

وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاء ومن قتل مؤمنا خطأ فتحریر رقبۃ مؤمنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ وان کان من قوم بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مؤمنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیما ٥

(نساء - ۱۳)

اور کسی مسلمان کو روا نہیں کہ مسلمان کو (جان سے) مار ڈالے مگر غلطی سے (مار ڈالا ہو تو دوسری بات ہے) اور جو مسلمان کو غلطی سے (بھی) مار ڈالے تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرے، اور وارثان مقتول کو خونبہا دے (سوا اس کے) مگر یہ کہ وارثان مقتول خونبہا معاف کردیں پھر اگر مقتول اُنلوگوں میں کا ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ خود مسلمان ہو تو (بس) ایک مسلمان بردہ آزاد کرنا ہوگا، اور اگر مقتول، اُن لوگوں میں کا ہو جنمیں اور تم میں (صلح کا) عہد (وپیمان) ہے تو (قاتل کو چاہئے کہ) وارثان مقتول کو خونبہا پہنچائے اور اسکے علاوہ ایک مسلمان بردہ (بھی) آزاد کرے اور جس کو (مسلمان بردہ آزاد کرنے کا) مقدور نہ ہو تو لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے، کہ توبہ کا یہ طریقہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے اور اللہ (سب کے حال سے) واقف ہے اور اسکا انتظام بڑا پکا انتظام ہے

(۲) مکہ میں مویشیوں کے قتل کے متعلق کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن مدینہ میں ایکبار اخنس بن شریق نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر خداعانہ اور منافقانہ طریقہ سے اسلام کا اظہار کیا، لیکن جب آپ کی خدمت سے واپس ہوا تو مسلمانوں کی ایک جماعت کی کھیتی باڑی میں آگ لگادی اور اون کے گدھے مار ڈالے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

واذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد	اور جب (تمہارے پاس سے) لوٹ کر جائے تو
فیھا و یھلک الحرث والنسل	ملک کو کھوندا ہے تاکہ اس میں فساد پھیلائے
واللہ لا یحب الفساد ہ	اور کھیتی باڑی کو اور (آدمیوں اور جانوروں
(بقرہ - ۲۵)	کی نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا

یہ آیت اگرچہ ایک خاص شخص سے تعلق رکھتی ہے، لیکن امام رازی نے تصریح کی ہے کہ اکثر محققین مفسرین کے نزدیک وہ اون تمام اشخاص کو شامل ہے جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں، اور خود مختلف دلائل سے اس کی تائید کی ہے،

(۳) مکی سورتوں میں خودکشی کے متعلق بھی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی تھی لیکن مدینہ میں اس کے متعلق یہ آیت اُتری،

ولا تقتلوا انفسکم (نساء - ۵) اور اپنے آپ کو نہ مار ڈالو،

تاہم یہ دونوں آیتیں اس معاملہ میں قطعی نہیں ہیں، پہلی آیت میں بعض مفسرین کے نزدیک "حرث" سے مرد و عورت اور نسل سے اون کے بچے مراد ہیں، کیونکہ یہ آیت جس شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے اوس نے ایک گروہ کی عورتوں، مردوں، اور بچوں کو قتل کر دیا تھا، دوسری آیت میں تمام مفسرین کے نزدیک بالاتفاق یہ حکم دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی جان نہیں مارنا چاہئے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس میں خودکشی بھی داخل ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں

کے نزدیک اس میں خودکشی داخل نہیں ہے لیکن اُنھوں نے اس پر جو دلیل قائم کی ہے، امام رازی نے اُس کی تردید کر کے لکھا ہے کہ اس ممانعت میں خودکشی بھی داخل ہو سکتی ہے،

(۴) اولاد کے مار ڈالنے کی جو ممانعت مکی آیتوں میں کی گئی تھی اوس کو اور بھی زیادہ موکد کیا گیا، اور وہ بیعت علی الاسلام کے شرائط میں داخل کی گئی،

یا ایّھا النبی اذا جاءک المومنٰت	اے پیغمبر جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں
یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن	آئیں (اور) تم سے اس پر بیعت کرنی چاہیں
باللہ شیئا ولا یسرقن ولا	کہ کسی غیر کو اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی
یزنین ولا یقتلن اولادھن	اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کرینگی
الآیہ	اور نہ دختر کشی کریں گی (تو ان شرطوں
(ممتحنہ - ۲)	پر تم اُن سے بیعت لے لیا کرو)

تفسیر فتح البیان میں ہے کہ فتح مکہ کے زمانہ میں جب اہل مکہ کی عورتیں آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تو خداوند تعالیٰ نے آپ کو اون سے انہی شرائط پر بیعت لینے کا حکم دیا[1]، امام رازی نے اور بھی چند روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اہل مدینہ کی عورتوں بلکہ مردوں سے بھی انہی شرائط پر بیعت لی ہے،

قتل نفس کی ان صریح صورتوں کے علاوہ قتل کے اور بھی متعدد مشتبہ اور مخفی طریقے ہیں جن کی صریح ممانعت قرآن مجید میں مذکور نہیں ہے مثلاً اسقاطِ حمل اور عدم استقرار حمل کی تدبیروں کے متعلق قرآن مجید میں کوئی صریح امتناعی حکم نظر نہیں آتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ دلالۃ النص اور اشارۃ النص سے اُن کی ممانعت ثابت کیجائے یا یہ کہ عرب میں عملاً اُن کا رواج ہی نہ رہا ہو،

---

[1] تفسیر فتح البیان جلد ۹ صفحہ ۳۰۴،

(۲)

عفت و عصمت

اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ متعدد مکی آیتوں میں اس کا ذکر بھی قتل ہی کے سلسلہ میں کیا گیا ہے مثلاً

ولا یقتلون النفس التی حرم	(اور خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہیں) جو
اللہ الا بالحق ولا یزنون،	ناحق (ناروا) کسی شخص کو جان سے نہیں مارتے
(فرقان - ۶)	کہ اسکو خدا نے حرام کر رکھا ہے اور نہ زنا۔
ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃً	اور زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا کیونکہ
وساء سبیلاً ولا تقتلوا النفس	وہ بیحیائی ہے اور (بہت ہی) برا چلن ہے
التی حرم اللہ الا بالحق،	اور (کسی کی) جان کو جس کا مارنا اللہ نے
(بنی اسرائیل - ۴)	حرام کر دیا ہے ناحق قتل نہ کرنا،

اس کے علاوہ مکی آیتوں میں اُس کی ممانعت اور بھی مختلف طریقوں سے کی گئی ہے مثلاً اوپر کی آیتوں میں صریح الفاظ میں اُس کی ممانعت کی گئی ہے، بعض آیتوں میں اس سے بند لفظوں میں اس کا تذکرہ کیا گیا ہے،

والذین ھم لفروجھم حٰفظون	(وہ ایمان والے کامیاب ہوئے) جو اپنی شرمگاہوں

الا علیٰ ازواجھم اوما ملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاولئک ھم العادون۔ (مومنون - ۱۰)

کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بی بیوں یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈیوں) سے کہ (ان پر) اُن پر کچھ الزام نہیں لیکن جو اسکے علاوہ طلبگار ہوں تو وہی لوگ حد (شرع یا حد اخلاق) ...

اور متعدد آیتوں میں فواحش کا لفظ استعمال کیا گیا ہے،

ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن، (انعام - ۱۹)

اور بیحیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں اون سے کسی کے پاس بھی نہ پھٹکنا

والذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش (شوریٰ - ۴)

(اور خدا کا پائدار اجر) اون لوگوں کے لئے ہے جو بڑے بڑے گناہوں اور بیحیائی کی باتوں سے

الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم ان ربک واسع المغفرۃ ۵ (النجم - ۲)

(نیک عمل کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں) جو بڑے بڑے گناہوں اور بیحیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں مگر چھوٹے چھوٹے گناہ (کہ اُن سے کون بشر بچ سکتا ہے) بیشک تیرا خدا بڑی مغفرت والا ہے،

ان آیتوں میں "فواحش" سے صرف زنا مراد ہے، یا زنا کے علاوہ اس میں بیحیائی کی اور صورتیں بھی داخل ہیں؟ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے صرف زنا مراد ہے، چنانچہ وہ "لا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن" کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ "عرب کے لوگ علانیہ زنا کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ مخفی طور پر اس کے مرتکب ہوتے تھے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں خفیہ و علانیہ دونوں طریقوں سے زنا کرنے کی ممانعت کی" لیکن امام رازی نے لکھا ہے کہ لفظ عام ہے اور وہ

بیحیائی کے تمام خفیہ و علانیہ کاموں کو شامل ہے، اور اون سب میں ممانعت کی وجہ یعنی بیحیائی بھی موجود ہے، اس لئے اس تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے، بہر حال زنا کے ساتھ فحاشی اور بدکاری کی اور جتنی صورتیں تھیں وہ ان آیتوں کے ذریعہ سے حرام کر دی گئیں، اور اس طرح عفت و عصمت کا مفہوم مکمل کر دیا گیا، مدینہ میں پہنچکر اس کو اخلاقی جرم کے علاوہ ایک تعزیری جرم بھی قرار دیا گیا، اور فحاشی اور بدکاری کی تعزیری سزائیں مقرر کی گئیں جو اوّل اوّل صرف معاشرتی اور اجتماعی حیثیت رکھتی تھیں یعنی عورت کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ گھر میں مقید رکھی جائے اور مرد کو زجر و توبیخ کی جائے، چنانچہ یہ دونوں سزائیں اس آیت میں الگ الگ مذکور ہیں

والتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتیٰ یتوفٰھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا ۔ والذان یاتینھا منکم فاٰذوھما فان تابا واصلحا فاعرضوا عنھما ان اللہ کان توابا رحیما ه

(النساء ۔ ۳)

اور (مسلمانو!) تمھاری عورتوں میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو اُن (کی بدکاری) پر اپنے لوگوں میں سے چار کی گواہی لو پس اگر گواہ (انکی بدکاری کی) تصدیق کریں تو (سزا کے طور پر) ان (عورتوں) کو گھروں میں بند رکھو یہانتک کہ موت اُن کا کام تمام کر دے، یا اللہ اُن کے لئے کوئی (اور) رستہ نکالے، اور جو دو شخص تم لوگوں میں سے بدکاری کے مرتکب ہوں تو انکو زجر و توبیخ کرو، پھر اگر توبہ کریں اور اپنی حالت کی اصلاح کر لیں تو اُن سے (اور زیادہ)[۲]

[illegible]

کیونکہ باہر نکلنے والی عورتیں زیادہ تر بدکاری میں مبتلا ہوتی ہیں، اس لئے گھر میں روک رکھنے سے اون کی حالت روبہ اصلاح ہو سکتی ہے، لیکن مرد کو ضروریات معاش کے لئے گھر سے

لازمی طور پر نکلنا پڑتا ہے، اس لئے اس کے لئے صرف زجر و توبیخ پر اکتفا کیا گیا، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ زجر و توبیخ عورت اور مرد دونوں کی مشترکہ سزا ہو، اور گھر میں بند رکھنا صرف عورت کے لئے مخصوص ہو،

اس کے بعد یہ سزا منسوخ ہوگئی، لیکن اس نسخ کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے، بعض مفسرین کا خیال ہو کہ یہ آیت اوّل اوّل اس حدیث سے منسوخ ہوئی،

قال خذوا عنی خذوا عنی قد	رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھ سے سیکھ لو
جعل اللہ لهن سبیلا البکر	مجھ سے سیکھ لو، خدا نے عورتوں کے لئے
بالبکر والثیب بالثیب البکر	راستہ نکال دیا یعنی باکرہ عورت کو کوڑے
تجلد وتنفی والثیب تجلد و	لگائے جائیں اور وہ جلاوطن کر دیجائے اور
ترجم،	اور ثیبہ عورتوں کو کوڑے لگائے جائیں اور

پھر یہ حدیث سورۂ نور کی اس آیت

الزانیۃ والزانی فاجلدوا	عورت اور مرد زنا کریں تو اون دونوں
کل واحد منهما مائۃ جلدۃ،	میں سے ہر ایک کو سو درے مارو،

سے منسوخ کر دی گئی لیکن یہ صورت صرف اُن لوگوں کے مذہب کے مطابق صحیح ہو سکتی ہو جن کے نزدیک قرآن حدیث سے اور حدیث قرآن سے منسوخ ہو سکتے ہیں، لیکن جو لوگ نسخ کی اس صورت کے قائل نہیں ہیں، اون کے نزدیک یہ آیت اور یہ حدیث کوئی بھی منسوخ نہیں ہے بلکہ یہ حدیث ایک اجمال کی تفصیل اور ایک عموم کی تخصیص ہے، یعنی پہلی آیت سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ بدکارہ عورتوں کے گھر میں بند رکھنے کی ایک حد ہے، اس کے بعد خدا اون کے لئے کوئی اور راستہ نکالے گا، اور وہ راستہ وہی ہے جو اس حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے یعنی ثیب کیلئے

سنگساری اور باکرہ کے لئے درہ اور جلاوطنی، اسی طرح سورۂ نور کی آیت باکرہ اور ثیبہ دونوں کے لئے عام ہے، لیکن اس حدیث سے معلوم ہوگیا کہ وہ صرف باکرہ کے لئے مخصوص ہے، ثیبہ عورتیں اوس میں شامل نہیں ہیں، بلکہ اون کی سزا سنگساری ہے، اسی نسخ سے بچنے کے لئے ابو مسلم اصفہانی نے ایک اور راستہ نکالا ہے، اور اوس پر متعدد دلائل قائم کئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آیت کے پہلے ٹکڑے یعنی "والتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم الآیۃ"، کا تعلق اُن دو عورتوں سے ہے جو باہم ایک دوسرے سے ملوث ہوں، اور گھر میں بند رکھنے کی سزا ان ہی کے لئے مقرر کی گئی ہے، تاکہ خدا اون کے لئے کوئی دوسرا راستہ نکال دے، یعنی بطریق نکاح اون کو قضائے شہوت کی توفیق دے، اسی طرح آیت کے دوسرے ٹکڑے، یعنی "واللذان یاتیانہا منکم فاذوہما"، کا تعلق اُن دو مردوں سے ہے جو باہم فعل خلاف وضع فطری کا ارتکاب کریں اور اُن کی سزا کم سے کم زجر و توبیخ یا زیادہ سے زیادہ زدوکوب ہے لیکن اس موقع پر ہم اون کے دلائل سے بحث نہیں کرنی چاہتے، البتہ تاریخی حیثیت سے یہ ثابت ہونا چاہئے، کہ عرب میں فعل خلاف وضع فطری کا رواج تھا، لیکن جہانتک ہمکو معلوم ہے اہل عرب اس سے اس قدر ناآشنا تھے کہ ولید بن عبد الملک کہا کرتا تھا کہ "اگر خدا نے قرآن مجید میں آل لوط کا ذکر نہ کیا ہوتا تو یہ بات میرے خیال میں بھی نہ آتی کہ کوئی شخص ایسا بھی کرسکتا ہے[1]"، اس کے ساتھ اس حالت میں عورتوں کے گھر میں روک رکھنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا،؟ لیکن اگر اس رائے کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ مدینہ میں پہنچکر عصمت و عفت کا مفہوم زیادہ وسیع و عام ہوگیا، اور اُس میں وہ صورتیں بھی شامل ہوگئیں جن کا ذکر مکی آیتوں میں نہیں کیا گیا تھا، اس کے علاوہ مدینہ میں پہنچکر ان قانونی سزاوں

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی تذکرہ ولید بن عبد الملک،

کے ساتھ فحاشی اور بدکاری کی روک تھام کے لئے اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے بھی متعدد احکام نازل ہوئے،

(۱) بعض لوگوں نے بدکاری کو ذریعۂ معاش بنا لیا تھا اور اپنی لونڈیوں کو اس غرض کیلئے بدکاری پر مجبور کرتے تھے، اور اس طریقہ سے جو رقم حاصل ہوتی تھی اوس کو اپنے صرف میں لاتے تھے، چنانچہ عبداللہ ابن ابی رأس المنافقین کے پاس اس قسم کی چھ لونڈیاں تھیں جن میں سے بعض لونڈیوں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

ولا تکرھوا فتیاتکم علی البغآء	تمھاری لونڈیاں جو پاکدامن رہنا چاہتی
ان اردن تحصنا لتبتغوا عرض	ہیں اون کو دنیا کی زندگی کے عارضی
الحیوٰۃ الدنیا (نور - ۴)	فائدے کی غرض سے حرامکاری پر مجبور نہ کرو،

(۲) بدکار عورتوں سے جب تک وہ توبہ نہ کرلیں نکاح کرنا مسلمانوں کے لئے حرام قرار دیا گیا، چنانچہ ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے، مکہ سے مدینہ تک اُن کا پہنچانا حضرت مرثد بن ابی مرثد الغنویؓ سے متعلق تھا، وہ ایک رات اسی غرض سے مکہ میں آئے، اور ایک پابندِ سلاسل مسلمان کو ساتھ لے چلنے کے لئے بلایا. سوء اتفاق سے اون کی زمانۂ جاہلیت کی آشنا ایک پیشہ ور عورت جس کا نام عناق تھا گھر سے نکلی اور اُن کی پرچھائیں دیکھکر اون کو پہچان لیا اور نہایت گرمجوشی کے ساتھ مل کر اپنے گھر میں شب باشی کرنے کی دعوت دی لیکن اُنھوں نے معذرت کی کہ زنا حرام ہوگیا ہے، اس پر اوس نے شور وغل مچانا شروع کیا، تو وہ ایک پہاڑ کے غار میں جاکر چھپ گئے، کفار نے تعاقب کیا لیکن وہ بچ نکلے اور وہاں سے پلٹ کر مدینہ میں آئے تو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی لیکن

لہ ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی تعظیم الزنار، مزید تفصیل تفسیروں سے لی گئی ہے،

آپ خاموش ہو رہے اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی،

الزانی لا ینکح الا زانیۃ او مشرکۃ	بدکار مرد تو بدکار عورت یا مشرکہ عورت
والزانیۃ لا ینکحھا الا زان	ہی سے نکاح کریگا، اور بدکار عورت
او مشرک وحرم ذلک علی	کو بھی بدکار یا مشرک کے سوا اور کوئی
المومنین ہ	نکاح میں نہ لائیگا اور دیندار مسلمانوں
(نور - ۱)	پر تو ایسے تعلقات حرام ہیں،

اور اس آیت کی بنا پر آپ نے اون کو اوس سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دی[1] بعض لوگوں کے نزدیک اگر بدکار عورت بدکاری سے تائب ہو جائے تو اوس سے ایک مسلمان نکاح کرسکتا ہے،

(۳) رانڈوں، غلاموں، اور لونڈیوں کے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ وہ اس ذریعہ سے اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کرسکیں،

وانکحوا الایامی منکم والصلحین	اور اپنے رانڈوں کے نکاح کردو اور اپنے
من عبادکم وامائکم ان یکونوا	غلاموں اور لونڈیوں میں سے اون کے
فقراء یغنھم اللہ من فضلہ	جو نیک بخت ہوں اگر یہ لوگ محتاج
واللہ واسع علیم ہ	ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی
(نور - ۴)	کردیگا، اور اللہ گنجایش والا اور سب کے حال سے واقف ہے

لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے نکاح کرنے کی مقدرت نہیں رکھتے تھے اُن کو ضبطِ نفس کی تاکید کی گئی،

---

[1] نسائی کتاب النکاح باب تزویج الزانیۃ،

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ (نور-۴)

اور جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے اون کو چاہئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ اون کو اپنے فضل سے غنی کر دے،

(۴) اس قسم کے متعدد اخلاقی اور معاشرتی احکام نازل ہوئے جو پاکبازی، اور رفعِ تہمت کے لئے ضروری ہیں، مثلاً،

(۱) یاایّھا الّذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علیٰ اھلھا، (نور-۴)

مسلمانو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں گھر والوں سے پوچھے اور اُن سے سلام علیک کئے بغیر نہ جایا کرو،

(۲) فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یوذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکیٰ لکم (نور-۴)

پھر اگر تمکو معلوم ہو کہ گھر میں کوئی آدمی موجود نہیں تو جب تک تمھیں (خاص) اجازت نہ ہو انہیں نہ جایا کرو اور (اگر گھر میں کوئی ہو اور) تم سے کہا جائے کہ (اسوقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ آؤ یہ (لوٹ آنا) تمھارے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے،

(۳) یاایّھا الّذین آمنوا لیستاذنکم الّذین ملکت ایمانکم والّذین لم یبلغوا الحلم منکم ثلث مرات من قبل صلوٰۃ الفجر وحین تضعون ثیابکم من الظھیرۃ ومن

مسلمانو! تمھارے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلام) اور تم میں سے جو (حد) بلوغ کو نہیں پہنچے تین وقتوں میں (تمھارے پاس آنے کی) تم سے اجازت لے لیا کریں (ایک تو) نماز صبح سے پہلے (اور) دوسرے جب تم دوپہر کو (سونے کے لئے) کپڑے اُتارا کرتے ہو، اور تیسرے، نماز عشا

بعد صلوٰة العشآء ثلٰث
عورات لکم لیس علیکم
ولا علیھم جناح بعدھن
طوافون علیکم بعضکم
علی بعض ،ہ
(نور - ۸)

کے بعد (یہ) تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں
ان (اوقات) کے سوا (نہ تو بے اذن آنے دینے میں)
تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ (بے اذن چلے آنے میں) اُن پر
کچھ گناہ ہے کیونکہ وہ اکثر تمہارے پاس آتے جاتے رہتے
ہیں، (اور) تم سے بعض کو (یعنی لونڈی غلاموں کو)
بعض (یعنی تمہارے) پاس آنے جانے کی ضرورت لگی (رہتی ہے)

(۴) واذا بلغ الاطفال منکم
الحلم فلیستاذنوا کما استاذن
الذین من قبلھم ،
(نور - ۸)

اور (مسلمانو!) جب تمہارے لڑکے (حد بلوغ
کو پہنچیں تو جس طرح اُن سے اگلے (اور ان سے بڑے
عمر کے گھروں میں آنے کیلئے) اذن مانگا کرتے ہیں
(اُسی طرح) اُن کو بھی اذن مانگنا چاہیئے،

(۵) قل للمؤمنین یغضوا من
ابصارھم ویحفظوا فروجھم
ذلک ازکی لھم (نور - ۴)
وقل للمؤمنات یغضضن من
ابصارھن ویحفظن فروجھن
ولا یبدین زینتھن الا ما
ظھر منھا ولیضربن بخمرھن
علی جیوبھن ولا یبدین
زینتھن الا لبعولتھن او

(اے پیغمبر) مسلمانوں سے کہو کہ اپنی نظریں
نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
کریں اس میں اونکی زیادہ صفائی ہے،
اور (اے پیغمبر) مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی
اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی
حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو
ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اوس میں سے (چار و ناچار)
کھلا رہتا ہے (تو اُسکا ظاہر ہونے دینا مضائقہ کی
بات نہیں) اور اپنے سینوں پر ڈوپٹوں کے

اٰبائهن او اٰباء بعولتهن او
ابنائهن او ابناء بعولتهن
او اخوانهن او بني اخوانهن
او بني اخواتهن او نسائهن
او ما ملكت ايمانهن او
التابعين غير اولي الاربة
من الرجال او الطفل الذين
لم يظهروا على عورات
النساء ولا يضربن بارجلهن
ليعلم ما يخفين من زينتهن
(نور - ۴)

بجل مار رہیں اور اپنی زینت (کے مقامات) کو (کسی پر)
ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ
پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے
بھانجوں پر یا اپنی (یعنی اپنے میل جول کی) عورتوں
پر یا اپنے ہاتھ کے مال (یعنی لونڈی غلاموں)
(یا گھر کے لگے ہوئے ایسے) خدمتیوں پر کہ مرد تو ہیں
(مگر عورتوں سے کچھ) غرض نہیں رکھتے، یا لڑکوں
پر جو عورتوں کے پردے (کی بات) سے
آگاہ نہیں ہیں (چلنے میں) اپنے پاؤں
ایسے زور سے نہ رکھیں کہ (لوگوں کو) اُن کے
اندرونی زیور کی خبر ہو،

(۷) والقواعد من النساء التي لا
يرجون نكاحا فليس عليهن
جناح ان يضعن ثيابهن غير
متبرجت بزينة وان يستعففن
خير لهن،
(نور - ۸)

اور بڑی بوڑھی عورتیں جن کو نکاح کی اُمید
(باقی نہیں رہی) اگر اپنے کپڑے (چادر
وغیرہ) اُتار رکھا کریں تو اُس میں اون پر
کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اون کو (اپنا) بناؤ
دکھانا منظور نہ ہو اور (اگر اسکی بھی) احتیاط
کریں تو اُنکے حق میں اور بھی بہتر ہے،

اس معاملہ میں ازواجِ مطہرات یعنی رسول اللہ صلعم کی بی بیوں کا خاص درجہ قائم کیا گیا، اور انکو خصوصیت کے ساتھ یہ ہدایت کی گئی،

(۸) یٰنساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ

(احزاب-۴)

پیغمبر کی بی بیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں پس، اگر تمکو پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے (کسی کے ساتھ) بات نہ کیا کرو کہ ایسا کروگی، تو جس کے دل میں (کسی طرح کا کھوٹ ہے) وہ (خدا جانے) تم سے (کس طرح کی توقعات پیدا کرے) اور اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور اگلے زمانہ جاہلیت کے (سے) بناؤ سنگار نہ دکھاؤ

اور اُن کے متعلق مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا،

(۹) واذا سالتموھن متاعا فسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن ۵

(احزاب-۷)

اور جب پیغمبر کی بی بیوں سے تمھیں کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے باہر (کھڑے رہ کر) ان سے مانگو اس سے تمھارے دل (انکی طرف سے) خوب پاک (صاف) رہینگے اور (اسیطرح) انکے دل بھی

(۱۰) یا ایھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلک ادنی ان یعرفن فلا یوذین (احزاب-۸)

اے پیغمبر اپنی بی بیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہدو کہ اپنی چادروں کے گھونگھٹ نکال لیا کریں، اس سے غالباً یہ (الگ) پہچان پڑیں گی (کہ نیک بخت ہیں) اور کوئی چھیڑے گا نہیں،

شراب بھی اسی سلسلہ کی چیز ہے شراب کے متعلق مکہ میں جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے

ومن ثمرات النخیل والاعناب

اور (اسی طرح) کھجور اور انگور کے پھلوں سے

تتخذون منہ سکرا ورزقا	ہم تمکو ان کا شیرہ، پلاتے ہیں تم اون کی شراب
حسنا، (نحل۔ ۹)	بناتے ہو اور عمدہ روزی،

امام رازی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں حرمتِ شراب کا اشارہ موجود ہی، کیونکہ خداوندتعالیٰ نے "رزقِ حسن" سے الگ اس کا تذکرہ کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ صرف شہوانی حیثیت سے عمدہ چیز ہے، شرعی حیثیت سے عمدہ روزی نہیں ہے، مدینہ آکر اس اشارہ نے تصریح کی صورت اختیار کی اور اس کے متعلق تدریج احکام نازل ہوئے، چنانچہ اس کے متعلق سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی،

یسئلونك عن الخمر والمیسر	لوگ تم سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں
قل فیھما اثم کبیر ومنافع	تو کہدو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہی، اور
للناس واثمھما اکبر من نفعھما،	لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں لیکن ان دونوں کے
(بقرہ۔ ۲۷)	فائدے سے ان دونوں کا گناہ زیادہ ہے،

جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ میں پہنچکر اس قسم کی اخلاقی فضا پیدا ہوگئی تھی کہ لوگ شراب کی حلت وحرمت کے متعلق سوال کرنے لگے تھے، اور غالبًا سوال کی بنیاد اس امر پر تھی کہ شراب میں نقصانات کے ساتھ مختلف قسم کے فوائد بھی موجود تھے لیکن خداوندتعالیٰ نے نقصانات کی کثرت کی بناپر اوس کو ایک قابلِ احتراز چیز قرار دیا، تاہم چونکہ اس آیت میں صریح ممانعت نہیں کی گئی تھی بلکہ صرف شراب اور جوئے کے نفع ونقصان کا موازنہ کرکے کنایۃً اون سے روکا گیا تھا، اس لئے حضرت عمرؓ کو اس سے تسکین نہیں ہوئی اور اون کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی تو انھوں نے فرمایا،

اللھم بین لنا فی الخمر بیانا شافیا	خداوندا! شراب کے متعلق ہمارے لئے تسکین بخش بیان فرمائے

اس کے بعد بعض صحابہؓ نے شراب پی کر امامت کی تو نشہ کی حالت میں کچھ کا کچھ پڑھ گئے اس پر سورۂ نسار کی یہ آیت نازل ہوئی،

یاایھا الذین آمنوا لاتقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ (نسار-۷)	مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو،

اور اس کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو رسول اللہ صلعم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ "کوئی مخمور نماز میں شامل نہ ہونے پائے"، تاہم چونکہ یہ ممانعت بھی محدود تھی اس لئے حضرت عمرؓ کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوئی اور انھوں نے خدا سے پھر وہی سوال کیا کہ

اللھم بین لنا فی الخمر بیاناً شفاء	خداوندا! شراب کے متعلق ہمارے لئے تسکین بخش بیان فرمائے

اس کے بعد سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی،

یاایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون (مائدہ-۱۲)	مسلمانو! شراب، جوا، بت اور جوے کے تیر بالکل ناپاک ہیں اور شیطان کے کام ہیں تو تم ان سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں میں شراب اور جوے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے، اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے، تو بولو! تم باز آتے ہو،

اب اس آیت سے شراب قطعی طور پر حرام ہوگئی، اور حضرت عمرؓ پکار اٹھے انتھینا، ہم باز آئے۔

قفال نے حرمتِ شراب کی اس تدریجی ترتیب کی حکمت اور مصلحت یہ بتائی ہے کہ اہلِ عرب شراب کے سخت عادی تھے اور اُس سے اون کو مختلف فوائد حاصل ہوتے تھے، ایسی حالت میں اگر شراب دفعۃً حرام کردیجاتی تو اون پر نہایت شاق گذرتا لیکن بعض لوگوں کے نزدیک شراب پہلی ہی آیت سے حرام کردی گئی تھی، البتہ اوس کے بعد سورہ مائدہ کی آیت نے اس حرمت کو اور بھی موکد کردیا، بہرحال حرمتِ شراب کے بعد رسول اللہ صلعم کے حکم سے مدینہ میں اوس کا عام اعلان کیا گیا، اور نہایت شدت کے ساتھ اس اعلان پر عمل ہوا چنانچہ حضرت انسؓ بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ "میں ابو عبیدہؓ، ابو طلحہؓ، اور ابی بن کعبؓ کو شراب پلارہا تھا کہ اسی حالت میں ایک شخص نے اطلاع دی کہ شراب حرام کردی گئی، یہ سن کر ابو طلحہؓ نے فوراً کہا کہ انس! اُٹھو شراب کو گرادو، چنانچہ میں نے شراب گرادی[1]،

ان ہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ میں ابو طلحہؓ کے مکان میں لوگوں کو شراب پلارہا تھا کہ ایک منادی نے آواز دی کہ "شراب حرام کردیگئی" یہ سُن کر ابو طلحہ نے مجھ سے کہا کہ "تو شراب گرادو" اور لوگوں نے اس کثرت سے شراب گرائی کہ مدینہ کی گلیاں بہنے لگیں"!

---

[1] بخاری کتاب الاشربہ باب نزل تحریم الخمر وہی من البسر والتمر،

(۳)

ہمدردی و مواسات

ہمدردی و مواسات کے مختلف اقسام و مواقع ہیں، اور کئی آیتوں میں ایک عام لفظ میں ان تمام اقسام و مواقع کا استقصار کر دیا گیا ہے

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان (نحل - ۱۳)	اللہ لوگوں کے ساتھ انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے،

دوسری جگہ اسی مفہوم کو اس سے زیادہ وسیع اور عام لفظ میں مسلمانوں کا مخصوص وصف قرار دیا ہے،

والذین یصلون ما امر اللہ بہ ان یوصل ہ (رعد - ۳)	اور یہ وہ لوگ (ہیں) کہ خدا نے جن (باہمی تعلقات) کے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے اون کو جوڑے رہتے ہیں،

اگرچہ بظاہر اس آیت میں صرف اعزہ واقارب کی صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہی، جو احسان اور سلوک کی ایک محدود شکل ہے، لیکن درحقیقت آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے اس تحدید کی تائید ہو، بلکہ اس میں اجمالی طور پر عام تعلقات انسانی کے قائم رکھنے کا ذکر ہے، اور یہ ایک ایسی چیز ہے جسمیں ہر قسم کی ہمدردی، ہر قسم کا احسان، اور ہر قسم کا سلوک بلکہ نرمخوئی و

شگفتہ روئی تک شامل ہیں، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں،

"اس سے بندگانِ خدا کے تمام ضروری حقوق مراد ہیں، اس لئے اس میں اعزہ کی صلہ رحمی بھی داخل ہے اور عام مسلمانوں کی قرابت بھی اور اسی تعلق میں وہ مدد بھی شامل ہے جو کبھی فائدہ پہنچا کر کی جاتی ہے، اور کبھی مصیبت کو ٹال کر، مریض کی عیادت کرنا، جنازے میں شریک ہونا، لوگوں کو سلام کرنا، اون سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملنا اور اون کی تکلیفوں کو دور کرنا بھی اس میں داخل ہیں، بلکہ جانور یہاں تک کہ بلی اور مرغی بھی اس میں شامل ہیں، چنانچہ مکہ میں حضرت فضیل بن عیاض کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے تو اونھوں نے دریافت کیا کہ تم لوگ کہاں سے آتے ہو؟ سب نے کہا خراسان سے، فرمایا خدا سے ڈرو اور جہاں جی چاہے رہو، اور یہ یقین رکھو کہ ایک شخص جو خوب احسان کرتا ہے، اگر اپنی مرغی سے بھی برائی کے ساتھ پیش آگیا، تو اوس کا شمار احسان کرنے والوں میں نہ ہوگا[۱]"

لیکن ہمدردی و مواسات کی عام و متداول صورت اہلِ حاجت کی مالی امداد ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے مکی آیتوں میں اس کلی حکم سے الگ جزئی طور پر اس کا ذکر بار بار کیا ہے، اور اُس کو مسلمانوں کا مخصوص وصف قرار دیا ہے،

وانفقوا مما رزقنٰھم سرًا و علانیۃً (رعد - ۳)	اور ہم نے جو اون کو رزق دیا تھا اسمیں سے چھپکے (چپکے) اور ظاہر طور (خدا کی راہ میں) خرچ کیا،

سورۂ مومنون، سورۂ روم اور سورۂ مزمل میں اسی انفاق کو زکوٰۃ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

والذین ھم للزکوٰۃ فاعلون (مومنون-۱)	اور کامیاب مسلمان وہ ہیں جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں،

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۹۲،

وما اٰتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند اللہ وما اٰتیتم من زکوٰۃ تریدون وجہ اللہ فاولٰئک ھم المضعفون (روم - ۴)

اور جو تم لوگ اس غرض سے دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں وہ بڑھتا رہے تو وہ خدا کے یہاں نہیں بڑھتا ہے، اور جو تم محض خدا کی رضا جوئی کے ارادے سے زکوٰۃ دیتے ہو، تو جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہی (اپنے کئے کو خدا کے یہاں) بڑھا رہے ہیں

واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واقرضوا اللہ قرضاً حسنا (مزمل - ۲)

اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو خوش دلی سے قرض دیا کرو،

ان تمام آیتوں میں "انفاق" کا صرف اجمالی تذکرہ کیا گیا ہے، لیکن دوسری آیتوں میں اس کے محل و مواقع بھی بتا دیئے گئے ہیں،

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم (ذاریات)

اور اُن کے مال میں سائل اور آفت رسیدہ کا حق،

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا (دہر - ۱)

اور محبت خدا کی بنا پر محتاج اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں،

وما ادراک ما العقبۃ فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ ثم کان من الذین اٰمنوا وتواصوا بالصبر وتواصوا بالمرحمۃ ۵ (سورہ بلد - ۱)

اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا مراد ہے (گھاٹی سے مراد) کسی کی گردن کا (غلامی، یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم کو (خاص کر جبکہ وہ اپنا رشتہ دار بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہے، چاہیئے تھا کہ اس گھاٹی میں سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ اُن لوگوں (کے زمرے) میں ہوتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے ۱؎

۱؎ اور ایک دوسرے کو مرحمت (یعنی شفقت و مہربانی) کی تاکید کرتے رہے

مدینہ میں زکوٰۃ کے فرض ہونے سے اگرچہ مالی ہمدردی ومواسات کا ایک مستقل نظام قائم ہوگیا، تاہم مکہ میں جن لوگوں کی مالی امداد فرض تھی وہ بعینہ مدینہ میں بھی فرض رہی، اور زکوٰۃ سے الگ اون کی مالی امداد کا حکم متعدد آیتوں میں دیا گیا،

وآتی المال علی حبہ ذوی	اور مال اللہ کی حب پر رشتہ داروں
القربی والیتمٰی والمسٰکین و	اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور
ابن السبیل والسآئلین و	مانگنے والوں کو اور (غلامی وغیرہ کی قید سے
فی الرقاب (بقرہ - ۲۲)	لوگوں کی) گردنوں کے چھڑانے میں دیا،
قل مآ انفقتم من خیر	تو (اون کو) سمجھا دو کہ (خیر خیرات کے طور پر
فللوالدین والاقربین والیتمٰی و	جو مال بھی خرچ کرو تو (وہ تمھارے) ماں باپ
لمسٰکین وابن السبیل ۵	کا حق ہے اور قریب کے رشتہ داروں کا اور یتیموں
(بقرہ - ۲۶)	کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا،

چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں فآت ذالقربی حقہ والمسکین وابن السبیل، الآیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں،

" حالانکہ خداوند تعالیٰ نے مصارفِ زکوٰۃ میں آٹھ قسموں کا ذکر کیا ہے لیکن اس آیت میں صرف انہی تین قسموں کا ذکر اسلئے کیا ہے کہ اس جگہ اون لوگوں کو بیان کرنا مقصود تھا جن پر احسان کرنا ہر شخص کا فرض ہے، چاہے اس پر زکوٰۃ فرض ہو یا نہ ہو چاہے سال گذرنے کے بعد ہو یا اوس سے پہلے کیونکہ اس جگہ مقصد شفقت عامہ ہے، اور ان تینوں پر احسان واجب ہے گو احسان کرنے والے کے پاس مال زائد نہ ہو، رشتہ دار پر صرف کرنا فرض ہے گو مال پر زکوٰۃ واجب نہ ہو مثلاً وہ جائداد یا مال جس

سال نہ گذرا ہو مسکین کی بھی یہی حالت ہے، کیونکہ جس شخص کے پاس کچھ نہیں ہے اجب وہ
سخت محتاج ہو جائے تو ہر صاحبِ مقدرت پر اوس کی حاجت کا پورا کرنا فرض ہے،
گو اُس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو، اسی طرح جو مسافر کسی جنگل میں درماندہ ہو گیا اور دوسرے
شخص کے ساتھ سواری ہے جس پر وہ اوس کو ایک محفوظ مقام تک پہنچا سکتا ہے، تو
اوس پر یہ واجب ہے گو اوس پر زکوٰۃ فرض نہ ہو، ان کے علاوہ اور جو اقسام ہیں، اون پر
مال صرف کرنا صرف اونہی لوگوں پر فرض ہے جن پر زکوٰۃ فرض ہے، چنانچہ محصلِ زکوٰۃ
مکاتب، مولفۃ القلوب اور قرضدار کی حالت پر غور کرنے سے معلوم کر سکتے ہو[1]
ان میں فقراء، ومساکین تو فرضیتِ زکوٰۃ کے بعد مصارفِ زکوٰۃ میں بھی داخل کر لئے گئے، اور
ان کے علاوہ مدینہ میں اصحابِ صفہ کا جو مستقل گروہ تھا جس نے صرف دینی خدمات کو اپنی زندگی
کا مقصد قرار دیا تھا، وہ بھی اگرچہ انہی میں داخل تھا تاہم اوس کے مخصوص اوصاف کی بنا پر
اون کا ذکر ان سے الگ کیا گیا،

للفقرآء الذین احصروا فی سبیل
اللّٰہ لا یستطیعون ضربا فی الارض
یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف
تعرفھم بسیمٰھم لا یسئلون
النّاس الحافاً
(بقرہ - ۳۷)

(خیرات تو) اُن حاجتمندوں کا حق ہے جو اللہ
کی راہ میں گھرے بیٹھے ہیں، ملک میں کسی طرف کو
(جانا چاہیں تو) جا نہیں سکتے (جو شخص انکے حال سے
بے خبر ہے وہ) اُنکی خودداری (کیوجہ) سے ان کو
غنی سمجھتا ہے (لیکن اے مخاطب، تو اونکو دیکھے تو)
انکی صورت سے ان کو صاف پہچان جائے،

انکے علاوہ مالی ہمدردی و مواسات کی جتنی تکمیلی صورتیں تھیں سب مصارفِ زکوٰۃ میں شامل

[1] تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۷۱۹،

کر لی گئیں، لیکن اُن میں سب سے زیادہ واجب الرحم قرضداروں کا گروہ تھا، اور اُس کے لئے صرف یہی کافی نہ تھا کہ زکوٰۃ کے ایک حصہ سے اوس کی اعانت کیجائے، بلکہ اوس کی اعانت کا اصلی طریقہ یہ تھا کہ اس طبقہ کو سود خواری کی مصیبت سے نجات دلائی جائے، لیکن سود خواری کی ممانعت اخلاق کے اون غامض مسائل میں سے ہو کہ جب تک تمام مسلمہ اخلاقی مراتب کا انسان خوگر نہ ہو جائے، سود خواری کو نہیں چھوڑ سکتا، اس لئے ہمدردی و مواسات کے تمام مراتب کی تکمیل کے بعد سب کے آخر میں سود خواری کی ممانعت کی گئی، بلکہ مکی اور مدنی نظام اخلاق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں صرف اُنہی اخلاق کی تعلیم دی گئی ہی، جو عرب بلکہ دنیا کی کل قوموں کے مسلّمات میں داخل تھے، پھر جب اہلِ عرب اس مسلّمہ نظام اخلاق کے پابند ہو گئے تو اوس کے بعد مدینہ میں دوسرے تکمیلی مراتبِ اخلاق کی تعلیم دی گئی، اور اُن سب میں سب سے آخری درجہ سود خواری کی ممانعت کا تھا، چنانچہ امام شاطبی الموافقات فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں،

> جو چیزیں مکارم اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں، سب سے پہلے اہل عرب اُنہی کے ساتھ مخاطب کئے گئے ہیں اون کا زیادہ تر حصہ مکی سورتوں میں پایا جاتا ہے، کیونکہ وہ ان سے مانوس تھے، اور انہی کے ساتھ اون کے یہاں مداحی کیجاتی تھی، مثلاً عدل و احسان، رشتہ داروں کے ساتھ مالی سلوک، ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم اور بدکاری گناہ، اور ظلم وغیرہ کی حرمت اس کے ساتھ جو چیزیں محاسنِ اخلاق میں داخل نہ تھیں، لیکن اہلِ عرب اُن کا شمار محاسنِ اخلاق میں کرتے تھے یا اون کے مفاسد اون کے مصالح سے زائد تھے، خداوند تعالیٰ نے اون سب کو باطل کیا، مثلاً شراب اور جوا، کیونکہ اہلِ عرب کے نزدیک شراب بزدل کو بہادر، بخیل کو فیاض اور کاہل کو حسیت

بنا دیتی تھی، اسی طرح جوا بھی اون کے نزدیک فقرار و مساکین اور محتاجوں کے ساتھ مالی
سلوک کرنے کا ایک پسندیدہ ذریعہ تھا خداوند تعالیٰ نے بھی ان فوائد کو تسلیم کیا،
لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ ان کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہیں، یعنی
ان سے باہم بغض و عداوت پیدا ہوتے ہیں اور نماز اور ذکر الٰہی سے روکتے ہیں،
شریعت کے پورے نظام کا اگرچہ یہ مقصد ہے کہ انسان مکارمِ اخلاق کے ساتھ
متصف ہو لیکن مکارمِ اخلاق کی ۲ دو قسمیں ہیں،

(۱) ایک تو وہ جو سب کی سمجھ میں آتے ہوں سب کے نزدیک مقبول ہوں، اور
سب لوگ اون کے خوگر ہوں،

ابتدائے اسلام میں اہلِ عرب کو انھی اخلاق کا حکم دیا گیا پھر جب وہ پوری طور
پر اوس کے پابند ہو گئے،

(۲) تو دوسرے قسم کے غامض مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی، اور انھی میں
بعض ایسے اخلاق تھے جو دفعۃً سمجھ میں نہیں آسکتے تھے، اس لئے وہ بعد کو بیان کئے گئے،
یہاں تک کہ سب کے اخیر میں سود کو حرام کیا گیا،[۱]

اس اصول کے مطابق مکہ میں سب سے پہلے اون لوگوں کے ساتھ مالی سلوک کرنے کا حکم
دیا گیا، جو فطرۃً اور مسلمہ طور پر مالی امداد کے مستحق تھے یعنی فقرار، مساکین، رشتہ دار ا دغلام وغیرہ
اور مدینہ میں بھی یہ حکم علیٰ حالہ قائم رہا، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد اور چند لوگوں کا اُس میں اضافہ
کیا گیا، لیکن یہ سب کے سب محدود طبقہ کے لوگ تھے، عام احسان کی صورت صرف یہ تھی کہ
قرضداروں کو قرض کی مصیبت سے نجات دلائی جائے، اس لئے مصارفِ زکوٰۃ میں انکو بھی

---

[۱] الموافقات فی اُصول الاحکام جلد ۲ صفحہ ۱۵ ملخصًا،

شامل کیا گیا، لیکن اس احسان کی سب سے غامض صورت یہ تھی کہ اون کو سود خواری کی لعنت سے بچایا جائے، اس لئے مدنی آیتوں میں نہایت پر زور طریقہ پر اس کی ممانعت کی گئی،

الّذین ینفقون اموالھم باللیل والنّھار سرًّا وعلانیۃ فلھم اجرھم عند ربّھم ولا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون الّذین یاکلون الرّبوٰا لا یقومون الّا کما یقوم الّذی یتخبطہ الشیطٰن من المس ۰

(بقرہ - ۳۸)

جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں تو ان (کے دیئے) کا ثواب اون کے پروردگار کے ہاں اونکو ملیگا اور (قیامت میں) اون پر نہ (تو کسی قسم کا) خوف (طاری ہوگا اور نہ وہ (کسی طرح) آزردہ خاطر ہوں گے، جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے دن) کھڑے نہیں ہو سکیں گے، مگر اوس شخص کا سا کھڑا ہونا جس کو شیطان نے مخبوط الحواس

یمحق اللہ الرّبوٰا ویربی الصّدقٰت (بقرہ)

اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے،

یاایّھا الّذین آمنوا اتّقوا اللہ و ذروا ما بقی من الرّبوٰا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحربٍ من اللہ ورسولہ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون ۰

(بقرہ - ۳۸)

مسلمانو! اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو، اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے (اسکو) چھوڑ بیٹھو اور اگر (ایسا) نہیں کرتے تو اللہ اور اُس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو رہو اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تمکو (یعنی پہنچتی ہے) نہ تم (کسی کا) نقصان کرو اور نہ کوئی تمہارا نقصان کرے،

اس احسان کے ساتھ مزید احسان یہ کیا کہ اگر مقروض تنگدست ہو تو اصل رقم کے وصول کرنے کیلئے

بھی مہلت دینے کا حکم دیا، اور اگر قرض سرے سے معاف ہی کر دیا جائے تو یہ اور بھی بہتر ہو،

وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی	اور اگر (کوئی) تنگدست (تمھارا) مقروض ہو
میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم	تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو
ان کنتم تعلمون ۞	تمھارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اوسکو
(بقرہ رکوع ۳۸)	(اصل قرضہ بھی) بخش دو،

تفصیل وتجمیل کا یہ فرق صدقات کی کیفیات کے بیان میں اور بھی زیادہ واضح و نمایاں نظر آتا ہے، مثلاً ایک مکی آیت میں اہلِ حاجت کے سوال رد کرنے کا یہ طریقہ بتایا گیا تھا،

فقل لھم قولاً میسورا (بنو اسرائیل-۳)	تو نرمی سے اون کو سمجھا دو،

لیکن مدنی آیت میں اسی طریقہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے،

الذین ینفقون اموالھم فی	جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں
سبیل اللہ ثم لا یتبعون	پھر خرچ کئے پیچھے (کسی طرح کا) احسان نہیں جتاتے
ما انفقوا منا ولا اذی لھم	اور نہ (لینے والے کو کسی طرح کی) ایذا دیتے ہیں
اجرھم عند ربھم ولا خوف	اونکو اون (کے دیئے) کا ثواب اون کے پروردگار
علیھم ولا ھم یحزنون قول	کے ہاں ملے گا، اور (آخرت میں) نہ تو اون پر
معروف ومغفرۃ خیر من	(کسی قسم کا) خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ (کسی
صدقۃ یتبعھا اذی واللہ	طرح پر) آزردہ خاطر ہونگے نرمی سے جواب دیدینا
غنی حلیم یا ایھا الذین آمنوا	اور (سائل کے اصرار سے) درگذر کرنا اوس خیرات
لا تبطلوا صدقتکم بالمن	سے بہت بہتر ہے جس کے (دیئے) پیچھے (سائل
والاذی کالذی ینفق مالہ	کو کسی طرح کی) ایذا ہو، اور اللہ بے نیاز (اور)

رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (بقرہ - ۳۶)	برد بار ہے مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے سے اوس شخص کیطرح اکارت مت کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے، اور اللہ اور روز۲

خیرات کا لفظ نہیں رکھا،

چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں،

قال بعضهم القول الميسور مثل قوله قول معروف و مغفرة خير من صدقة يتبعها اذى[1]،	بعض کا قول ہے کہ قول میسور اس قول کے مثل ہے "قول معروف و مغفرۃ خیر من صدقۃ یتبعھا اذی،

مکی آیتوں میں اس کے علاوہ صدقہ و خیرات کی کوئی کیفیت نہیں بیان کی گئی تھی، لیکن مدنی آیتوں میں اور بھی متعدد کیفیتیں بیان کی گئیں، مثلاً،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ (بقرہ - ۳۷)	مسلمانو! (خدا کی راہ میں) عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو، تم نے (تجارت وغیرہ سے) آپ کمائی ہوں تو اور ہم نے تمھارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگو اوس میں سے خرچ کرنے حالانکہ وہی چیز تمکو دی جائے تو تم اوسکو کبھی خوش دلی سے نہ۲

[illegible]

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۷۷،

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون،

(آل عمران - ۱۱)

لوگو! جب تک (خدا کی راہ میں اون چیزوں میں سے) نہ خرچ کروگے جو تمکو عزیز ہیں نیکی (کے کمال) کو ہرگز نہ پہنچ سکوگے،

ان تبدوا الصدقت فنعما ھی وان تخفوھا وتوتوھا الفقرآء فھو خیر لکم ہ

(بقرہ - ۳۷)

لوگو! اگر خیرات ظاہر میں دوتو وہ بھی اچھا (کہ اس سے خیرات کے علاوہ دوسروں کو بھی ترغیب ہوتی ہی) اور اگر اسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمھارے حق میں زیادہ بہتر ہی کیونکہ اسمیں ریا و نمود کا دخل نہیں رہتا،
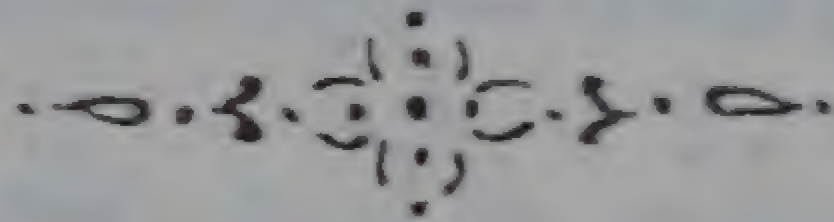
(۴)

حسن معاشرت

عام انسانی تعلقات میں سب سے بڑا تعلق ماں باپ کا ہے، اس لئے وہ حسنِ معاشرت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، اور قرآن مجید نے کئی آیتوں میں خاص طور اُس کی ہدایت کی ہے،

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا، (انعام رکوع ۱۹)

(اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے پروردگار نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ) یہ کہ کسی چیز کو خدا کا شریک مت ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرتے رہنا۔

وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما اوکلھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریما واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربینی صغیرا، (بنی اسرائیل - ۳)

اور تمھارے پروردگار نے حکم قطعی دیدیا ہے کہ (لوگو) اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا (اے مخاطب) اگر والدین میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچیں تو انکے آگے ہوں بھی نہ کرنا اور نہ اونکو جھڑکنا اور (ان سے کچھ) کہنا سننا ہو تو ادب کے ساتھ کہنا سننا، اور محبت سے خاکساری کا پہلو اون کے آگے جھکائے رہنا اور (انکے حق میں) دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جس طرح انہوں نے مجھے [illegible] چھوٹے سے پالا ہے (اور میرے حال پر) رحم [illegible]

ان دونوں آیتوں میں خداوند تعالیٰ نے اپنے حقِ توحید کے بعد والدین کے حق کا ذکر کیا ہے
جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان پر سب سے بڑا احسان تو خداوند تعالیٰ کا ہے جو حقیقی طور پر اوس کو عدم
سے وجود میں لاتا ہے، اور اُس کی پرورش کرتا ہے، لیکن اوس نے باپ ماں کو اس کا ظاہری
سبب بنایا ہے، اس لئے خدا کے اس لطف و کرم اور محبت و شفقت کا اظہار انہی دونوں
کے ذریعہ سے ہوتا ہے، اور انہی جذبات سے اولاد کی پرورش ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ
نے ماں باپ کے حق کا ذکر اپنے خاص حق کے ساتھ کیا ہے،

لیکن اولاد کی ولادت، رضاعت اور تربیت میں ماں کو چونکہ باپ سے زیادہ زحمت
برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لئے ماں کے ساتھ خاص طور پر حسنِ سلوک سے پیش آنے کے لئے
اوس کی ان تکلیفوں کا ذکر بطور علت کے کیا ہے،

ووصینا الانسان بوالدیه
حملته امه وهنا علی
وهن وفصله فی عامین ان
اشکرلی ولوالدیك الی
المصیره
(لقمان رکوع ۲)

اور ہم نے انسان کو اوسکے ماں باپ کے حق میں
تاکید کی (کہ ہر حال میں اونکا ادب ملحوظ رکھے) کہ
اوسکی ماں نے جھٹکے پر جھٹکے اُٹھا کر اوسکو پیٹ میں
رکھا اور (پیٹ میں رکھنے کے علاوہ کہیں) دو برس
میں (جاکر) اس کا دودھ چھوٹتا ہے، اسی وجہ سے
ہم نے انسان کو حکم دیا) کہ ہمارا (بھی) شکر کرو اور
اور اپنے والدین کا (بھی) (آخر کار) ہماری
ہی طرف (تم کو) لوٹ کر آنا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص مسلمان ہو لیکن اوس کے ماں باپ کافر
ہوں، اور اس کو مذہب اسلام سے برگشتہ کرنا چاہیں تو اوس کو اون کے ساتھ کس طرح پیش آنا
چاہئے؟ کیونکہ یہ ایک نہایت نازک موقع ہے، جہاں دو حقوق جو نہایت قوی اور مستحکم ہیں،

تصادم واقع ہوتا ہے، ایک تو خدا کا حقِ توحید وحقِ اطاعت جس سے ماں باپ روک رہے ہیں، دوسرے ماں باپ کا حقِ اطاعت جو انسان کو اون کے حکم کی تعمیل پر آمادہ کرتا ہے، یہ کوئی خیالی نظریہ نہ تھا، بلکہ ابتدا ہی میں اسلام کی تاریخِ اخلاق میں یہ نازک موقع پیش آیا، چنانچہ حضرت سعد بن مالکؓ کا بیان ہے کہ "میں اپنی ماں کا ایک اطاعت کیش فرزند تھا، لیکن جب میں اسلام لایا تو میری ماں نے کہا کہ اس مذہب کو چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دونگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میں مرجاؤں گی، اور تمھارے دامنِ اخلاق پر یہ بدنما دھبہ لگے گا، لیکن میں نے ماں کا کہنا نہیں مانا اور اوس نے کئی دن تک کھانا پینا چھوڑ دیا، اور اس طرح اوس کی حالت روز بروز نازک ہوتی گئی، لیکن میں نے صاف صاف کہدیا کہ "اگر تمھارے قالب میں سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان باری باری نکلتی رہے تب بھی میں اپنا دین نہ چھوڑونگا، چاہے تم کھانا کھاؤ یا نہ کھاؤ"، اور قرآن مجید نے اس نازک موقع پر ان دونوں متعارض حقوق میں یہ تطبیق دی کہ جہاں تک شرک کا تعلق ہے انسان کو ماں باپ کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے، اس کے علاوہ اور تمام حالات میں اون کا اطاعت گذار رہنا چاہئے، چنانچہ حضرت سعد بن مالکؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو یہ آیت نازل ہوئی،[۱]

وان جاھداك علی ان تشرك بی مالیس لك بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا	اور (اے مخاطب) اگر تیرے ماں باپ تجھکو اس (بات) پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ کسی کو شریکِ خدائی بنائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل ہی نہیں تو (اس میں) اون کا کہنا ماننا دگر، ہاں دنیا میں سعادت مندانہ[۲]
(لقمان رکوع ۲)	

بیٹے کو ماں باپ کے ساتھ جس قسم کے اخلاقی ومعاشرتی تعلقات رکھنے چاہئیں اس کا حکم

توجیسا کہ اس تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا، متعدد مکی آیتوں میں دیا گیا ہے، لیکن باپ ماں کو اولاد کے ساتھ جس لطف و محبت کا اظہار کرنا چاہئیے، اوس کا ذکر صرف اس مکی آیت میں آیا ہے،

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین و اجعلنا للمتقین اماما (فرقان رکوع ۶)

(اور خدائے رحمان کے بندے وہ ہیں) جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو ہماری بی بیوں (کی طرف) سے اور ہماری اولاد (کی طرف) سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت کر

لیکن ایک مسلمان باپ کے دل میں اولاد کی یہ محبت جس پر حسنِ معاشرت کی بنیاد قائم ہوتی ہے صرف مذہبی اشتراک کی بنا پر پیدا ہونی چاہئیے، چنانچہ حضرت عکرمہؓ کا قول ہے کہ "اس سے اُن لوگوں کا مقصد حسن و جمال نہیں بلکہ خدا کی فرماں برداری ہے" اس آیت کے متعلق حضرت حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا، تو فرمایا کہ "اگر کسی مسلمان کو یہ نظر آئے کہ اس کی بی بی، اوس کا بھائی، اور اُس کا عزیز خدا کی اطاعت کر رہا ہے، تو اوس سے بڑھ کر اوسکی آنکھوں کی ٹھنڈک کیا ہو سکتی ہے،؟" اس قسم کے اور اقوال بھی تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہیں، اور اون میں سب سے صحیح ترین روایت یہ ہے کہ ایک بار حضرت مقداد بن اسودؓ کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تو اون کے پاس سے ایک آدمی کا گذر ہوا اور اون کو دیکھ کر اوس نے کہا کہ مبارک ہیں یہ دونوں آنکھیں جنھوں نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا ہے، کاش آپ نے جو کچھ دیکھا ہے اوسکو ہم بھی دیکھتے، اور جن جن مقامات پر آپ کو شرفِ حضوری حاصل ہوا ہے کاش ہمکو بھی ہوتا" اس پر حضرت مقدادؓ نے اُسکی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آدمی ایسے مواقع پر موجود رہنے کی خواہش کیوں کرتا ہے جہاں وہ موجود ہوتا تو نہیں معلوم کہ اُس کا حال کیا ہوتا،؟ خدا کی قسم رسول اللہ صلعم سے ایسے لوگوں کا سابقہ پڑا جن کو خدا نے جہنم میں جھونک دیا، کیونکہ اونھوں نے نہ آپ کی

دعوتِ اسلام کو قبول کیا نہ آپ کی تصدیق کی، کیا تم لوگ اس پر خدا کا شکر نہیں کرتے کہ ماں کے پیٹ ہی سے خدا کو جاننے اور رسول اللہ صلعم کی تصدیق کرنے لگتے ہو، تمھاری مصیبت تو اور لوگ بھگت چکے، خدا نے رسول اللہ صلعم کو اُس زمانہ میں مبعوث فرمایا تھا جب اُسکی حالت بہت خراب تھی جس میں لوگ بت پرستی کو بہترین مذہب سمجھتے تھے، ایسی حالت میں آپ فرقان لے کر آئے، جس کے ذریعہ سے حق و باطل اور باپ اور بیٹے میں تفریق کروادی کیونکہ ایک شخص جس کا دل ایمان کے لئے کھول دیا گیا تھا، یہ دیکھ رہا تھا کہ اوس کا باپ، اوسکا بیٹا اور اوس کا بھائی کافر ہے، اور اُس حالت میں اگر وہ مرگیا تو جہنم میں داخل ہوگا، اور اس صورت میں جب کہ وہ جانتا تھا کہ اوس کا محبوب جہنم میں داخل ہوگا، اوس کے دیکھنے سے اوس کی آنکھ ٹھنڈی نہیں ہوتی تھی، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ "خدا کے نیک بندے یہ دعا کرتے ہیں کہ اون کے اہل و عیال کے ذریعہ سے اون کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں" یعنی وہ کافر یا گنہگار نہ ہوں، جن کے دیکھنے سے ایک برگزیدہ مسلمان کی رُوح کو اذیت ہوتی ہے، لیکن کافر باپ ماں کی طرح قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ ایک مسلمان باپ کو کافر اولاد سے کس قسم کے معاشرتی تعلقات رکھنے چاہئیں، دنیا میں محبت اور معاشرت کے جو مختلف سلسلے قائم ہیں، اون میں اولاد کی محبت و معاشرت کا سلسلہ سب سے زیادہ مستحکم ہے، اور قرآن مجید نے بی بی کو بھی اسی سلسلہ میں منسلک کر دیا ہے، اور دونوں کو بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں، خداوند تعالیٰ کے نیک بندوں کے لئے قرۃ العین قرار دیا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ایک مخصوص آیت میں بی بی کو اسی محبت و معاشرت کے لحاظ سے خداوند تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے،

ومن آیٰتہ ان خلق لکم — اور اسی کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے

من انفسکم ازواجا لتسکنوا		(ایک یہ بھی) ہے کہ اوس نے تمھارے لئے تمھارہی
الیھا وجعل بینکم مودۃ		جنس کی بی بیاں پیدا کیں تاکہ تمکو اون سے
ورحمۃ ان فی ذلک لاٰیٰت		(دلی اطمینان حاصل ہو اور تم (میاں بی بی)
لقوم یتفکرون ۰	ہی نشانیاں ہیں	میں پیار اور اخلاص پیدا کیا جو لوگ سوچ
(روم رکوع ۳)		سمجھ کو کام میں لاتے ہیں اون کے لئے ان
		(باتوں) میں (قدرت خداوندی کی بہتیری

اس آیت میں معاشرتی حیثیت سے عورت کے متعلق چند اُمور بیان کئے گئے ہیں،

(۱) ایک تو یہ کہ خداوند تعالیٰ نے عورت اور مرد کو ہمجنس بنایا ہے اور اس ہمجنسی کا نتیجہ یہ ہے، کہ

(۲) مرد کو عورت کے ذریعہ سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے،

(۳) اسی جنسی میلان سے عورت کی طرف مرد کو رغبت ہوتی ہے، جس کا دوسرا نام شہوت ہے، اور یہی شہوت مودت یعنی لطف و محبت کا ذریعہ بنجاتی ہے،

(۴) یہ لطف و محبت اگرچہ ایک مادی جذبہ کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے، تاہم رفتہ رفتہ بڑھکر وہ ایک روحانی چیز بنجاتا ہے، جس کو خداوند تعالیٰ نے "رحمت" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ بعض اوقات میاں بی بی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے حیوانی خواہشات کے پورا کرنے کے قابل نہیں رہتے، لیکن باایں ہمہ اون کے معاشرتی تعلقات قائم رہتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں بڑھ جاتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لطف و محبت روحانی سلسلہ کی ایک چیز ہے، اور صرف عقلی غور و فکر سے معلوم ہو سکتی ہے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے اس کو غور و فکر کرنے والوں کے لئے اپنی ایک نشانی قرار دیا ہے،

ماں باپ اور آل و اولاد کے علاوہ انسان کو اور بھی مختلف اعزہ واقارب سے معاشرتی تعلقات رکھنے پڑتے ہیں، لیکن چونکہ وہ غیر محدود ہیں اس لئے قرآن مجید نے مکی آیتوں میں اونکی تعیین وتفصیل نہیں کی، بلکہ صرف ایک آیت میں نہایت جامعیت کے ساتھ ان سب کے معاشرتی تعلقات کو خوشگواری کے ساتھ قائم رکھنا مسلمانوں کا مخصوص اخلاقی شعار قرار دیا،

والذین یصلون ما امر اللّٰہ بہٖ ان یوصل ۵ (رعد رکوع ۳)

(اور (نیزیہ) وہ لوگ ہیں، کہ خدا نے جن (باہمی تعلقات) کے جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہی، اون کو جوڑے رکھتے ہیں،

صرف اعزہ واقارب ہی کی تخصیص نہیں بلکہ اس میں تمام مسلمان شامل ہیں، چنانچہ امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے اس آیت کی تفسیر کے متعدد طریقے اختیار کئے ہیں،

(۱) ایک یہ کہ اس سے صلہ رحمی مراد ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ اس سے جہاد میں رسول اللہ صلعم کی اعانت وامداد مراد ہی،

(۳) تیسرے یہ کہ اس سے خدا کے بندوں کے تمام حقوقِ واجبہ مقصود ہیں، اور اس حیثیت سے صلہ رحمی کے ساتھ وہ قرابت بھی اس میں داخل ہے جو اخوتِ ایمانی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ،

مکی سورتوں میں تصریح وتفصیل کے ساتھ صرف ماں باپ کی حسنِ معاشرت کا حکم دیا گیا تھا اور بقیہ اعزہ واقارب اور اہل وعیال کے لئے اصولاً اجمالی طور پر اسکی ہدایت کی گئی تھی، لیکن مدینہ میں پہنچکر مسلمانوں کے معاشرتی حالات بالکل بدل گئے، اور ایک جدید معاشرتی نظام قائم ہوا، کیونکہ مکہ میں مسلمانوں کی کوئی مستقل سوسائٹی قائم نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف چند مسلمان تھے

جو کافروں کے درمیان پراگندہ طور پر رہتے تھے، اور خفیہ طور پر باہم ملتے جلتے تھے، لیکن مدینہ میں پہونچکر مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اور اون کے مستقل محلے آباد ہو گئے، جس سے اون کی معاشرتی اور اجتماعی زندگی کی بنیاد قائم ہوئی، اس لئے جو لوگ اس اجتماعی اور معاشرتی زندگی کے لازمی اجزا تھے اون سب کے ساتھ حسنِ معاشرت کا حکم دیا گیا،

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ	(اور، لوگو!) اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے
شیئاً وبالوالدین احسانا	ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ اور ماں
وبذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین	باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور
والجار ذی القربیٰ والجار الجنب	محتاجوں اور قرابت والے پڑوسیوں اور
والصاحب بالجنب وابن	اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں
السبیل وما ملکت ایمانکم	اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمھارے
(نساء رکوع ۷)	قبضہ میں ہیں ان (سب) کے ساتھ سلوک کرتے رہو!

یہ آیت تمام انسانی تعلقات کو شامل ہے، کیونکہ مکی آیتوں میں صرف ماں باپ، اعزہ و اقارب اور یتامیٰ و مساکین کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن اس آیت میں پڑوسیوں کے ساتھ بھی سلوک کرنے کا حکم دیا گیا، اور اون کی دو قسمیں کی گئیں، " جار ذی القربیٰ"، اور "جار الجنب" جس کے معنی بعض مفسرین کے نزدیک قریب اور دور کے پڑوسی کے ہیں، لیکن بعض مفسرین نے جار ذی القربیٰ کے معنی قرابت دار پڑوسی اور جار الجنب کے معنی اجنبی پڑوسی کے لئے ہیں، صاحب بالجنب کے مفہوم میں اور بھی زیادہ وسعت ہے اور اس میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جن سے صحبت اور رفاقت کے تعلقات قائم ہو جائیں، مثلاً رفیقِ سفر، شریکِ تجارت، شریکِ علم، شریکِ مجلس وغیرہ، بعض لوگوں کے نزدیک اس میں

بیوی بھی شامل ہے، ابن السبیل کے ظاہری معنی مسافر کے ہیں لیکن بعض لوگوں کے نزدیک اس سے مہمان مراد ہیں، "ما ملکت ایمانکم" کے ظاہری معنی تو لونڈی غلام کے ہیں، لیکن بعض لوگوں کے نزدیک اس میں حیوانات بھی داخل ہیں، کیونکہ وہ بھی انسان کے مملوک ہوتے ہیں، ان میں ہر شخص کے ساتھ سلوک کرنے کی بھی مختلف صورتیں ہیں، مسکین کا سلوک یہ ہے کہ اوس کو کچھ دیا جائے اور نہ ہو سکے تو نرمی کے ساتھ جواب دیدیا جائے، لونڈی غلاموں کے ساتھ احسان کرنے کی صورت یہ ہے کہ اون سے ایسا کام نہ لیا جائے جو اون کے لئے ناقابلِ برداشت ہو، اون کے ساتھ سخت کلامی نہ کیجائے، اور اون کو بقدر حاجت کھانا اور کپڑا دیا جائے، بہر حال جس قسم کے تعلقات ہوں اوس کے مناسب حال سلوک کرنا بہت بڑی عبادت ہے،

مکی آیتوں میں میاں بی بی کے لطف و محبت کو خداوند تعالیٰ کی ایک نشانی قرار دیا گیا تھا جس سے اشارۃً یہ نتیجہ نکلتا تھا کہ میاں بی بی کے درمیان خوشگوار معاشرتی تعلقات قائم ہونے چاہئیں، لیکن مدنی سورتوں میں نہایت تفصیل کے ساتھ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم دیا گیا، اور وہ تمام جاہلانہ موانع دور کر دیئے گئے، جو ان خوشگوار معاشرتی تعلقات میں خلل انداز ہوتے تھے، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں، کہ "اہل جاہلیت عورتوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے، اور اون پر مختلف قسم کے مظالم کرتے تھے، مثلاً

(۱) زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص بی بی کو چھوڑ کر مرجاتا تھا تو اُس کا سوتیلا بیٹا یا متوفی کے بعض اعزہ اوس کی بی بی کے اوپر کپڑا ڈال کر کہتے تھے کہ مال کی طرح میں اس کی بی بی کا بھی وارث ہوں، اور اس کے بعد وہ اگر چاہتا تھا تو بغیر مہر کے خود اس کے ساتھ نکاح کر لیتا تھا، ورنہ دوسرے شخص کے ساتھ اوس کا نکاح کر دیتا تھا اور اس کا مہر خود لے لیتا تھا،

(۲) یا یہ کہ اوس کو نکاح نہیں کرنے دیتا تھا تاکہ جب وہ مرجائے تو خود اوس کے مال وجائداد کا وارث ہو جائے،

(۳) بعض لوگ اپنی بی بیوں کو طلاق دینا چاہتے تھے، لیکن اس سے پہلے اون کو طرح طرح سے تنگ کرتے تھے،

(۴) یا یہ کہ طلاق دینے کے بعد بھی اون کو نکاح کرنے نہیں دیتے تھے، اوران دونوں صورتوں کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اوس سے مہر معاف کروالیں یا کچھ مالی فائدہ اوٹھائیں،

اوران مظالم کے انسداد کے لئے یہ آیت نازل ہوئی،

یاایھا الذین آمنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما آتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا

(نساء رکوع ۳)

مسلمانو! تمکو روا نہیں کہ عورتوں کو میراث (میت) سمجھ کر زبردستی اون پر قبضہ کرلو اور جو کچھ تم نے اونکو (ترکہ شوہری میں سے) دیا ہوا سمیں سے کچھ چھین لینے کی نیت سے انکو دگھروں میں قید نہ رکھو (کہ دوسرے سے نکاح نہ کرنے پائیں) ہاں اون سے کوئی کھلی ہوئی بدکاری سرزد ہو (تو قید رکھنے کا مضائقہ نہیں) اور بی بیوں کیساتھ حسن سلوک سے رہو سہو اور تمکو (کسی وجہ سے) بی بی ناپسند ہو تو عجیب نہیں کہ تمکو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی (اور برکت) دے

(۵) بعض لوگ جب کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے تو پہلی بی بی پر بدکاری کا الزام لگاتے تھے، تاکہ اس طریقہ سے جو مہر باندھ چکے ہیں اوس سے وصول کرلیں اور اوسکو دوسری عورت کے نکاح میں صرف کریں، لیکن خداوند تعالیٰ نے اسکی ممانعت فرمائی،

وان اردتم استبدال	اور اگر تمھارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اوسکی
زوج مکان زوج و آتیتم	جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی
احدٰھن قنطارا فلا تاخذوا	کو ڈھیر سا مال دیدیا ہو تاہم اوسمیں سے کچھ بھی (واپس)
منہ شیئا اتاخذونہ	نہ لینا کیا تمھاری غیرت جائز رکھتی ہو کہ کسی قسم
بھتانا و اثما مبینا وکیف	کا بہتان لگاکر اور صریح بیجا بات کرکے اپنا
تاخذونہ وقد افضٰی بعضکم	دیا ہوا (اوس سے واپس) لیتے ہو اور دیا ہوا کیسے
الٰی بعض واخذن منکم	(واپس) لے لوگے، حالانکہ تم ایک دوسرے
میثاقا غلیظا، ہ	کے ساتھ صحبت کرچکے اور بی بیاں (نکاح کے وقت
(نساء رکوع ۳)	مہر ونفقہ وغیرہ کا) تم سے پکا قول لے چکی ہیں،

(۶) جو یتیم لڑکیاں اہل عرب کے زیر ولایت تھیں، وہ اگر صاحب مال وصاحب جمال ہوتی تھیں تو اون کے ساتھ تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتے تھے، اور چونکہ اون کا کوئی دوسرا حامی و مددگار نہیں ہوتا تھا، اس لئے نکاح کے بعد اون کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمٰی	اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں
فانکحوا ما طاب لکم من النساء	(کے بارے) میں انصاف قائم نہ رکھ سکوگے
مثنٰی وثلٰث وربٰع ہ	تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین
(نساء رکوع ۱)	چار چار عورتوں سے نکاح کر لو،

اور اگر نادار اور بدصورت ہوتی تھیں تو اون کا نکاح ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اون کو روک لیتے تھے تاکہ اون کے مرنے کے بعد اون کے وارث قرار پائیں، اس پر آیت نازل ہوئی،

ویستفتونك فی النسآء قل اللہ یفتیکم فیھن وما یتلی علیکم فی الکتب فی یتمی النسآء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن،

(نساء رکوع ۱۹)

اوس اے پیغمبر لوگ تم سے (یتیم) عورتوں (کیساتھ نکاح کرنے) کا حکم مانگتے ہیں تو (تم اون کو) سمجھا دو کہ اللہ تم کو اون کے (نکاح کے) بارے میں اجازت دیتا ہے اور (پہلے) قرآن میں جو (حکم) تمکو سنایا جا چکا ہے سو (واقع میں) اون یتیم عورتوں کے بارے میں ہے، جنکو تم (اون کا) حق جو اون کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے نہیں۔

([illegible])

(۷) نکاح کے وقت عورتوں کو جو مہر ملتا تھا اوس کو اولیاء خود لے لیتے تھے، عورتوں کو نہیں دیتے تھے، اس لئے اون کو حکم دیا گیا،

واتوا النسآء صدقاتھن نحلۃ (نساء ۱) عورتوں کے مہر اون کو بخوشی دو،

الغرض نکاح وطلاق کے معاملہ میں اور بھی بہت سے معاشرتی مظالم تھے جو مختلف صورتوں میں عورتوں پر کئے جاتے تھے، جن کی قرآن مجید نے اصلاح کی، لیکن بی بی کے علاوہ انسان پر دوسرے ارکان خاندان کے جو معاشرتی اور اخلاقی حقوق عائد ہوتے ہیں، اون میں سب سے اہم نظام وراثت ہے اور اہل عرب نے لڑکیوں کو اس نظام سے بالکل علیحدہ رکھا تھا، کیونکہ اون کا خیال تھا کہ جنگ وجدال کے موقع پر صرف لڑکا اون کی حمایت کرتا ہے، اور وہی لڑبھڑ کر جائداد کو محفوظ رکھتا ہے، اور لڑکیاں اس میں مطلق حصہ نہیں لیتیں، اگرچہ قرآن مجید نے بھی لڑکوں کی فضیلت کو تسلیم کیا، اور اون کا حصہ لڑکیوں سے زیادہ مقرر کیا، تاہم لڑکیوں کو اس نظام سے علیحدہ نہیں رکھا، بلکہ اون کو بھی وراثت میں شامل کر لیا،

للرجال نصیب مما ترك الوالدان ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں

والاقربون وللنسآء نصیب	تھوڑا ہو یا بہت مردوں کا حصہ ہے (اور
مما ترک الوالدان والاقربون	ایسا ہی) ماں باپ اور رشتہ داروں کے
مما قل منہ او کثر نصیبا مفروضا	ترکہ میں عورتوں کا بھی حصہ ہے (اور یہ حصہ
(نساء رکوع ۱)	(ہمارا) ٹھہرایا ہوا (ہے)

امام رازی کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب چھوٹے بچوں کو بھی حقِ وراثت سے محروم رکھتے تھے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ اون کے نزدیک نظامِ وراثت کی اصولی بنیاد کسب پر تھی یعنی جو شخص کمائے وہ وراثت میں حصہ لے، لیکن قرآن مجید نے اس کی بنیاد کسب کے ساتھ ولایت پر بھی رکھی یعنی جو شخص میت سے جس قدر زیادہ قریبی تعلقات رکھتا ہے، اُسی قدر وہ حقِ وراثت کا مستحق ہے، اس بنا پر لڑکیاں اور بچے بھی نظامِ وراثت میں شامل ہوگئے، کیونکہ میت سے وہ بھی قریبی تعلقات رکھتے ہیں،

عورتوں کے متعلق ان تمام احکام کے نازل ہونے کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ عورتوں کا معاشرتی درجہ جو زمانۂ جاہلیت میں نہایت پست تھا، دفعۃً نہایت بلند ہوگیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،

ان کنا فی الجاھلیۃ ما نعد للنسآء	ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی حیثیت
امرا حتی انزل اللہ فیھن ما	نہیں سمجھتے تھے یہانتک کہ خداوند تعالیٰ نے
انزل وقسم لھن ما قسم[1]	اونکے متعلق احکام نازل کئے اور اُنکے حصے دیئے

یہ تمام اخلاقی و معاشرتی تعلقات صرف اعزہ و اقارب، آل اولاد اور ارکانِ خاندان تک محدود تھے، لیکن قومی حیثیت سے کافروں اور مسلمانوں کی جو دو جماعتیں قائم ہوگئی تھیں

---

[1] بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ تحریم باب تبتغی بذلک مرضات ازواجک،

اون کے متعلق مکی آیتوں میں کوئی مستقل اخلاقی حکم نہیں اُترا تھا، لیکن مدینہ میں آکر فرضیت جہاد کے بعد ان دونوں جماعتوں کے اخلاقی و معاشرتی احکام بالکل الگ الگ ہو گئے، اور مسلمانوں میں اخوتِ ایمانی کا پائدار رشتہ قائم ہوا،

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (حجرات رکوع ۱)	مسلمان تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں،

اور اس رشتہ نے اون میں باہم اتحاد و اتفاق، لطف و محبت اور رحم و کرم کا جذبہ پیدا کر دیا،

ھو الذی ایدک بنصرہ و	وہی خدا ہے جس نے اپنی امداد سے اور
بالمومنین والف بین قلوبھم	مسلمانوں سے تمکو قوت دی اور مسلمانوں کے
(انفال رکوع ۸)	دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی،
محمد رسول اللہ والذین معہ	محمد خدا کے پیغمبر ہیں، اور جو لوگ اون کے
اشداء علی الکفار رحماء بینھم	ساتھ ہیں کافروں پر زور آور آپس میں
(فتح رکوع ۴)	رحمدل ہیں،

اور اخلاقی و معاشرتی حیثیت سے جو چیزیں اس رشتہ کو ڈھیلا کر سکتی تھیں اون سب کی ممانعت کر دی گئی،

وان طائفتٰن من المومنین اقتتلوا	اور اگر تم مسلمانوں کے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں
فاصلحوا بینھما فان بغت احدٰھما	تو اون میں صلح کرا دو پھر اگر اون میں کا ایک فرقہ
علی الاخری فقاتلوا التی تبغی	دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم بھی
حتی تفیٓء الی امر اللہ فان فاءت	اوس سے لڑو یہانتک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع
فاصلحوا بینھما بالعدل واقسطوا	لائے، پھر جب رجوع لائے تو فریقین میں برابری
ان اللہ یحب المقسطین انما	کیساتھ صلح کرا دو اور انصاف کو ملحوظ رکھو بیشک

المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم واتقوا الله لعلكم ترحمون يا ايها الذين آمنوا لا يسخر قوم من قوم عسیٰ ان يكونوا خيرا منهم ولا نساء من نساء عسیٰ ان يكن خيرا منهن ولا تلمزوا انفسكم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الايمان ومن لم يتب فاولٰئك هم الظالمون يا ايها الذين آمنوا اجتنبوا كثيرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا يغتب بعضكم بعضا ايحب احدكم ان ياكل لحم اخيه ميتا فكرهتموه واتقوا الله ان الله تواب رحيم ٥

(حجرات رکوع ۲)

اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے مسلمان تو بس (آپس میں بھائی) بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرا دیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ (خدا کی طرف سے) تم پر رحم کیا جائے مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ (خدا کے نزدیک) ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں پر ہنسیں، عجب نہیں کہ (جن پر ہنستی ہیں) ان سے بہتر ہوں آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان لائے پیچھے بدتہذیبی کا نام ہی برا ہے، اور جو ان حرکات سے) باز نہ آئیں تو وہی (خدا کے نزدیک) ظالم ہیں، مسلمانو! (لوگوں کی نسبت) بہت ظنک کرنے سے بچتے رہو، کیونکہ بعض ظنک (داخل) گناہ ہیں اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں نہ رہا کرو اور نہ تم میں سے ایک کو ایک کے پیٹھ پیچھے برا کہے، بھلا تم میں سے کوئی (اس بات کو) گوارا کریگا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے یہ تو (یقیناً) تم کو گوارا نہیں (تو غیبت بھی نہ کرو) اور خدا سے ڈرتے رہو بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس کے بالکل برعکس کفار کے ساتھ ہر قسم کے اخلاقی و معاشرتی تعلقات کے منقطع کرنے کا حکم دیا گیا، لیکن کفار کی بھی مختلف جماعتیں تھیں، ایک جماعت تو یہود و نصاریٰ کی تھی جن کے

متعلق یہ حکم دیا گیا،

یآایھا الذین آمنوا لا تتخذوا	مسلمانو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ
الیہود والنصاریٰ اولیآء بعضھم	یہ لوگ تمہاری مخالفت میں باہم، ایک دوسرے
اولیآء بعض ومن یتولھم منکم	کے دوست ہیں اور تم میں سے کوئی انکو دوست بنائیگا
فانہ منھم (مائدہ رکوع ۸)	تو بیشک (وہ بھی) انہی میں کا (ایک ہی)

دوسری جماعت مشرکین کی تھی جن کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ یہ تھا،

(۱) رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو محض خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے جلاوطن کر دیا تھا،

(۲) اون میں اور مسلمانوں میں جنگ کا سلسلہ قائم ہو گیا تھا،

(۳) جب موقع پاتے تھے تو ہاتھ اور زبان دونوں سے دشمنی کا اظہار کرتے تھے،

(۴) اون کی یہ خواہش تھی کہ مسلمان اونہی کی طرح کافر ہو جائیں،

لیکن اسی کے ساتھ مسلمانوں کے اعزہ و اقارب اور مال و جائداد بھی مکہ میں موجود تھے، اور اون کی حمایت و حفاظت کے لئے اون کو مجبوراً اون سے تعلقات رکھنے کی ضرورت تھی، تمام مہاجرین کے اعزہ و اقارب تو اون کی حمایت و حفاظت کر سکتے تھے، لیکن حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا کوئی مستقل قبیلہ نہ تھا، اور اون کے اعزہ و اقارب اور مال و جائداد مکہ میں موجود تھے، اس لئے اون کی حمایت و حفاظت کے لئے اُنھوں نے قریش پر یہ احسان کیا کہ ایک خط کے ذریعہ سے اون کو رسول اللہ صلعم کے فتح مکہ کی تیاریوں کی خبر دیدی، وہ خط پکڑا گیا تو اونھوں نے یہی عذر کیا، اور آپ نے اس کو قبول فرما لیا لیکن اس کے بعد سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس کے بعد مشرکین سے ہر قسم کے اخلاقی و معاشرتی تعلقات منقطع ہو گئے،

يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوي وعدوكم اولياء تلقون اليهم بالمودة وقد كفروا بما جاءكم من الحق يخرجون الرسول واياكم ان تومنوا بالله ربكم ان كنتم خرجتم جهادا في سبيلي وابتغاء مرضاتي تسرون اليهم بالمودة وانا اعلم بما اخفيتم وما اعلنتم ومن يفعله منكم فقد ضل سواء السبيل ان يثقفوكم يكونوا لكم اعداء ويبسطوا اليكم ايديهم والسنتهم بالسوء وودوا لو تكفرون لن تنفعكم ارحامكم ولا اولادكم يوم القيمة،

(ممتحنہ - ۲)

مسلمانو! اگر تم ہماری راہ میں جہاد کرنے اور ہماری رضامندی ڈھونڈھنے کی غرض سے (اپنے وطن چھوڑ کر) نکلے ہو تو ہمارے اور اپنے، دشمنوں کو (یعنی کافروں کو) دوست نہ بناؤ کہ لگو انکی طرف دوستی (کے نامہ و پیام) دوڑانے حالانکہ تمھارے پاس جو (خدا کی طرف سے دین حق) آیا ہو وہ تو اس سے انکار ہی کر چکے ہیں وہ تو صرف اتنی بات پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ ہی کو مانتے ہو رسول کو اور تمکو گھروں سے نکال رہے ہیں (اور) تم چپکے چپکے اونکی طرف دوستی (کے پیغام) دوڑا رہے ہو اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو (وہ) اور جو ظاہر طور کرتے ہو (وہ) ہم (سب کو) خوب جانتے ہیں اور جو تم میں سے ایسا کریگا تو سمجھو کو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا (یہ کافر) اگر کہیں تم پر قابو پا جائیں تو کھلم کھلا تمھارے دشمن ہو جائیں اور ہاتھ اور زبان (دونوں سے تمھارے ساتھ) برائی کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور اونکی (اصلی) تمنا یہ ہے کہ کاش [۳]

۳ تم بھی اونکی طرح کافر ہو جاؤ، قیامت کے دن نہ تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام آسکیگی

یہی وجہ ہے کہ مدنی آیتوں میں اعزہ و اقارب کے تعلقات منقطع کرنے کی بار بار ہدایت کیگئی ہے

يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا آباءكم واخوانكم اولياء ان استحبوا الكفر على الايمان ومن يتولهم منكم فاولئك هم الظلمون قل ان كان آباؤكم وابناؤكم واخوانكم وازواجكم وعشيرتكم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون كسادها ومسٰكن ترضونها احب اليكم من الله ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره

(توبہ - ۳)

مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو اون کو (اپنا) رفیق نہ بناؤ اور جو تم میں سے ایسے باپ بھائیوں کیساتھ دوستی (کا برتاؤ) رکھے گا تو یہی لوگ (ہیں جو خدا کے نزدیک) نافرمان ہیں (اے پیغمبر مسلمانوں کو سمجھا دو) کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارے کنبہ دار اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری جس کے مندا پڑجانیکا تمکو اندیشہ ہو اور مکانات جن (میں رہنے) کو تمہارا جی چاہتا ہو (اگر یہ چیزیں) اللہ اور اسکے رسول اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنے سے تمکو زیادہ عزیز ہوں تو (ذرا)[۴]

[۴] صبر کرو یہانتک کہ خدا اپنا حکم (عذاب) تمہارے سامنے لا موجود کرے۔

لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله ورسوله ولو كانوا آباءهم او ابناءهم او اخوانهم او عشيرتهم اولئك كتب في قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه

(المجادلہ - ۳)

(اے پیغمبر) جو لوگ اللہ اور روز آخرت کا یقین رکھتے ہیں اونکو تم نہ دیکھوگے کہ خدا اور اوس کے رسول کے مخالفوں کیساتھ دوستی رکھیں گو وہ اون کے باپ یا اون کے بیٹے یا اون کے بھائی یا اون کے کنبے ہی کے (کیوں نہ) ہوں یہی (وہ پکے مسلمان) ہیں جن کے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا نقش کردیا ہو اور اپنے فیضان غیبی سے اونکی تائید کی ہو

ان تمام آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ کفر و اسلام کی تفریق نے کافروں اور مسلمانوں کے درمیان ابتداہی سے جو حد فاصل قائم کردی تھی وہ ہجرت اور فرضیتِ جہاد کے بعد اس قدر مستحکم ہوگئی، کہ سرزمینِ کفر میں مسلمانوں کا قیام بھی معاشرتی حیثیت سے خود مسلمانوں کو مسلمانوں سے بے تعلق کردیتا تھا،

ان الذین آمنوا وھاجروا و
جاھدوا باموالھم وانفسھم
فی سبیل اللہ والذین آووا
ونصروا اولئک بعضھم اولیاء
بعض والذین آمنوا ولم یھاجروا
مالکم من ولایتھم من شیٔ
حتی یھاجروا وان استنصروکم
فی الدین فعلیکم النصر الا علی
قوم بینکم و بینھم میثاق واللہ
بما تعملون بصیر والذین
کفروا بعضھم اولیاء بعض
الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض
وفساد کبیر والذین آمنوا و
ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ
والذین آووا ونصروا اولئک

جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور
اللہ کے رستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کئے اور
جن لوگوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور (اُنکی) مدد کی
یہی لوگ ایک کے وارث ایک ہیں اور جو لوگ ایمان تو
لے آئے اور ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو اون کی
وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہانتک کہ ہجرت کر کے
تم میں (نہ) آملیں ہاں اگر دین (کے بارے) میں تم سے
طالب مدد ہوں تو تمکو اون کی مدد کرنی لازم ہے
مگر اوس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور
اُن میں (صلح کا عہد و پیمان) ہو اور جو کچھ بھی تم
کرتے ہو اللہ اوسکو دیکھ رہا ہے اور کافر ایک کے وارث
ایک (اُنکو اُنکی میراث لینے دو) اگر ایسا نہ کروگے تو ملک
میں شورش پھیل جائیگی اور بڑا فساد مچے گا اور جو
لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے ہجرت کی اور اللہ
کے رستے میں جہاد بھی کئے اور جن لوگوں نے

ھم المومنون حقا لھم مغفرۃ ورزق کریم و الذین آمنوا من بعد وھاجروا وجاھدوا معکم فاولئک منکم ہ (انفال - ۱۰)

(مہاجرین کو) جگہ دی اور (اون کی) مدد کی یہی پکے مسلمان ہیں اُن کے لئے (گناہوں کی) معافی ہے، اور عزت (وآبرو) کی روزی اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کیساتھ ہوکر جہاد بھی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں،

لیکن یہ بے تعلقی محض کفر کا نتیجہ نہیں ہے، اس لئے کافروں کی جو جماعت مسلمانوں سے برسرپیکار نہیں ہے، اُس کے ساتھ اخلاقی و معاشرتی تعلقات رکھنے کی ممانعت نہیں کی گئی،

لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم علی ان تولوھم (ممتحنہ - ۲)

جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور اُنھوں نے تمکو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا اون کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے تو خدا تمکو منع نہیں کرتا (کیونکہ) اللہ منصفانہ برتاؤ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تمکو انہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع فرماتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے اور جنھوں نے تمکو تمھارے گھروں سے نکالا اور تمھارے نکالنے میں تمھارے مخالفوں کی مدد کی اور جو شخص ایسے لوگوں سے دوستی رکھے گا تو سمجھا جائیگا کہ یہی لوگ ظالم ہیں،

اسکے ساتھ مکی آیتوں میں عفو و درگذر، صبر و تحمل اور خاکساری و فروتنی کی جو تعلیم دی گئی تھی وہ مدینہ میں بھی بدستور کفار کے مقابلہ میں قائم رہی، کیونکہ یہ تعلیم مکہ میں مسلمانوں کے عجز و بیچارگی کی

بنا پر نہیں دی گئی تھی بلکہ عفو و درگذر کے باوجود مکہ ہی میں اون کی یہ اخلاقی خصوصیت بھی بیان کی گئی تھی،

والّذین اذا اصابھم البغی ھم	اور جو ایسے (غیرت مند) ہیں کہ جب اون پر
ینتصرون وجزاؤا سیئۃ	(کسی طرف سے) بیجا زیادتی ہوتی ہو تو وہ (واجبی)
سیئۃ مثلھا الآیہ (شوریٰ ۴)	بدلہ لے لیتے ہیں اور بُرائی کا بدلہ ہو ویسی ہی برائی

اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مدینہ میں اگر جب مسلمانوں نے قوت و اقتدار حاصل کر لیا تو اس عاجزانہ تعلیم کی ضرورت باقی نہیں رہی، بلکہ یہ مسلمانوں کا عام اخلاقی وصف تھا، جس سے اون کی شائستگی و وقار کا اظہار ہوتا تھا، اس لئے یہ اخلاقی وصف مدینہ میں بھی باقی رہا،

الّذین ینفقون فی السّرآء والضرّآء	جو خوشحالی اور تنگدستی (دونوں حالتوں) میں
والکاظمین الغیظ والعافین	خرچ کرتے اور غصہ کو روکتے اور لوگوں (کے
عن النّاس (آل عمران - ۱۴)	قصوروں) سے درگذر کرتے ہیں،

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ تعلیم مکہ میں مسلمانوں کے عجز و بیچارگی کی وجہ سے کفار کے مقابلہ میں دی گئی تھی، اس لئے جب مدینہ میں مسلمانوں نے قوت حاصل کر لی اور جہاد فرض ہوا تو یہ تعلیم منسوخ ہوگئی حالانکہ اس کو قوت و اقتدار اور فرضیت جہاد سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ اس کے مقصد صرف دو تھے،

(۱) ایک تو یہ کہ سفیہوں اور جاہلوں کے رکیک اقوال اور ذلیل افعال کا جواب دینا مسلمانوں بالخصوص رسول اللہ صلعم کی شان کے خلاف تھا، اس لئے ایسی حالت میں عفو و درگذر سے کام لینا اون کے عزت و آبرو اور تقویٰ و تورع کے تحفظ کے لئے ایک پسندیدہ امر تھا،

(۲) دوسرے یہ کہ بعض صورتوں میں عفو و درگذر سے فتنہ و فساد کی روک تھام ہوتی ہو،

اور زیادتی کرنے والا زیادتی سے باز آجاتا ہے، لیکن بعض حالات میں عفو و درگذر زیادتی کرنے والے کے لئے مزید جراءت کا سبب بن جاتے ہیں اور قرآن مجید میں جو آیتیں عفو کے متعلق نازل ہوئی ہیں اون کا تعلق پہلی صورت سے ہے، لیکن جس مکی آیت میں مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی گئی ہے کہ وہ واجبی بدلہ لے لیتے ہیں، اوس سے دوسری صورت مراد ہے[1]،

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عفو و درگذر اور جہاد میں کوئی تناقض نہیں، بعض صورتوں میں باوجود فرضیتِ جہاد کے عفو و درگذر سے کام لینا چاہئے، اور بعض حالات میں باوجود عدم فرضیت جہاد کے انتقام لیا جاسکتا ہے،

[1] تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۳۰۰ و ۴۹۷ و جلد ۴ صہ ۴۹۶،

---

(۵)

آداب معاشرت

مکہ میں صرف اصولی اخلاق کی تعلیم دی گئی تھی لیکن مدینہ میں مختلف طریقوں سے اون کی تکمیل کی گئی، انہی تکمیلی صورتوں میں آداب معاشرت یعنی کھانے پینے، بولنے چالنے اور اٹھنے بیٹھنے کی تعلیم ہے، جو مدینہ میں اہلِ مدینہ کے مخصوص حالات کو پیشِ نظر رکھکر دی گئی اور اس سے مقصود صرف یہ تھا کہ مسلمانوں میں باہم خوشگوار اخلاقی و معاشرتی تعلقات قائم رہیں، مثلاً:۔

(۱) مدینہ میں یہ دستور تھا کہ لوگ اندھوں، لنگڑوں اور مریضوں کے ساتھ یا اون کے گھر میں کھانا کھانا پسند نہیں کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ اندھا چونکہ دیکھ نہیں سکتا تھا، لنگڑا، آدمی چونکہ ٹھیک طور پر بیٹھ نہیں سکتا تھا، مریض کی حالت بھی صحیح آدمیوں سے مختلف تھی اس لئے وہ مہذب طور پر سب کے ساتھ کھانا نہیں کھا سکتے تھے، بلکہ یہ لوگ اپنے مختلف حالات کے لحاظ سے خود صحیح اور تندرست آدمیوں کے ساتھ کھانے سے احتراز کرتے تھے،

(۲) مسلمان جب جہاد میں جاتے تھے تو اپاہج لوگوں یعنی اندھوں، لنگڑوں اور مریضوں کو اپنے گھروں کی کنجیاں دے جاتے تھے، اور اون کو یہ اجازت دیدیتے تھے کہ وہ اون کے گھروں سے کھانا بھی کھا سکتے ہیں، لیکن یہ لوگ اون کی عدم موجودگی میں اون کے گھروں

کے اندر جانا پسند نہیں کرتے تھے،

(۳) مسلمان اس قسم کے اپاہج لوگوں کو اپنے اعزہ و احباب کے گھروں پر لیجا کر کھانا کھلاتے تھے، لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی،

لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل	اپنے مال باہم ناجائز طور پر نہ کھاؤ بجز
الا ان تکون تجارۃ عن تراض	اوس صورت کے کہ باہمی رضامندی سے
منکم، (نساء - ۵)	تجارتی یعنی خرید و فروخت ہو،

تو لوگ اس سے احتراز کرنے لگے،

(۴) انصار کا قاعدہ تھا کہ جب اپنے اعزہ و اقارب کے گھر جاتے اور اون کی عدم موجودگی میں عورتیں کھانا پیش کرتیں تو اوس سے احتراز کرتے تھے،

(۵) بعض قبائل کے یہاں یہ دستور تھا کہ دن دن بھر بھوکے رہجاتے لیکن جب تک کوئی ساتھ کھانے والا نہ ملتا کھانا نہ کھاتے،

(۶) انصار کے یہاں جب کوئی مہمان آتا تو جب تک وہ شریکِ طعام نہ ہو کھانا نہ کھاتے

(۷) لوگ جب کھانے کے لئے جمع ہوتے تو اپاہجوں یعنی اندھوں، لنگڑوں اور مریضوں کیلئے الگ کھانا نکال کر دیدیتے اون کو اپنے ساتھ شریکِ طعام نہ کرتے،

(۸) چونکہ اجتماعی طور پر کھانا کھانے میں بعض نفرت انگیز صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں، اس لئے مدینہ میں لوگ الگ الگ کھانا کھاتے تھے، ایک ساتھ مل کر نہیں کھاتے تھے،

لیکن چونکہ اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے یہ تمام طریقے ناپسندیدہ اور تکلیف دہ تھے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے ایک مستقل آیت میں ان سب کی ممانعت فرمائی،

لیس علی الاعمی حرج ولا علی	نہ (تو) اندھے (آدمی) کے لئے کچھ مضائقہ ہے

الاعرج حرج ولا علی المریض
حرج ولا علی انفسکم ان تاکلوا
من بیوتکم او بیوت آبائکم
او بیوت امھتکم او بیوت
اخوانکم او بیوت اخواتکم
او بیوت اعمامکم او بیوت
عمتکم او بیوت اخوالکم او بیوت
خلتکم او ماملکتم مفاتحہ
او صدیقکم لیس علیکم
جناح ان تاکلوا جمیعا او
اشتاتا فاذا دخلتم بیوتا
فسلموا علی انفسکم تحیۃ
من عند اللہ مبرکۃ طیبۃ
(نور - ۸)

اور نہ لنگڑے (آدمی) کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار
کیلئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ (عموماً) تم مسلمانوں کے لئے
(اس میں کچھ مضائقہ ہے) کہ اپنے گھروں سے (کھانا)
کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے
بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں
کے گھروں سے یا اپنی پھوپیوں کے گھروں سے یا اپنے
ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے
گھروں سے یا اون گھروں سے جن کی کنجیاں
تمھارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے
کے گھروں سے (پھر اس میں بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ
سب مل کر کھاؤ یا الگ الگ، تو جب گھروں میں
جانے لگو تو اپنے (لوگوں) کو سلام کر لیا کرو (سلام
ایک) دعائے خیر (ہے جو تم مسلمانوں کو) خدا کی طرف
سے (تعلیم کی گئی ہے) برکت والی عمدہ،

اور اس کے بعد صحابۂ کرام کے معاشرتی تعلقات میں اس قدر یگانگی اور بے تکلفی پیدا ہوئی کہ ایک بار حسنؒ اپنے گھر میں آئے تو دیکھا کہ اون کے دوستوں کی ایک جماعت اون کے پلنگ کے نیچے سے لذیذ غذائیں نکال کر نہایت ذوق وشوق کے ساتھ کھا رہی ہے، نہایت خوش ہوئے اور ہنسکر بولے کہ "ہم نے اکابر صحابہؓ کی بھی یہی حالت دیکھی ہے" ایک بار ربیع بن خثیم کے ایک دوست اون کے گھر آئے، وہ موجود نہ تھے لیکن اون کی لونڈی نے اون کی خدمت میں کھانا پیش کیا"

(اخلاق عرب) ۲/۳۹

اور جب وہ آئے تو اون کو اس واقعہ کی اطلاع دی، نہایت مسرور ہوئے اور کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو تو آزاد ہے[1]،

رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ وہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام ہیں، آپ نے بعض اشخاص کو ان ناموں سے پکارا تو لوگوں نے کہا کہ ان کو ان ناموں سے نہ پکاریئے وہ اس سے خفا ہوتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، ولا تنابزوا بالالقاب[2]، آیت کا شان نزول تو صرف اس قدر تھا، لیکن اس کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے اس قسم کی اور تمام معاشرتی بداخلاقیوں کی ممانعت فرمائی جن سے لوگوں کی تنقیص ہوتی ہے، اور اس تنقیص کی بنا پر سینکڑوں معاشرتی ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا،

لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا	مسلمانو! مرد مردوں پر نہ ہنسیں، عجب نہیں کہ (جن پر ہنستے
خیرا منھم ولا نساء من نسا	ہیں) وہ (خدا کے نزدیک) اون سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں
عسیٰ ان یکن خیرا منھن	عورتوں پر (ہنسیں) عجب نہیں کہ (جن پر ہنستی ہیں) وہ
ولا تلمزوا انفسکم ولا	اون سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے کو طعنے نہ دو اور
تنابزوا بالالقاب بئس الاسم	نہ ایک دوسرے کو نام دھرو ایمان لائے پیچھے بدتہذیبی
الفسوق بعد الایمان	کا نام ہی برا ہے اور جو (ان حرکات سے) باز نہ آئیں تو وہی
ومن لم یتب فاولٰئک	(خدا کے نزدیک) ظالم ہیں مسلمانو! (لوگوں کی نسبت)
ھم الظلمون یا ایھا الذین	بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخل)
آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن	گناہ ہیں، اور ایک دوسرے کی ٹوہ میں نہ رہا کرو
ان بعض الظن اثم،	اور نہ تم میں سے ایک کو ایک پیٹھ پیچھے برا کہے بھلا تم میں

[1] تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۳۵، [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الالقاب،

ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم

(الحجرات - ۲)

کوئی (اس بات کو) گوارا کریگا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے یہ تو یقیناً تمکو گوارا نہیں تو غیبت کیوں گوارا ہو کہ یہ بھی ایک قسم کا مردار کھانا ہے، اور اللہ (کے غضب) سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہی،

(۳) یہودیوں اور منافقوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب صحابہ کرام کو دیکھتے تو باہم سرگوشیاں کرنے لگتے، جس سے صحابہؓ کے دلوں میں طرح طرح کے خطرات پیدا ہوتے، چونکہ اس طریقہ سے باہم بدگمانیاں پیدا ہوکر معاشرتی تعلقات کو خراب کرتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو اس سے روکا گیا،

یاایھا الذین آمنوا اذا تناجیتم فلا تتناجوا بالاثم والعدوان ومعصیت الرسول وتناجوا بالبر والتقوی واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون انما النجوی من الشیطن لیحزن الذین آمنوا ولیس بضارھم شیئا الا باذن اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ٥

(المجادلۃ - ۲)

مسلمانو! جب تم ایک دوسرے کے کان میں بات کرو تو گناہ کی اور لوگوں پر بیجا زیادتی کرنے کی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں ایک دوسرے کے کان میں نہ کیا کرو ہاں (کسی مصلحت سے) نیکی اور پرہیزگاری (کی باتوں) کو ایک دوسرے کے کان میں کہو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حضور میں (تم سب قیامت کے دن حساب کتاب کے لئے) جمع کئے جاؤ گے، کانا پھوسی تو بس ایک شیطانی حرکت ہی، تاکہ مسلمان اسکی وجہ سے آزردہ خاطر ہوں حالانکہ بے اذن خدا مگر کسی کا نا پھوسی (ان) کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھیں،

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے مسلمان بندوں کو یہ ادب سکھایا ہے کہ وہ یہود اور منافقین کی طرح اس قسم کی کانا پھوسی کا شیوہ نہ اختیار کریں، جن مواقع پر مسلمانوں کو کانا پھوسی سے تکلیف پہنچے وہاں احادیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ "جب تم تین آدمی ساتھ ہو تو دو شخص باہم کانا پھوسی نہ کریں کیونکہ اس سے تیسرے کو رنج پہنچتا ہے۔"

(۴) اسی سلسلہ میں خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک خاص ادب مجلس یہ بتایا ہے،

یاایھاالذین آمنوااذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا (مجادلہ-۲)	مسلمانو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس میں کھل کھل کر بیٹھو تو کھل بیٹھا کرو، کہ خدا بہشت میں تمکو بافراغت جگہ دیگا اور جب (تم سے) کہا جائے کہ (اپنی جگہ سے) اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو۔

اور تفسیر ابن کثیر میں اس کا شانِ نزول یہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ صفہ میں بیٹھے ہوئے تھے جس میں جگہ تنگ تھی، اسی حالت میں چند مہاجرین اور انصار جو اہلِ بدر میں سے تھے آئے اور جگہ کی تنگی کی وجہ سے کھڑے رہے، رسول اللہ صلعم چونکہ ان لوگوں کی عزت کرتے تھے، اس لئے آپ کو اون کا کھڑا رہنا گوارا نہ ہوا، اور چند غیر بدری مہاجرین و انصار کو مجلس سے اُٹھا کر اون لوگوں کو جگہ دی، اس لئے جو لوگ اُٹھا دیئے گئے، اون کو قدرتی طور پر رنج ہوا، منافقین تو مسلمانوں کے درمیان ناگواری پیدا کرانے کی فکر ہی میں رہتے تھے، اون کو موقع ملا تو کہنے لگے کہ یہ کیا انصاف ہے؟ جو لوگ مجلس میں پہلے سے بیٹھ چکے تھے، اور اون کو رسول اللہ صلعم کا تقرب محبوب تھا، تو اوٹھا دیئے گئے، اور جو لوگ بعد کو آئے اون کو مجلس میں اون کی جگہ بٹھایا گیا،

رسول اللہ صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ "خدا اوس شخص پر رحمت کرے جو اپنے
بھائی کے بیٹھنے کے لئے گنجایش پیدا کرتا ہے" اب لوگ جلد جلد اوٹھنے لگے،
اور دوسرے لوگوں کے بیٹھنے کے لئے جگہ خالی کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی

(۶)

آدابِ رسالت
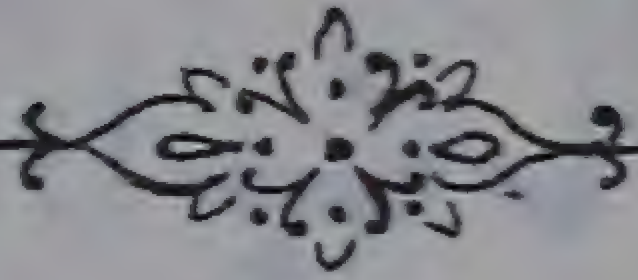
(۱) مدینہ میں آکر رسول اللہ صلعم کو عام مجمعوں اور عام صحبتوں میں لوگوں سے ملنے جلنے اور تعلیم و ہدایت کا موقع ملا، تو ان حالات میں مسلمانوں کو آپ سے ملنے جلنے بات چیت کرنے اور آپ کی مجلس میں اوٹھنے بیٹھنے کے مخصوص طریقے بتائے گئے، مثلاً رسول اللہ صلعم جب کسی مجمع میں عام خطبہ دیتے تھے یا کسی اہم اسلامی کام کے لئے مسلمانوں کو جمع کرتے تھے تو منافقین اس قسم کے مجمعوں سے خفیہ طور پر اُٹھ کر چلے جاتے تھے، اس لئے خداوند تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کیا اور ان کو یہ حکم دیا،

انما المومنون الذین آمنوا	(سچے) مسلمان تو بس وہ ہیں جو اللہ اور اُسکے رسول پر ایمان
باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ	لائے ہیں اور جب کسی ایسی بات کیلئے جسمیں لوگوں کے
علی امر جامع لم یذھبوا حتی	جمع ہونے کی ضرورت ہے، پیغمبر کے پاس ہوتے ہیں تو جبتک
یستاذنوہ ان الذین یستاذنونک	پیغمبر سے اجازت نہ لیں مجلس سے اُٹھکر نہیں جاتے (اے پیغمبر)
اولٓئک الذین یومنون	جو لوگ (ایسے مواقع پر) تم سے اجازت لے لیتے ہیں
باللہ ورسولہ فاذا استاذنوک	حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو (سچے دل سے) اللہ اور اسکے
لبعض شانھم فاذن لمن	رسول پر ایمان لائے ہیں تو جب یہ لوگ اپنی کسی (ضروری)
شئت منھم واستغفر لھم اللہ	کام کیلئے تم سے (جانے کی) اجازت طلب کریں تو تم

ان اللہ غفور رحیم لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (نور - ۹)

ان میں سے جس کو (مناسب سمجھ کر) چاہو (چلے جانے کی) اجازت دیدیا کرو اور خدا کی جناب میں اون کے لئے مغفرت کی دعا بھی کردو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (مسلمانو جب) پیغمبر (تم میں سے کسی کو بلائیں تو ان) کے بلانے کو آپس میں (معمولی بلانا) نہ سمجھو جیسا تم میں ایک کو ایک بلایا کرتا ہے اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر پیغمبر کی مجلس شوری میں سے بے اجازت) چلے جاتے ہیں تو جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انکو اس (بات) سے ڈرنا چاہیے

مراد یہ ہے کہ ان پر کوئی آفت (نہ) آن پڑے یا ان پر کوئی اور عذاب دردناک (نہ) نازل ہو

(۲) عرب کے لوگ چونکہ زیادہ مہذب و شایستہ نہ تھے اس لئے بعض موقعوں پر رسول اللہ صلعم کے سامنے باہم سخت کلامی اور شور و غل کرنے لگتے تھے، اور بعض موقعوں پر آپ کو بھی عام لوگوں کی طرح مخاطب کرتے تھے، وفد بنو تمیم کی آمد کے وقت اس قسم کی بے ادبیاں سرزد ہوئیں تو خداوند تعالی نے مسلمانوں کو حکم دیا،

یا ایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم یا ایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون ان الذین یغضون اصواتھم عند

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کرو اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو (کیونکہ) اللہ (سب کی) سنتا (سب کچھ) جانتا ہے مسلمانو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ ہونے دو اور نہ اون کے ساتھ بہت زور سے بات چیت کرو جیسے تم ایک دوسرے ایک (آپس میں) زور زور سے بولا کرتے ہو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تمہارا کیا کرایا سب اکارت ہو جائے اور

رسول اللہ اولٰٓئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ واجر عظیم ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتی تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم ۵

(حجرات - ۱)

تم کو خبر بھی نہ ہو جو لوگ رسول خدا کے سوبرو اپنی آوازیں پست کرلیا کرتے ہیں یہی ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پرہیزگاری کیلئے (اچھی طرح) جانچ لیا ہے، ان کیلئے (آخرت میں گناہوں کی) معافی اور بڑا اجر ہے (اے پیغمبر) جو لوگ تمکو (تمھارے رہنے کے) حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر تو ایسے ہیں (جن) کو مطلق عقل نہیں اور اگر یہ (لوگ) اتنا صبر کرتے کہ تم (از خود) حجروں سے نکل کر ان کے پاس آتے تو ان کے حق میں ۴

[illegible]

اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت عمرؓ آپ کے سامنے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ اون کی بات سننے میں نہیں آتی تھی، حضرت ثابت بن قیسؓ پر اس آیت کا اور بھی سخت اثر ہوا اور وہ بالکل خانہ نشین ہوگئے، اور لوگوں سے کہا کہ "تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں رسول اللہ صلعم کے سامنے نہایت بلند آہنگی کے ساتھ گفتگو کرتا تھا پس میں دوزخی ہوگیا، آپ کو خبر ہوئی تو فرمایا "نہیں وہ جنتی ہیں"

(۳) یہ تو جلوت کے آداب معاشرت تھے، لیکن رسول اللہ صلعم کی خلوت یعنی اندرونی اور خانگی زندگی کے متعلق بھی بعض معاشرتی آداب کی ضرورت تھی، اور اس کی تقریب یہ پیدا ہوئی کہ ایک بار رسول اللہ صلعم نے دعوت ولیمہ دی، اور بہت سے صحابہ اس دعوت میں شریک ہوئے اور کھانے کے بعد باہم بات چیت کرنے لگے، اس میں دیر ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے اٹھنے کا ارادہ کیا، لیکن یہ لوگ اس اشارے کو نہ سمجھے اور بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے، مجبوراً آپ کو اٹھنا پڑا، اور آپ کے اٹھنے کے بعد اور تمام لوگ تو اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن تین آدمی بیٹھے ہوئے باتیں

کرتے رہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

یآایّھا الّذین آمنوا لا تدخلوا
بیوت النبی الّا ان یوذن لکم
الیٰ طعام غیر نٰظرین انٰہ
ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا
طعمتم فانتشروا ولا مستانسین
لحدیث ان ذلکم کان یوذی
النّبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی
من الحق واذا سالتموھن متاعا
فسئلوھن من وّرآء حجاب ذٰلکم
اطھر لقلوبکم وقلوبھن ہ

(احزاب - ۷)

مسلمانو (پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ
تمکو کھانے کے لئے (آنے کی) اجازت دیجائے
(تو اس صورت میں ایسا وقت تاک کر جاؤ) کہ
تمکو کھانے کے تیار ہونے کا انتظار نہ کرنا پڑے
مگر جب تمکو بلایا جائے تو عین وقت پر جاؤ اور جب
کھا چکو تو آپ آپ کو چل دو اور باتوں میں نہ
لگ جاؤ اس سے پیغمبر کو ایذا ہوتی تھی اور وہ
تمہارا لحاظ کرتے تھے، اور اللہ تو حق (بات کے کہنے)
میں (کسی کا کچھ) لحاظ کرتا نہیں اور جب پیغمبر کی بیویوں
سے تمھیں کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے باہر (کھڑے
رہ کر) ان سے مانگو اس سے تمہارے دل اُنکی طرف سے
خوب (صاف) رہیں (اور) ان کے دل (بھی)

آیت کا شانِ نزول اگرچہ رسول اللہ صلعم کی خانگی زندگی کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اس سے اور بھی متعدد معاشرتی اصلاح مقصود تھی،

(۱) ایک تو یہ کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت نہیں جانا چاہئے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت اور ابتداے اسلام میں اہلِ عرب کا طریقہ تھا،

(۲) دعوتوں میں حریصانہ طور پر کھانے کی تیاری کا انتظار نہیں کرنا چاہئے،

(۳) کسی کے یہاں اتنی دیر تک نہیں ٹھہرنا چاہئے کہ اوس کو ناگوار ہو،

ان آدابِ رسالت کے ساتھ جن کی پابندی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، خداوند تعالیٰ

نے خود رسول اللہ صلعم کو چند معاشرتی آداب سکھائے ہیں، تاکہ اس احترام میں جبارانہ اور شاہانہ شان و شوکت کی آمیزش نہ ہونے پائے، بلکہ اس کی بنیاد خالص مذہبی اور اخلاقی جذبات پر قائم ہو، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں،

واعلم ان اللہ تعالیٰ لما امر المومنین باحترام النبی صلی اللہ علیہ وسلم واکرامہ وتقدیمہ علی انفسھم وعلی کل من خلقہ اللہ تعالیٰ امر نبیہ علیہ السلام بالرأفۃ والرحمۃ وان یکون ارأف بھم من الوالد کما قال واخفض جناحک للمومنین وقال تعالیٰ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم وقال لا تکن کصاحب الحوت الی غیر ذلک لئلا تکون خدمتہ خدمۃ الجبارین الذین یستعبدون الاحرار بالقھر فیکون انقیادھم لوجہ اللہ۔[1]

خداوند تعالیٰ نے جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ رسول اللہ صلعم کی تعظیم کریں اور آپ کو اپنے اوپر اور تمام مخلوقات پر فضیلت دیں تو اُس کے ساتھ رسول اللہ صلعم کو بھی لطف و عنایت کی ہدایت کی، کہ آپ باپ سے بھی زیادہ مسلمانوں پر مہربان رہیں، جیسا کہ فرمایا کہ مسلمانوں سے بہ تواضع پیش آؤ، اون لوگوں کے ساتھ صبر کرو جو اپنے پروردگار سے دعا کرتے ہیں، اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو، اس کے علاوہ اس قسم کی اور بھی آیتیں ہیں، تاکہ آپ کی خدمت اون ظالموں کی طرح نہ ہو جو آزاد لوگوں کو بہ جبر غلام بناتے ہیں، تاکہ رسول اللہ صلعم کی اطاعت خالصۃ لوجہ اللہ ہو،

۱؎ تفسیر کبیر جلد ، ص ۵۶۵،

(۷)

حسنِ معاملت

معاملات کی مختلف اور متعدد قسمیں ہیں، اور قرآن مجید نے مکی آیتوں میں ان تمام اقسام کے متعلق اصولاً یہ اخلاقی ہدایت کی ہے،

واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا ہ (بنو اسرائیل - ۴)	اور عہد کو پورا کیا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی بازپرس ہوگی،

اور اس ہدایت میں تمام معاملات داخل ہیں، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ "اوفوا بالعهد" خداوند تعالیٰ کے اس قول کے مشابہ ہے "یا ایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود" اور اس قول میں تمام عقد مثلاً عقد بیع، عقد شرکت، عقد یمین، عقد نذر، عقد صلح اور عقد نکاح داخل ہیں، خلاصہ یہ کہ اس آیت کا اقتضاء یہ ہے کہ دو انسانوں کے درمیان جو عقد اور جو عہد قرار پا جائے اوس کے اقتضاء کے مطابق اوس کا پورا کرنا واجب ہے اور اس طریقہ سے معاملات کے تمام طولانی ابواب صرف اس ایک آیت کے ذریعہ سے محدود و معلوم ہو گئے ہیں[1]،

قرآن مجید نے دوسری مکی آیتوں میں اسی عام ہدایت کا اعادہ بطور ایک اخلاقی وصف کے کیا ہے، اور اسکو مسلمانوں کی ایک عام اخلاقی خصوصیت قرار دیا ہے،

---

[1] تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۸۵-۵۸۶،

والذین ھم لامٰنٰتھم وعھدھم — اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس
راعون (مومنون - ۱) — ملحوظ رکھتے ہیں،

اس عام اور کلی ہدایت کے بعد اگرچہ دوسرے جزئی معاملات کی تصریح کی کوئی ضرورت نہیں تھی تاہم بعض معاملے اپنی اخلاقی اہمیت کے لحاظ سے مستقل طور پر قابلِ ذکر تھے، اسلئے کئی آیتوں میں بار بار اون کا ذکر کیا گیا، سو منجملہ اون کے ایک معاملہ اون یتیموں کا ہے جو اپنے اولیار کی سرپرستی میں زندگی بسر کرتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے ان اولیار کو یہ ہدایت کی ہے

ولا تقربوا مال الیتیم الا — اور یتیم کے مال کے پاس (بھی) نہ جانا
بالتی ھی احسن حتیٰ یبلغ اشدہٗ — مگر بطرز پسندیدہ یہاں تک کہ وہ اپنی
(انعام - ۱۹) — جوانی (کی عمر) کو پہونچے،

انہی معاملات میں پورے وزن و پیمانہ کے ساتھ ناپ و تول کر سودا دینے کا بھی حکم ہے اور معاملت و اخلاق دونوں کے ساتھ اس کا شدید تعلق ہے، کیونکہ یہ روزانہ کا کاروبار ہے، اس لئے اگر کافی طور پر اس کی نگرانی نہ کیجائے تو سینکڑوں ہزاروں آدمی روزانہ نقصانات اٹھاتے رہیں، اور داد و ستد کا نظام دائمی طور پر ابتر رہے، اخلاقی حیثیت سے بھی یہ انسان کی سخت دنارت اور پست ہمتی پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو لوگ وزن و پیمانہ میں کمی کرکے سودا دیتے ہیں، وہ اس قدر کم اور اس قدر حقیر فائدہ اٹھاتے ہیں کہ سودا لینے والے کو محسوس بھی نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ اس کو عربی زبان میں تطفیف کہتے ہیں، جو طفیف سے مشتق ہے، جس کے معنی "حقیر چیز" کے ہیں، اس بنا پر قرآن مجید نے وزن و پیمانہ میں دیانت برتنے کا بار بار حکم دیا ہے،

واوفوا الکیل والمیزان — اور انصاف کے ساتھ پوری ناپ

بالقسط ۵ (انعام - ۱۹) — کرو اور (پوری پوری) تول،

واوفوا الکیل اذا کلتم وزنوا بالقسطاس المستقیم ذٰلک خیر و احسن تاویلا ۵ (بنو اسرائیل - ۴)

اور جب ناپ کرو تو پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور (تول کر دینا ہو تو) ڈانڈی سیدھی رکھکر تولا کرو (معاملے کا) یہ بہتر طریق ہے اور

[illegible]

ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم اووزنوھم یخسرون (التطفیف - ۱)

کم دینے والوں کی (بڑی ہی) تباہی ہے کہ لوگوں سے ناپ کریں تو پورا پورا لیں اور جب اونکو ناپ کر یا اون کو تول کر دیں تو کم دیں،

معاملات کے متعلق قرآنِ مجید کی ایک مکی آیت اور ہے،

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ ۵ (انعام - ۱۹)

اور (گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) جب بات کہو تو گو فریق مقدمہ اپنا، قرابت مند ہی (کیوں نہ ہو) انصاف (کا پاس) کرو،

لیکن بعض لوگوں نے اس کے مفہوم کو بہت زیادہ وسیع کر دیا، اس لئے شہادت اور انفصالِ مقدمات کے ساتھ اور بہت سی اخلاقی، مذہبی بلکہ علمی چیزیں بھی اس میں شامل ہو گئی ہیں، چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں،

مفسرین نے اس آیت کو صرف ادائے شہادت اور امر و نہی میں محدود کر دیا ہے لیکن قاضی کا قول ہے کہ صورتِ حال یہ نہیں ہے، بلکہ اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا تعلق گفتگو و کلام سے ہے، اس لئے اگر کوئی شخص دینی دعوت دیتا ہے اور اس پر دلائل قائم کرتا ہے تو دلیل کو حشو و زوائد سے پاک کر کے قریب الفہم الفاظ میں بیان کرنا چاہئے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض عادلانہ طریقہ سے انجام دینا چاہئے، اور ایسی روش

(تاق عرب)

نہ اختیار کرنی چاہئے جس سے کسی کو اذیت پہنچے یا اوس کو وحشت ہو، اور قدر واجب میں کمی ہو جائے، انسان جو قصص و حکایات بیان کرتا ہے، وہ بھی اس میں داخل ہیں، اس لئے اوس کو اون میں کمی اور زیادتی نہیں کرنی چاہئے، لوگوں کی پیغام بری بھی اس میں داخل ہے یعنی پیغامبر کو پیغام میں کمی اور بیشی نہیں کرنی چاہئے، حکام کے زبانی فیصلے بھی اسی میں شامل ہیں[1]،

غرض اس تفسیر کے مطابق شہادت اور انفصالِ مقدمہ کے علاوہ اخلاق اور معاملات کے اور بہت سے جزئیات بھی اس کلی حکم کے تحت میں داخل ہو گئے ہیں، جھوٹی شہادت کا ذکر خاص طور پر ایک مکی آیت میں کیا گیا ہے،

والذین لا یشھدون الزور (فرقان ۷۰) جو جھوٹی گواہی نہ دیں،

معاملات کے سلسلہ میں جن چیزوں کا حکم مکی آیتوں میں دیا گیا تھا، بعینہ اونہی احکام کا اعادہ مدنی آیتوں میں بھی کیا گیا ہی، البتہ

(۱) مدنی آیتوں میں بعض موقعوں پر معاملات کی شان اخلاق سے زیادہ نمایاں ہو گئی ہی، مثلاً ایفاے عہد کا حکم مکی آیتوں میں بار بار دیا گیا ہی، اور ہم تفسیر کبیر کے حوالہ سے لکھ آئے ہیں، کہ اس میں تمام معاملات شامل ہیں، لیکن ان تمام معاملات کے لئے عہد کا لفظ بہت زیادہ موزوں نہیں ہے، اس لئے مدنی آیت میں یہی حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہی،

یاایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود (مائدہ - ۱) مسلمانو! اپنے قراروں کو پورا کرو،

جو نہایت واضح طور پر تمام معاملات کو شامل ہے، کیونکہ عقد کا لفظ خصوصیت کیساتھ

[1] تفسیر کبیر جلد ۴ صہ ۲۵۱،

معاملات ہی کے لئے بولا جاتا ہے،

(۲) بعض آیتوں میں ان معاملات کے متعلق بہت زیادہ تفصیل و توضیح کی گئی ہے، مثلاً ایک مکی آیت میں شہادت یا انفصالِ مقدمہ کے متعلق انصاف کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا تھا،

واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ ۵ (انعام - ۱۹)	اور (گواہی دینی ہو یا فیصلہ کرنا پڑے) جب بات کہو تو گو (فریق مقدمہ اپنا) قرابت مند ہی (کیوں نہ ہو) انصاف (کا پاس) کرو،

لیکن مدنی آیتوں میں اس کا حکم جن الفاظ میں دیا گیا ہے انمیں اون تمام باتوں کا استقصاء کر لیا گیا ہے، جو شہادت اور انفصالِ مقدمہ میں مخل انصاف ہوتی تھیں مثلاً،

یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین و الاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بہما فلا تتبعوا الہوی ان تعدلوا وان تلووا او تعرضوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا (نساء - ۲۰)	مسلمانو! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رہو (اور) خدا لگتی گواہی دو اگرچہ (یہ گواہی) تمہارے اپنے یا ماں باپ اور رشتے داروں کے خلاف ہی (کیوں نہ ہو) اگر (ان میں) کوئی مالدار یا محتاج ہے تو اللہ (سب سے) بڑھکر اونکی پرداخت کرنے والا ہے، تو تم (اونکی خاطر اپنی) خواہش کی پیروی نہ کرو کہ لگو حق سے انحراف کرنے اور اگر دبی زبان سے گواہی دوگے یا درسرے سے گواہی
یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علی الا تعدلوا	مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو، اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم (کے ارتکاب) کی باعث نہ ہو

اعدلوا ھو اقرب للتقوی، | کہ (معاملات میں) انصاف نہ کرو (نہیں ہر حال میں)
(مائدہ - ۲) | انصاف کرو کہ (شیوۂ) انصاف پرہیزگاری سے قریب تر ہے
وان حکمت فاحکم بینھم | اور اگر فیصلہ کرو تو اُن میں انصاف کیساتھ
بالقسط ان اللّٰہ یحب المقسطین | فیصلہ کرنا، کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں
(مائدہ - ۶) | کو دوست رکھتا ہے،

اوپر کی آیتوں میں جو چیزیں نا انصافی کی محرک ہو سکتی تھیں یعنی اعزہ واقارب کے تعلقات دولت مند کا دباؤ محتاج کی ہمدردی، کسی قوم کی دشمنی ان سب کو انصاف کے مقابل میں بے اثر کر دیا گیا ہے، لیکن ان کے علاوہ رشوت سب سے زیادہ نا انصافی کا سبب بن سکتی ہے، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اُس کی ممانعت کی ہی،

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل | اور آپس میں ناحق (ناروا) ایک دوسرے کے مال
وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا | خورد برد نہ کرو اور نہ مال کو حاکموں پاس (رسائی
فریقا من اموال الناس بالاثم | پیدا کرنے کا) ذریعہ گردانو کہ لوگوں کے مال میں
وانتم تعلمون، | سے (تھوڑا بہت جو) کچھ (ہاتھ لگے اسکو) جان
(بقرہ - ۲۳) | بوجھ کر ناحق ہضم کر جاؤ،

امانت داری کا جو حکم کی آیتوں میں دیا گیا تھا وہی حکم مدنی آیتوں میں مزید تفصیل وتاکید کے ساتھ دیا گیا،

ان اللّٰہ یامرکم ان تؤدوا | مسلمانو! اللہ تمکو حکم دیتا ہے کہ امانت
الامنت الی اھلھا ہ | (رکھنے) والوں کی امانتیں (جب مانگیں)
(نساء - ۸) | اون کے حوالہ کر دیا کرو،

یا ایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ	مسلمانو! اللہ اور رسول کی (امانت میں) خیانت
والرسول وتخونوا امنٰتکم وانتم	نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو،
تعلمون ۵ (الانفال - ۳)	اور تم تو (خیانت کے وبال سے) واقف ہو،
فان امن بعضکم بعضا فلیود	پس اگر تم میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے تو جس پہ
الذی اؤتمن امانتہ ولیتق اللہ	اعتبار کیا گیا ہو (یعنی قرض لینے والا) اوسکو چاہئے کہ
ربہ ۵ (بقرہ - ۳۹)	قرض دینے والے کی امانت (یعنی قرض) کو (پورا پورا) ادا کردے،

اسی طرح یتیموں کے مال کی نگہداشت کا حکم نہایت پر زور طریقہ پر دیا گیا اور اون کے مال کی واپسی کے لئے شہادت ضروری قرار دی گئی،

(۳) بعض اہم معاملات میں صرف اخلاقی اعتماد کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ اس میں معاملاتی حیثیت سے مزید استحکام پیدا کیا گیا، مثلاً لین دین کے متعلق مکہ میں کوئی خاص آیت نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ ایفائے عہد اور ادائے امانت کے حکم میں داخل تھے، لیکن مدینہ میں اسکے لئے دستاویز لکھنے کا حکم دیا گیا، اور اس کے لئے دو گواہوں کی شہادت ضروری قرار دی گئی اور انکو یہ حکم دیا گیا کہ جب شہادت کی ضرورت ہو تو شہادت کا اخفا نہ کریں،

ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا	اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائیگا
فانہ آثم قلبہ (بقرہ - ۳۹)	تو وہ دل کا کھوٹا ہے،

بلکہ حاضر عدالت ہو کر شہادت دیں،

ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا	اور جب گواہ (ادائے شہادت کیلئے) بلائے جائیں
(بقرہ - ۳۹)	تو (حاضر ہونے سے) انکار نہ کریں،

(۴) پورے وزن و پیمانہ کے ساتھ ناپ تول کر سودا دینے کا حکم مکی آیتوں میں بار بار دیا گیا

تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مدنی آیتوں میں یہ حکم کہیں نہیں دیا گیا ہے، البتہ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو لوگ ناپ تول میں سخت خیانت کرتے تھے اس پر سورہ ویل للمطففین نازل ہوئی تو لوگ دیانت سے کام لینے لگے، لیکن اس سورۃ کے متعلق خود یہ اختلاف ہے کہ وہ مکی ہے یا مدنی ؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی اوپر کی آیتیں مدنی ہیں، اور اس کے علاوہ جو آیتیں ہیں وہ مکی ہیں: بہر حال مدینہ میں آکر اس حکم میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا اور نہ اس میں اضافہ کی گنجائش تھی،

(۸)

امر بالمعروف

اسلام میں ایک مسلمان کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں ہے کہ وہ بذات خود محاسنِ اخلاق کا ایک مکمل مجموعہ بنجائے، بلکہ اس کا اخلاقی فرض یہ بھی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنی ہی طرح محاسنِ اخلاق کا مجموعہ بنائے، لیکن اس فرض کے ادا کرنے کے لئے محاسنِ اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کے علاوہ اثر و اقتدار کی بھی ضرورت ہے، لیکن مکی زندگی تک اس فرض کے ادا کرنے کے لئے صرف ایک جزو کی تکمیل کی گئی یعنی مسلمانوں کو محاسنِ اخلاق کا مجموعہ بنادیا گیا، لیکن اس فرض کے اصلی جزو یعنی اثر و اقتدار کا زمانہ ہجرت کے بعد شروع ہوا، اور خداوند تعالیٰ نے ایک مکی سورہ میں مہاجرین کی یہ اخلاقی خصوصیت بتائی،

الّذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصّلٰوۃ واٰتوا الزّکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر ہ (حج - ۷)	یہ لوگ (یعنی شروع شروع کے مسلمان ہیں تو مظلوم لیکن) اگر (حاکم وقت بناکر) ہم زمین میں ان کے پاؤں جمادیں تو نمازیں پڑھینگے اور زکوٰۃ دیں گے اور (لوگوں کو) اچھے کام کے لئے کہیں گے اور برے کاموں سے منع کریں گے،

اس تمکن سے خلافت مراد ہے، جو ہجرت کے بعد مسلمانوں کو ملی، اور اُس کے بعد مسلمانوں کا یہ دوسرا اخلاقی فرض یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شروع ہوا اور مدنی آیتوں میں مسلمانوں

کو اس کی ضرورت بتائی گئی،

ولتکن منکم امۃ یدعون
الی الخیر ویامرون بالمعروف
وینہون عن المنکر واولئک
ھم المفلحون ہ
(آل عمران - ۱۱)

اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیے جو (لوگوں کو) نیک کاموں کی طرف بلائیں اور اچھے کام (کرنے) کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور (آخرت میں) ایسے ہی لوگ اپنی مراد کو پہونچیں گے،

اور اس کو اون کی اخلاقی خصوصیات میں شمار کیا گیا،

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس
تامرون بالمعروف وتنہون
عن المنکر وتومنون باللہ ہ
(آل عمران - ۱۲)

لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے جس قدر امتیں پیدا ہوئیں اون میں تم (مسلمان) سب سے بہتر ہو کہ اچھے (کام کرنے) کو کہتے اور برے (کاموں) سے منع کرتے اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو،

علمِ حدیث

اور

اخلاق

قرآن مجید کے بعد اسلامی اخلاق کا سب سے بڑا ذخیرہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے لیکن یہ پتہ لگانا سخت مشکل ہے کہ ان میں کون سی اخلاقی تعلیم مکہ میں اور کون سی مدینہ میں دی گئی کیونکہ ہمارے محدثین نے مکی اور مدنی حدیثوں میں کوئی تفریق نہیں کی، البتہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قسم کی اخلاقی تعلیم دیتے تھے اوس کا ایک جامع بیان اس تقریر میں ملتا ہے جو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے سامنے کی تھی، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو سچ بولنے، امانت کے واپس کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنے، حرام چیزوں اور خونریزی سے باز آنے کا حکم دیتے تھے اور بدکاری کرنے، جھوٹی شہادت دینے، یتیم کے مال کھانے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کرتے تھے،

مکہ میں بیعتِ عقبہ کے موقع پر آپ نے انصار سے جن باتوں پر بیعت لی تھی، وہ یہ تھیں کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بناؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، اور بہتان نہ لگاؤ، لیکن تقریباً یہ وہی اخلاقی تعلیمات ہیں، جو مکی آیتوں میں مذکور ہیں اور اس سے

یہ قیاس ہوتا ہے، کہ مکی زندگی تک آپ صرف اُنہی محاسنِ اخلاق کی تعلیم دیتے تھے، جو مکی آیتوں میں مذکور تھے، لیکن مدینہ میں آکر آپ نے اخلاق و معاشرت کے ہر شعبہ کے متعلق اس وسعت کیساتھ اخلاقی تعلیمات دیں کہ مشرکین نے اون کی جامعیت کو دیکھکر صحابہ سے کہا،

انی اری صاحبکم یعلمکم حتی یعلمکم الخراءة[1] — ہم دیکھتے ہیں کہ محمدؐ تمکو تعلیم دیتے ہیں اور اس جامعیت کیساتھ تعلیم دیتے ہیں کہ بول و براز کا طریقہ بھی۔

کتبِ حدیث میں ان اخلاقی تعلیمات کا جو ذخیرہ موجود ہے اُس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنا بڑا وسیع ذخیرہ مکہ میں کیوں نہ پیدا ہو سکا، ؟ مدینہ کی سرزمین کو اوس کے ساتھ کیا خصوصیت حاصل ہے؟ اصل یہ ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کی صرف ایک مختصر سی جماعت پیدا ہوئی تھی جو نہایت مظلومانہ حالت میں متفرق و منتشر طور پر رہتی تھی، ایسی حالت میں اس کا کام صرف اس قدر تھا کہ قرآن مجید کی جو اخلاقی آیتیں نازل ہوں اُن پر عمل کرے، اس بنا پر مکہ میں رسول اللہ صلعم کی نمایاں حیثیت ایک مبلغ کی نظر آتی ہے، اس لئے آپنے مکہ میں صرف آیاتِ قرآنی کی تبلیغ پر اکتفا کیا، ممکن ہے کہ مکہ میں آپ نے کچھ زبانی اخلاقی تعلیم بھی دی ہو، لیکن آپ کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا مستقل اور وسیع سلسلہ مدینہ میں شروع ہوا، اور اس سلسلہ کے قائم ہونے کے بعد صحابۂ کرام نے آپ سے زیادہ تر اخلاقی تعلیم حاصل کی، فقہی مسائل کی تعلیم بھی اگرچہ مدینہ ہی میں شروع ہوئی، لیکن جیسا کہ مسند دارمی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلعم سے صرف ۱۳ فقہی مسائل دریافت کئے جو کل کے کل قرآن مجید میں مذکور ہیں، لیکن اخلاقی تعلیم کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، صحابۂ کرام بے تکلف آپ کے فیضِ صحبت سے فائدہ اُٹھاتے تھے، اور ہمیشہ اخلاقی سوالات کرتے رہتے تھے، اور آپ اون کے جو جوابات دیتے تھے وہ تمامتر

---

[1] مسلم کتاب الطہارۃ باب الاستطابہ،

اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہوتے تھے مثلاً

ایک موقع پر صحابہ نے آپ سے سوال کیا، کہ کبائر یعنی سب سے بڑے گناہ کیا کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا شرک، قتل، ماں باپ کی نافرمانی، پھر فرمایا کہ میں تم کو سب سے بڑے گناہ کی خبر دوں یعنی جھوٹی شہادت[1]،

ایک بار ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھکو ایک ایسا کام بتائیے، جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں، فرمایا خدا کو پوجو کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو، اور صلہ رحمی کرو[2]،

ایک بار ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے،؟ ارشاد ہوا یہ کہ تم کسی کو خدا کا شریک بناؤ حالانکہ اوس نے تمکو پیدا کیا ہے انھوں نے پوچھا اور، فرمایا کہ اپنے لڑکے کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا، انھوں نے پوچھا اور فرمایا یہ کہ اپنے پڑوسی کی بی بی سے زنا کرو[3]،

ایک بار آپ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے صحابہ نے کہا کہ اگر اوس کو مقدور نہ ہو؟ ارشاد ہوا کوئی کام کرے، خود فائدہ اٹھائے اور صدقہ کرے، صحابہؓ نے کہا کہ اگر اوس کو اس کا مقدور نہ ہو یا وہ ایسا نہ کرے، فرمایا تو پھر محتاج مصیبت زدہ کی مدد کرے، صحابہؓ نے کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کرے فرمایا تو پھر نیکی کا حکم دے، صحابہؓ نے کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کرے، فرمایا تو پھر بدی سے باز رہے، کیونکہ یہی اُس کا صدقہ ہے[4]،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر [2] بخاری کتاب الادب باب فضل صلۃ الرحم [3] بخاری کتاب الادب باب قتل الولد خشیۃ ان یاکل معہ [4] بخاری کتاب الادب باب کل معروف صدقۃ،

ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہم اپنی شرمگاہوں کو کس حد تک چھپائیں اور کس حد تک نہ چھپائیں، ارشاد ہوا کہ اپنی بی بی اور اپنی لونڈی کے سوا سب سے اپنی شرمگاہوں کو چھپاؤ، بولے کہ کبھی ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ ہوتا ہے، فرمایا کہ جہاں تک ممکن ہو کسی پر شرمگاہ کو کھلنے نہ دو، بولے کبھی انسان تنہا ہوتا ہے، فرمایا خدا تو اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے کہ اُس سے حیا کیجائے،[1]

ایک بار حضرت جریر بن عبداللہ نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر کسی عورت پر اتفاقاً نگاہ پڑ جائے تو کیا کیا جائے؟ فرمایا کہ اپنی نگاہ پھیر لو،[2]

ایک بار آپ سے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ سلوک کروں؟ ارشاد ہوا اپنی ماں کے ساتھ، اُنھوں نے کہا اس کے بعد فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، اُنھوں نے کہا اس کے بعد فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، اُنھوں نے کہا اس کے بعد فرمایا اپنے باپ کے ساتھ، پھر درجہ بدرجہ قرابت داروں کے ساتھ،[3]

ایک بار کسی صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ اپنے بھائی کے ایسے عیوب کا ذکر کرنا جس کو وہ پسند نہ کرتا ہو، بولے اگر وہ عیب اُس میں درحقیقت موجود ہو فرمایا اگر وہ عیب اُس میں موجود ہے تو تم نے اُس کی غیبت کی اور اگر نہیں ہے تو تم نے اُس پر بہتان باندھا،[4]

ایک بار ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ میں اپنے خادم کی خطاؤں کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ خاموش رہے، پھر اُنھوں نے یہی سوال کیا تو فرمایا کہ ایک دن میں ستر بار،[5]

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی حفظ العورۃ [2] ایضاً باب ماجاء فی نظرۃ الفجاءۃ
[3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی برالوالدین [4] ایضاً باب ماجاء فی الغیبۃ
[5] ایضاً باب ماجاء فی ادب الخادم،

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، اس پر ایک صحابی نے دریافت کیا کہ مجھکو تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میرا کپڑا عمدہ ہو اور میرا جوتا عمدہ ہو فرمایا خدا تو حسن کو پسند کرتا ہے، مغرور وہ شخص ہے جو حق کا انکار کرے، اور لوگوں کو حقیر سمجھے[1]،

ایک بار آپ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرائیگی، ارشاد ہوا کہ خدا کا تقویٰ اور خوش خلقی، پھر سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز لوگوں کو دوزخ میں لیجائے گی ارشاد ہوا کہ منہ اور شرمگاہ[2]، یعنی بدزبانی اور بدکاری،

ایک بار ایک صحابی نے آپ سے تعصب کی حقیقت دریافت کی، تو آپ نے فرمایا کہ تعصب کے معنی یہ ہیں کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی اعانت کرو[3]،

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ میں کس کے ساتھ سلوک کروں، ارشاد ہوا کہ اپنی ماں کے ساتھ، اپنے باپ کے ساتھ، اپنی بہن کے ساتھ، اپنے بھائی کے ساتھ، اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ، یہ ایک واجب حق اور صلہ رحمی ہے،

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ باپ ماں کے مرجانے کے بعد بھی اون کے ساتھ سلوک کرنے کی کوئی صورت رہ جاتی ہے، فرمایا ہاں، اُن پر درود و استغفار بھیجنا، اون کے بعد اون کے قول و قرار کو پورا کرنا، اور اُن تعلقاتِ قرابت کو قائم رکھنا جو صرف اون کے ذریعہ سے قائم رکھے جاسکتے ہیں، اور اون کے دوستوں کی عزت کرنا[4]،

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ اے رسول اللہ لڑکے پر ماں باپ کا کیا حق

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الکبر، [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی حسن الخلق،
[3] ابو داؤد کتاب الادب باب فی العصبیۃ، [4] ابو داؤد کتاب الادب باب فی برالوالدین،

ہے؟ فرمایا وہ تمھاری جنت اور دوزخ ہیں[1]،

ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنے اونٹوں کے لئے جو حوض تیار کیا ہے، اگر اُس پر کوئی گمشدہ اونٹ آجائے اور میں اس کو پانی پلا دوں تو کیا مجھ کو ثواب ملے گا؟ فرمایا ہر گرم کلیجے والے جانور کے پانی پلانے پر ثواب ملے گا[2]،

ایک بار حضرت ابوبرزۃ الاسلمیؓ نے آپ سے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم ممکن ہے کہ آپ کا وصال ہو جائے اور میں زندہ رہوں، اس لئے مجھکو کوئی مفید بات بتا دیجئے جس سے میں فائدہ اُٹھاتا رہوں، آپ نے اون کو متعدد باتیں بتائیں، جن میں ایک اخلاقی بات یہ تھی کہ راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کریں[3]،

ایک بار ایک صحابیہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم میری ایک سوت ہے، اگر میں اس کے جلانے کے لئے ایسی چیزوں کی نمائش کروں جو میرے شوہر نے مجھ کو نہیں دی ہیں، تو کیا یہ کوئی گناہ کی بات ہے؟ فرمایا ایسی چیزوں کی نمائش کرنے والا اس شخص کے مثل ہے، جو فریب وہ کپڑوں کی نمائش کرتا ہے[4]،

ایک بار صحابۂ کرام نے دریافت کیا کہ بہترین اسلام کیا ہے؟ فرمایا مسلمان کامل وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں[5]،

ایک بار ایک صحابی نے دریافت کیا کہ بہترین اسلام کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ کھانا کھلانا، اور شناسا اور غیر شناسا کو سلام کرنا[6]،

---

[1] ابن ماجہ ابواب الادب باب بر الوالدین [2] سنن ابن ماجہ ابواب الادب باب فضل صدقۃ الماء، [3] مسلم کتاب البر والصلہ باب فضل ازالۃ الاذی عن الطریق، [4] ابوداؤد کتاب الادب، باب فی المتشبع بما لم یعط، [5] بخاری کتاب الایمان باب ای الاسلام افضل، [6] ایضاً باب اطعام الطعام من الاسلام،

صحابۂ کرام کے ان سوالات کے ساتھ مدینہ میں اخلاقی تعلیم کی وسعت کے اور بھی متعدد اسباب پیش آئے مثلاً

(۲) بعض موقعوں پر صحابۂ کرام سے ایسی باتیں سرزد ہوئیں، جو اسلامی محاسنِ اخلاق کے خلاف تھیں، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اون کو اس سے روکا، اور اس قسم کے موقعوں پر اسلامی اخلاق کی حقیقی تعلیم دی، مثلاً

ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئی اور سلام کے بجائے "السام علیکم" کہا، یعنی تم کو موت آئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ اس کو سمجھ گئیں، اور جواب میں کہا "علیکم السام واللعنۃ" یعنی تم کو موت آئے اور تم پر لعنت ہو" رسول اللہ صلعم نے یہ سنا تو فرمایا کہ عائشہ سختی نہ کرو، خدا ہر کام میں نرمی کو محبوب رکھتا ہے[۱]،

ایک بار حضرت ابوذر غفاریؓ اور ایک شخص کے درمیان تکرار ہوئی، چونکہ اُس کی ماں عجمی یعنی لونڈی تھی، اس لئے اُنھوں نے اوس کو ماں کی گالی دی، اوس نے آپ کی خدمت میں شکایت کی، تو آپ نے اون سے دریافت کیا کہ کیا تم نے فلاں شخص سے گالی گلوج کی ہے؟ بولے ہاں، پھر فرمایا کیا تم نے اوس کی ماں کو برا بھلا کہا ہے، بولے ہاں ارشاد ہوا تم میں اب تک جاہلیت کا اثر باقی ہے، اُنھوں نے کہا کیا اس بڑھاپے میں بھی؟ فرمایا، ہاں یہ غلام تمھارے بھائی ہیں، خدا نے ان کو تمھارے قبضہ میں دیدیا ہے، تو خدا جس کے بھائی کو اوس کے قبضہ میں دیدے، وہ اس کو وہی کھلائے اور پہنائے، جو خود کھاتا پہنتا ہے، اور اس سے ایسا کام نہ لے جو اُس کی طاقت سے باہر ہو، اور اگر اوس سے ایسا کام لے تو اس میں اسکی مدد کرے[۲]،

ایک بار حضرت جرہدؓ ران کھولے ہوئے بیٹھے تھے، رسول اللہ صلعم کا گذر ہوا تو فرمایا

[۱] بخاری کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ، [۲] ایضاً باب ینہی عن السباب واللعن،

کہ اس کو ڈھانک لو، کیونکہ وہ شرمگاہ ہے[1]،

خلوق ایک خوشبو ہوتی ہے جو زعفران وغیرہ کو ملا کر بنائی جاتی ہے، اور اس کو صرف عورتیں استعمال کرتی ہیں، لیکن ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کو خلوق لگائے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو خوب دھو ڈالو اور دوبارہ نہ لگاؤ[2]

ایک بار ایک شخص سرخ کپڑے پہنے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا، لیکن آپ نے اوس کے سلام کا جواب نہیں دیا[3]، کیونکہ آپ نے ایک مرد کے لئے اس کپڑے کا استعمال پسند نہیں فرمایا،

ایک بار ایک بوڑھا آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن اہل مجلس نے اُس کے لئے جگہ خالی کرنے میں دیر کی، تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے چھوٹوں کے ساتھ بہ لطف پیش نہ آئے، اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے[4]،

ایک بار رسول اللہ صلعم کے پاس ایک آدمی نے ہوا پر لعنت بھیجی، فرمایا ہوا پر لعنت نہ بھیجو، کیونکہ وہ خدا کی فرماں بردار ہے، جو شخص کسی چیز پر لعنت بھیجتا ہے اور وہ اوس کی مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اوسی پر لوٹ آتی ہے[5]،

لوگ بچوں کے بہلانے کے لئے جھوٹ بول دیا کرتے ہیں، لیکن اسلامی اخلاق کے رو سے یہ بھی قابل احتراز ہے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلعم ایک صحابیہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، اونھوں نے اپنے بچہ کو بلایا کہ آ میں تجھے دیتی ہوں، آپ نے فرمایا اس کو کیا دینا چاہتی ہو؟

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان والآداب باب ماجاء ان الفخذ عورۃ، [2] ایضاً باب ماجاء فی کراھیۃ التزعفر والخلوق للرجال، [3] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی کراھیۃ لبس المعصفر للرجال

[4] ترمذی ابواب البر والصلۃ ماجاء فی رحمۃ الصبیان [5] ایضاً باب ماجاء فی اللعنۃ

اُنھوں نے کہا کھجور، فرمایا اگر تم اُس کو کچھ نہ دیتیں تو تمھارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھ لیا جاتا[۱]

اسلام نے صحابہؓ کو جو نئے معاشرتی آداب سکھائے اون میں ایک یہ تھا کہ جب کوئی شخص کسی کے یہاں جائے تو اُس سے اندر آنے کے لئے اجازت لیلے جس کا طریقہ یہ ہے کہ اوس کو پہلے سلام کرے، لیکن بعض لوگ اس سے ناواقف تھے اس لئے رسول اللہ صلعم نے انکو یہ معاشرتی طریقہ سکھایا،

ایک بار آپ ایک گھر میں تھے، ایک شخص آیا اور کہا کہ "اندر آجاؤں" آپ نے اپنے خادم سے کہا کہ باہر نکل کر اس کو اجازت طلب کرنے کا طریقہ سکھاؤ، اور اس کو یہ بتاؤ کہ وہ السّلام علیکم کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب کرے، چنانچہ اوس نے سلام کرنے کے بعد اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دی،

بعض لوگ اس معاشرتی طریقہ کے مقصد کے سمجھنے میں غلطی کرتے تھے، اس لئے آپ نے صحابۂ کرام کو اس کا مقصد سمجھایا، مثلاً ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بالکل دروازہ کے سامنے کھڑا ہوگیا، آپ نے فرمایا کہ سامنے سے ہٹ جاؤ، کیونکہ اس طریقہ کے قائم کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کسی کے گھر میں آنے والے کی نگاہ ایسی چیز پر نہ پڑ جائے جس کا اظہار اس کو پسند نہ ہو[۲]

ایک سفر میں صحابہؓ نے ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لئے، چڑیا بچوں کی محبت سے اون کے سروں پر منڈلانے لگی، آپ نے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو کس نے بیقرار کر دیا ہے؟ اس کے بچوں کو چھوڑ دو[۳]

---

[۱] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الکذب [۲] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الاستیذان،
[۳] ابوداؤد کتاب الادب باب فی قتل الذر،

ایک بار مسجد سے مرد عورت دونوں نکل کر راستے میں ساتھ ساتھ چلنے لگے، آپ نے دیکھا، تو عورتوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ پیچھے ہٹو، تمھارے لئے وسطِ راہ سے چلنا مناسب نہیں، تم کو راستہ کے کنارے سے چلنا چاہئیے، اس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ عورتیں بالکل دیوار سے لگ کر چلنے لگیں[1]،

ایک بار ایک صحابی خدمتِ مبارک میں اپنے ایک لڑکے کو لے کر حاضر ہوئے، اور کہا کہ آپ گواہ رہئیے کہ میں نے اس پر فلاں فلاں چیز ہبہ کی ہے، آپ نے فرمایا کیا اپنے کل بچوں پر بھی یہ چیزیں ہبہ کی ہیں، بولے نہیں، ارشاد ہوا کہ کسی دوسرے کو گواہ بناؤ، کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ حسنِ سلوک میں سب برابر ہوں؟ بولے ہاں پسند ہے، فرمایا تو یہ ہبہ صحیح نہیں[2]،

ایک بار حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک غلام پر لعنت بھیجی، اس پر رسول اللہ صلعم نے دو یا تین بار فرمایا کہ لعنت اور صدیقیت، خدا کی قسم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، حضرت ابوبکرؓ نے اسی دن غلام کو آزاد کر دیا، پھر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ دوبارہ ایسا نہ کرونگا[3]،

حضرت ماعز اسلمیؓ نے تین بار زنا کا اقرار کیا، لیکن رسول اللہ صلعم ٹالتے رہے، چوتھی بار اقرار کیا تو آپ نے اون کو سنگسار کیا، اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ خائن بار بار رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آیا اور آپ ٹالتے رہے، بالآخر کتوں کی طرح مار ڈالا گیا، آپ یہ گفتگو سنکر خاموش ہو رہے، دفعتاً راہ میں ایک مردہ گدھا نظر آیا، تو آپ نے فرمایا کہ اس کا گوشت کھاؤ، بولے یہ تو مردار گدھا ہے، فرمایا تم نے ابھی ابھی اپنے بھائی کی عزت کو جو صدمہ پہنچایا ہے، وہ اس سے بھی برا ہے، خدا کی قسم وہ جنت کی ایک نہر میں غوطے کھا رہا ہے[4]،

---

[1] ابوداود کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق، [2] ادب المفرد باب ادب الوالد وبرہ لولدہ [3] ادب المفرد باب من لعن عبدہ فاعتقہ [4] ادب المفرد باب فی الغیبۃ للمیت،

حضرت عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا، اور رسول اللہ صلعم کی آغوشِ تربیت میں پرورش پا رہا تھا اور کھانے میں میری یہ حالت ہوتی تھی کہ پیالے کی ہر طرف ہاتھ دوڑاتا تھا، آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ کر کے کھاؤ، اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ، اور کھانے کا جو حصہ تم سے قریب ہو اُس کو کھاؤ، اس کے بعد کھانے میں میری یہی روش قائم ہو گئی،[1]

(۳) اسلام کی اخلاقی تاریخ میں فضائلِ اخلاق کا سب سے بڑا معیار خود رسول اللہ صلعم کی ذات ہے، اور آپ کے اخلاقی و معاشرتی فضائل کے متعلق واقعات کا جو سرمایہ ہے وہ تمامتر مدنی زندگی میں فراہم ہوا اور اُن سے اخلاق و معاشرت کے بکثرت عنوانات قائم ہوئے مثلاً

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم فیاض ترین شخص تھے اور رمضان میں اور بھی فیاض ہو جاتے تھے،

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم سب سے زیادہ خوش خلق، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ بہادر تھے، ایک رات اہلِ مدینہ میں خوف و اضطراب پیدا ہوا اور ایک آواز آئی جس کی طرف لوگ بڑھے، لیکن ان میں رسول اللہ صلعم سب سے آگے تھے، اور فرماتے تھے، گھبراؤ نہیں، گھبراؤ نہیں، آپ ابو طلحہؓ کے ایک گھوڑے پر سوار تھے، جس کی پشت پر زین نہ تھی، اور آپ کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی،

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم نے کسی سوال پر نہیں کا لفظ نہیں کہا،

حضرت سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک بار ایک صحابیہ نے آپ کو ایک چادر دی، اور آپ نے اس کو استعمال کیا، لیکن ایک صحابی نے اُس کو دیکھا تو کہا کہ یہ نہایت عمدہ ہے، مجھکو عنایت فرمائیے، آپ نے وہ چادر اون کو دیدی، لیکن جب آپ اُٹھ کر چلے گئے تو اور صحابہؓ نے

[1] بخاری کتاب لاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین،

اون کو ملامت کی کہ تم نے یہ اچھا کام نہیں کیا، تم کو معلوم تھا کہ آپ کو اس چادر کی ضرورت تھی اور تم یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں کرتے، ایسی حالت میں تمھارا یہ سوال مناسب نہ تھا، انھوں نے کہا کہ میں نے اس کو متبرک سمجھ کر مانگا، تاکہ وہ میرے کفن کے کام آئے،

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک آپ کی خدمت کی، لیکن آپؐ نے مجھکو اُف تک نہیں کہا اور نہ یہ پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا، اور نہ یہ دریافت فرمایا کہ کیا تم نے یہ کام نہیں کیا[1]؟

امام بخاری نے کتاب الادب میں حسن خلق اور سخاوت کا جو باب قائم کیا ہے، اس کے تحت میں یہ تمام حدیثیں لائے ہیں،

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نہ تو بد زبانی کرتے تھے، نہ لعنت بھیجتے تھے، نہ کسی کو گالی دیتے تھے، بلکہ آپ کو جب غصہ آتا تھا تو صرف اس قدر کہتے تھے کہ اُس نے کیا کیا، اوس کی پیشانی خاک آلودہ ہو، اور امام بخاری نے اُس سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی کو لعنت ملامت کرنا اور بُرا بھلا نہیں کہنا چاہئے، اور اس حدیث کو باب" ماینھی من السباب واللعن" کے تحت میں لائے ہیں،

حضرت ام خالد رضؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں زرد کرتہ پہنے ہوئے تھی، آپ نے فرمایا کیا خوب کیا خوب، پھر میں آپ کے خاتم نبوت سے کھیلنے لگی، اس پر میرے باپ نے ڈانٹا، تو آپ نے فرمایا اس کو کھیلنے دو، پھر مجھکو درازی عمر کی دعا دی،

حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ آپ نے اپنے صاحبزادے کو گود میں لے کر چوما اور سونگھا،

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب میں اس واقعہ سے حلم کا باب قائم کیا ہے،

آپ ایک بار امامہ بنت ابی العاص کو دوشِ مبارک پر لے کر نکلے، اور اسی حالت میں نماز پڑھی، چنانچہ جب رکوع کرتے تھے تو اون کو کاندھے سے اُتار دیتے تھے، اور جب رکوع سے اُٹھتے تھے تو پھر اون کو کاندھے پر رکھ لیتے تھے،

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے ایک بچہ کو گود میں لیا اور اُس نے آپ کے اوپر پیشاب کر دیا، آپ نے پانی طلب فرمایا اور اس پر گرا دیا،

حضرت اسامہ بن زیدؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم مجھکو ایک ران پر اور امام حسنؓ کو دوسری ران پر بٹھاتے تھے، پھر ہم دونوں کو ملا کر فرماتے تھے کہ خداوندا ان دونوں پر رحم کر کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں،

امام بخاری نے کتاب الادب میں بچوں کی معاشرت ومحبت کے متعلق جو مختلف عنوانات قائم کئے ہیں، مثلاً دوسروں کے بچوں کو اپنے ساتھ کھیلنے کا موقع دینا یا اون کا بوسہ لینا یا اون کے ساتھ مذاق کرنا، بچوں سے محبت کرنا، اون کو چومنا اون کو گلے لگانا، بچوں کو گود میں لینا، بچوں کو ران پر بٹھانا، اون پر انہی احادیث سے استدلال کیا ہے،

حضرت ابو سلیمان مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ ہم چند نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ۲۰ دن تک آپ کے پاس مقیم رہے، لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ اب ہم کو ہمارے اہل وعیال یاد آتے ہیں، تو آپ نے ہم سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اپنے اہل وعیال میں کس کس کو چھوڑ آئے، آپ نرم دل اور مہربان تھے،

ایک بار ایک بدو نے نماز کی حالت میں یہ دعا کی کہ خداوندا! مجھ پر اور محمد پر رحمت کر، اور ہمارے ساتھ کسی پر رحمت نہ کر، لیکن آپ نے سلام پھیرنے کے بعد بدو سے کہا کہ تم نے ایک وسیع چیز یعنی خدا کی رحمت کے دائرہ کو تنگ کر دیا، اور امام بخاری نے ان احادیث سے

عام انسانی لطف و محبت پر استدلال کیا ہی،

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ کی ایک لونڈی تک کا یہ حال تھا کہ اگر اُس کو کوئی ضرورت پیش آتی تو رسول اللہ صلعم کا ہاتھ پکڑ لیتی، اور جہاں چاہتی لے جاتی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نہایت متواضع وخاکسار تھے اور امام بخاری نے کتاب الادب میں جہاں کبر کا باب باندھا ہے، وہاں اس حدیث سے استدلال کیا ہے،

مدنی زندگی میں چونکہ روزانہ مختلف قسم کے واقعات پیش آتے رہتے تھے، اس لئے صحابہؓ کرام کو رسول اللہ صلعم کے معاشرت و اخلاق کے متعلق تمام جزئیات کے مطالعہ کا موقع ملتا رہتا تھا، اور ان واقعات کی روایتوں سے مختلف اخلاقی و معاشرتی عنوانات قائم ہوتے تھے، مثلاً ہنسی اور مسکراہٹ تقدس اور وقار کے خلاف خیال کی جاتی ہیں اسی لئے بعض صوفیہ کبھی نہیں ہنستے تھے، خود رسول اللہ صلعم کے متعلق حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ کو کبھی اس طرح ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کا منہ اس قدر کھل جائے کہ آپ کا تالو نظر آئے، آپ صرف مسکراتے تھے، لیکن امام بخاری نے باب التبسم والضحک میں اور صحابہ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کبھی کبھی بیساختہ ہنس بھی پڑتے تھے، مثلاً ایک بار ایک شخص نے رمضان میں اپنی بی بی سے مقاربت کی، اور آپ نے اوس کو ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، اوس نے کہا میرے پاس غلام نہیں' فرمایا متصل دو مہینے تک روزے رکھو، اُس نے کہا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، فرمایا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، اُس نے کہا اس کا بھی مقدور نہیں، اسی اثنا میں کھجوروں کی ایک ٹوکری آئی، اور آپ نے اُس سے کہا کہ اسی کو صدقہ کردو، اُس نے کہا کیا مدینہ میں مجھ سے بھی زیادہ کوئی محتاج ہے، جس پر میں صدقہ کروں، آپ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت

کھل گئے، اور فرمایا کہ اب اسکو تمہیں دے لو،

ایک بار آپ جا رہے تھے، ایک بدو نے آکر آپ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ آپ کی گردن پر نشان پڑ گیا، پھر آپ سے کہا کہ خدا کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے مجھکو عنایت فرمایئے، آپ اوس کو دیکھ کر ہنس پڑے اور اُس کو مال دینے کا حکم دیا،

آپ کی عادت تھی کہ کسی کھانے میں کوئی عیب نہیں نکالتے تھے، اگر مرغوب ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے، امام ترمذی نے اس سے یہ باب قائم کیا ہے "باب ما جاء فی ترک العیب للنعمۃ" یعنی خدا کے احسانات میں کوئی عیب نہیں نکالنا چاہئے،

رسول اللہ صلعم کی ناقہ عضباء کا مقابلہ کوئی اونٹنی دوڑ میں نہیں کر سکتی تھی، لیکن ایک بار ایک بدو کا اونٹ مقابلہ میں اس سے آگے نکل گیا، اور اُس کا یہ تفوق صحابہؓ پر سخت گراں گذرا لیکن آپ نے فرمایا خدا جس چیز کو بلند کر دیتا ہے، لازمی طور پر اس کو پست بھی کر دیتا ہے اور امام ابوداؤد نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تمام باتوں میں تفوق کی خواہش زیبا نہیں[1]،

ایک بار حضرت سائبؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو صحابہ نے اون کی تعریف کرنا شروع کی، آپ نے فرمایا میں تم سے زیادہ ان سے واقف ہوں، اُنھوں نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں، آپ میرے شریک تھے اور کس قدر اچھے شریک تھے، نہ اختلاف کرتے تھے نہ حجت و تکرار کرتے تھے، امام ابوداؤد نے کتاب الادب میں اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ معاملات میں حجت و تکرار پسندیدہ نہیں ہے،

رسول اللہ صلعم اور صحابہؓ کے درمیان بعض اوقات خوش طبعی کی باتیں ہو جاتی تھیں جس سے محدثین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ معاشرتی زندگی میں سنجیدہ مذاق کیا جا سکتا ہے مثلاً

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی کراھیۃ الرفعۃ فی الامور.

ایک شخص نے آپ سے سواری مانگی، آپ نے فرمایا کہ میں تمھاری سواری کے لئے اونٹنی کا ایک بچہ دوں گا، اُنھوں نے کہا میں اونٹنی کا بچہ لیکر کیا کروں گا، فرمایا اونٹوں کو بھی تو اونٹنی ہی جنتی ہے، یعنی ہر اونٹ اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے،

غزوہ تبوک میں آپ ایک چمڑے کے خیمہ میں مقیم تھے، ایک صحابی آئے تو آپ نے اونکو خیمہ کے اندر بلایا، لیکن چونکہ خیمہ بہت چھوٹا تھا، اس لئے اُنھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا میں اپنے پورے جسم کے ساتھ خیمہ کے اندر آجاؤں، آپ نے فرمایا ہاں پورے جسم کے ساتھ[1]

ایک بار ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے اسکی بیٹھنے کے لئے اپنی چادر بچھائی، ایک صحابی نے پوچھا یہ کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ یہ آپ کی رضاعی ماں ہے،

ایک بار آپ کے رضاعی والد آئے تو آپ نے اون کے لئے اپنا کپڑا بچھادیا، جس پر وہ بیٹھ گئے، پھر آپ کی رضاعی ماں آئیں تو آپ نے اون کے لئے اوس کا دوسرا گوشہ بچھادیا، جس پر وہ بیٹھ گئیں، پھر آپ کے رضاعی بھائی آئے تو آپ اون کی تعظیم کے لئے اُٹھ گئے اور اُن کو اپنے آگے بٹھایا، امام ابوداؤد نے ان حدیثوں کو کتاب الادب میں باب "فی بر الوالدین" یعنی ماں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کے باب میں درج کیا ہے،

ایک بار حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلعم کے لئے جو کی روٹی پکائی، اتفاق سے ہمسایہ کی ایک بکری آئی اور روٹی کو اٹھا کر چلتی ہوئی، اُنھوں نے بکری کو دوڑایا، تو آپ نے فرمایا کہ جو روٹی مل جائے اوس کو لے لو، لیکن اس بکری کی وجہ سے اپنے پڑوسی کو کوئی دکھ نہ پہنچاؤ، امام بخاری نے ادب المفرد میں اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پڑوسی کو ستانا نہیں چاہئے،[2]

(۴) مدنی زندگی میں مختلف واقعات اور متعدد حالات وجزئیات کے پیش آنے سے

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی المزاح، [2] ادب المفرد باب لایوذی جارہ،

روایات کا ایک ایسا سرمایہ جمع ہوگیا، جن کو پیش نظر رکھکر محدثینِ کرام نے اسلامی نظامِ اخلاق کے متعلق بہت سے دقیق نکتے استنباط کئے، یعنی اخلاقی ابواب وعنوانات کے متعلق رسول اللہ صلعم کے جو اقوال و افعال بالکل صریح تھے اون میں تو کسی قسم کی حکیمانہ دیدہ ریزی کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اون کا روایت کردینا کافی تھا لیکن ان کے علاوہ آپ کے مختلف ارشادات سے مختلف اخلاقی نکات پیدا ہوتے تھے، اور ان نکات کے پیدا کرنے کے لئے حسنِ استنباط کی ضرورت تھی جس سے محدثین نے متعدد مواقع پر کام لیا، اور اس نے نہایت دقیق اخلاقی عنوانات قائم کئے، مثلاً متعدد احادیث سے بدزبانی کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، لیکن کبھی کبھی کسی مناسبت سے ایک شخص کا کوئی نام رکھ لیا جاتا ہے، جس سے بعض اوقات اسکی تنقیص ہوسکتی ہے، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس قسم کے نام بدزبانی میں داخل ہیں یا نہیں؟ امام بخاری کی نگاہ اس اخلاقی نکتہ پر پہنچی، اور اُنھوں نے کتاب الادب میں بدزبانی کی ممانعت کی حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد ایک باب یہ قائم کیا،

باب ما یجوز من ذکر الناس	یعنی کسی شخص کو دراز قد یا پست قد بنانا یا لقب
نحو قولھم الطویل والقصیر...	سے یاد کرنا جس سے اوس کے عیب کا اظہار
ومالا یراد بہ شین الرجل	مقصود نہ ہو جائز ہے،

اور اس پر یہ استدلال کیا کہ رسول اللہ صلعم ایک صحابی کو ذوالیدین یعنی دو ہاتھوں والا کہا کرتے تھے،

ایک موقع پر رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا تھا کہ

خیر دور الانصار بنو النجار،	یعنی انصار کے گھرانوں میں سب سے بہتر گھرانا بنو نجار کا ہے،

امام بخاری نے کتاب الادب میں جہاں غیبت کا باب قائم کیا ہے اوس کے بعد ہی یہ حدیث نقل کی ہے جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ جب ایک شخص کو کسی پر فضیلت دیجاتی ہے تو یہ دوسرے کی غیبت میں داخل نہیں ہے، کیونکہ خود رسول اللہ صلعم نے بنو نجار کو اور انصار پر فضیلت دی ہے، پھر اس کے بعد ایک روایت یہ نقل کی ہے، کہ ایک بار رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا جس کو دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا کس قدر برا بھائی اور کس قدر برا لڑکا ہے لیکن جب وہ گھر کے اندر آیا تو اوس سے نہایت نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مفسد اور بد اخلاق لوگوں کی غیبت جائز ہے،

چغلخوری کی ممانعت کا جو باب قائم کیا ہے، اوس کے ایک باب کے بعد ایک باب قائم کیا ہے "باب من اخبر صاحبہ بما یقال فیہ" اور اس کے تحت میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلعم نے کچھ مال تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا کہ اس سے محمد کا مقصود رضائے الٰہی نہ تھی، حضرت ابن مسعودؓ نے آپ کو اس کی خبر دی تو غصہ سے آپ کا چہرہ تمتما اُٹھا، اور فرمایا خدا موسیٰ پر رحم کرے، اون کو اس سے زیادہ دکھ دیا گیا لیکن اُنھوں نے صبر کیا، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی اعتراض کیا جائے تو صداقت اور نیک نیتی کے ساتھ اوس کو اوس کی خبر دینا چغلخوری نہیں ہے،

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے، جب آپ کسی ایسی چیز کو دیکھتے تھے جو آپ کو پسند نہیں آتی تھی تو ہمکو اس ناگواری کا اثر صرف آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا،

امام بخاری نے کتاب الادب "باب من لم یواجہ الناس بالعتاب" میں اس حدیث کو نقل کیا ہے، اور اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی ناگوار حرکت سرزد ہو جائے

تو حسنِ اخلاق کا اقتضا یہ ہے کہ اوس کے سامنے ناراضی کا اظہار نہ کیا جائے،

غصہ کے ضبط کرنے کی فضیلت قرآن وحدیث دونوں میں آئی ہے، لیکن متعدد حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے بعض موقعوں پر سخت غصہ کا اظہار فرمایا ہے مثلاً ایک بار آپ گھر میں تشریف لائے تو ایک پردہ نظر آیا جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا، اور اوس کو پھاڑ کر پھینک دیا، اور فرمایا کہ جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں، قیامت میں ان پر سخت عذاب ہوگا،

ایک بار ایک صحابی نے آپ سے شکایت کی کہ میں صبح کی نماز میں اس لئے دیر کرتا ہوں کہ امام طویل سورتیں پڑھاتا ہے، اس پر آپ نے ایک خطبہ دیا، جس میں سخت غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا کہ لوگو! تم میں بعض بدکانے والے لوگ موجود ہیں، تم میں جو شخص امامت کرے وہ تخفیف کرے کیونکہ مقتدیوں میں مریض، بوڑھے، اور اہلِ ضرورت سبھی ہوتے ہیں،

امام بخاری نے کتاب الادب میں اس قسم کی متعدد حدیثیں نقل کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ مذہبی معاملات میں غصہ کا اظہار جائز ہے،

متعدد حدیثوں میں حیا کی فضیلت آئی ہے، لیکن ایک بار حضرت ام سلیمؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ خدا حق بات سے نہیں شرماتا، کیا احتلام سے عورت پر بھی غسل واجب ہوتا ہے، ارشاد ہوا ہاں، اگر اوس کو منی نظر آئے،

امام بخاری نے کتاب الادب میں اس واقعہ کو نقل کرکے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حق بات کے اظہار میں حیا سے کام نہیں لینا چاہئے،

ایک بار آپ کی خدمت میں دیبا کی چند قبائیں آئیں جن کو آپ نے چند صحابہ میں تقسیم کردیا، لیکن ایک چادر حضرت مخرمہؓ کے لئے جن میں بعض اخلاقی کمزوریاں پائی جاتی تھیں علٰحدہ کرلی،

جب وہ آئے تو فرمایا کہ میں نے یہ تمہارے لئے چھپا رکھی تھی،

امام بخاری نے کتاب الادب "باب المداراۃ مع الناس" کے تحت میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی خوش خلقی کا برتاؤ کرنا چاہیئے،

غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے حضرت کعبؓ بن مالکؓ سے قطع کلام کر لیا تھا، اور صحابہؓ کو بھی اس کی ممانعت فرما دی تھی لیکن وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور سلام کر کے منتظر رہتے تھے کہ اس کے جواب میں لبِ مبارک کو جنبش ہوئی یا نہیں؟[1] جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک گنہگار کو جب تک وہ توبہ نہ کر لے سلام نہ کرنا چاہیئے، اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ شراب خواروں کو سلام نہ کرو۔

ایک بار حضرت حاطب بن بلتعہؓ نے ایک عورت کے ذریعہ سے مشرکین مکہ کے نام ایک خط روانہ کیا جو مسلمانوں کے لئے مضر نتائج پیدا کرنے والا تھا، رسول اللہ صلعم نے چند صحابہ کو اسکی تلاش میں روانہ کیا، اور انھوں نے بہ جبر اس سے خط لے لیا، جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر غیر کا خط مسلمانوں کے لئے مضرت انگیز ہو تو اصل حقیقت کے انکشاف کے لئے اوسکو پڑھا جا سکتا ہے[2]،

رسول اللہ صلعم نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا تو دعوت ولیمہ میں صحابہؓ کو مدعو کیا دعوت کے بعد صحابہؓ باتوں میں مصروف ہوئے تو آپ نے اٹھنے کا ارادہ کیا، لیکن صحابہؓ بیٹھے رہے، اب آپ اُٹھ گئے، تو آپ کے ساتھ اور صحابہؓ بھی اُٹھ گئے جس سے یہ معاشرتی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک شخص اپنی مجلس یا اپنے گھر سے اپنے ہم جلیسوں کی اجازت کے بغیر بھی اُٹھ کر چلا جا سکتا ہے، یا

---

[1] بخاری کتاب لاستیذان باب من لم یسلم علی من اقترف ذنبا، [2] کتاب لاستیذان باب من نظر فی کتاب من یحذر علی المسلمین لیتبین امرہ،

لوگوں کے اُٹھانے کے لئے اُٹھنے کا قصد کر سکتا ہے[1]،

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات حدیثوں میں مذکور ہیں، جن سے محدثین نے اخلاقی نکات استنباط کئے ہیں،

ان اسباب سے مدینہ میں رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات کا جو ذخیرہ فراہم ہوا وہ تین حصوں میں منقسم ہے،

(۱) **اصول اخلاق** یعنی وہ محاسنِ اخلاق جن کی تعلیم آسمانی کتابوں میں دی گئی ہے، یا وہ فطرۃً تمام متمدن قوموں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں،

(۲) **آداب** - یعنی وہ اخلاقی و معاشرتی باتیں جن سے ایک انسان مہذب، شایستہ اور باوقار ہو جاتا ہے،

(۳) **مکارم و فضائل** یعنی وہ اخلاقی باتیں جو خالص مذہبی آدمیوں پیغمبروں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کو عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہیں، مثلاً زہد و قناعت، ترکِ دنیا، خلوت نشینی اور عزلت گزینی وغیرہ،

اور ہم رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات کو انہی تینوں عنوانات میں بیان کرتے ہیں،

---

[1] بخاری کتاب الاستیذان باب من قام من مجلسہ او بیتہ ولم یستاذن اصحابہ او تھیا للقیام لیقوم الناس،

اصول اخلاق

احترام نفس انسانی | قرآنِ مجید نے جس زور و قوت کے ساتھ انسانی قتل کو حرام قرار دیا تھا اسی زور و قوت کے ساتھ رسول اللہ صلعم نے بھی اوس کو حرام قرار دیا، اور فرمایا کہ

سات مہلک گناہوں سے بچو، صحابہ نے کہا کہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا، اون میں ایک اُس جان کا مار ڈالنا ہے، جس کا مار ڈالنا خدا نے بغیر حق کے حرام کیا ہو[1]،

کوئی شخص مومن رہ کر قتل نہیں کرسکتا[2] یعنی حالتِ قتل میں اسکے دل سے ایمان نکل جاتا ہو،

بخاری میں اس قسم کی اور بھی متعدد حدیثیں ہیں جن میں عام قتل انسانی کو نہایت پرزور الفاظ میں حرام کیا گیا ہے، لیکن ان میں خاص طور پر دو گروہوں کے قتل کی ممانعت کی گئی ہے: ایک تو ذمیوں کا گروہ جو اختلافِ مذہب اور رعایا ہونے کی وجہ سے اس قدر معزز نہیں سمجھا جاتا تھا جس قدر مسلمان سمجھے جاتے تھے لیکن قتل کے معاملہ میں آپ نے اون کو مسلمانوں کے مساوی قرار دیا اور فرمایا

جس شخص نے ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہ پائیگا، حالانکہ اوس کی خوشبو چالیس برس کی مسافت کے فاصلہ سے آتی ہے[3]،

---

[1] بخاری کتاب المحاربین باب رمی المحصنات [2] بخاری کتاب المحاربین باب اثم الزناۃ، [3] بخاری کتاب الدیات باب اثم من قتل ذمیا بغیر جرم،

دوسرا گروہ غلاموں کا تھا، جس کی نسبت فرمایا،

جس نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اوس کو قتل کرین گے، جس نے اوس کی ناک کاٹی ہم اوس کی ناک کاٹیں گے، اور جس نے اس کو بدھی کیا، ہم اُس کو بدھی کرین گے،[1]

قتلِ اولاد کی ممانعت قرآن مجید ہی نے نہایت پرزور طریقہ پر کی تھی اور رسول اللہ صلعم نے بھی اوس کو کبائر میں داخل کیا، چنانچہ ایک صحابی نے دریافت کیا کہ کون سا گناہ بڑا ہی؟ تو فرمایا،

یہ کہ خدا کا شریک بناؤ حالانکہ اوس نے تم کو پیدا کیا،

اوس نے کہا اس کے بعد، تو فرمایا،

یہ کہ اپنے لڑکے کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائیگا،[2]

قرآن مجید میں خودکشی کی ممانعت واضح اور صریح الفاظ میں نہیں کی گئی تھی، لیکن رسول اللہ صلعم نے نہایت واضح اور پرزور الفاظ میں اس کی ممانعت کی اور فرمایا،

جو شخص ہتھیار سے خودکشی کریگا تو اسکا ہتھیار اوس کے ہاتھ میں ہوگا جس سے وہ اپنے پیٹ کو جہنم میں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا چاک کرتا رہے گا، اور جو شخص زہر پی کر خودکشی کرے گا تو اس کا زہر اوس کے ہاتھ میں ہوگا، اور وہ جہنم میں جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اوس کو پیتا رہے گا، اور جو شخص اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کریگا وہ جہنم میں جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اسی طرح گرتا رہے گا،[3]

اہلِ عرب کے نزدیک جنین یعنی پیٹ کے بچہ کی جان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، لیکن دو

---

[1] نسائی باب القود من السید للمولی [2] بخاری کتاب الدیات و قول اللہ و من یقتل مومنا متعمدا فجزاءہ جہنم، [3] ترمذی ابواب الطب باب من قتل نفسہ بسم او غیرہ

سوتوں میں لڑائی ہوئی اور ایک نے دوسری کو خیمہ کے پتھر سے مارا وہ مرگئی، اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا وہ بھی گر پڑا، تو آپ نے بچہ کی بھی دیت دلوائی، اس پر لوگوں نے کہا کہ ہم اوس بچہ کی دیت کیونکر دیں جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ پیدا ہوتے وقت رویا، اس کا خون تو رائگاں جانا چاہئے

اس مفہوم کو چونکہ مقفی عبارت میں ادا کیا تھا جو کاہنوں کا طرز کلام تھا، اسلئے رسول اللہ صلعم نے فرمایا یہ کاہنوں کا بھائی ہے[1]،

لیکن اسقاطِ حمل اور عدم استقرار حمل کے مختلف طریقے بھی نسل انسانی کے فنا کرنے کا ایک ذریعہ ہیں، اور ان کے متعلق قرآن مجید میں کوئی حکم نہیں ہے، اگرچہ راغب اصفہانی نے "لا تقتلوا اولادکم من خشیۃ املاق" کی تفسیر میں بعض لوگوں کا یہ قول نقل کیا ہے،

وقال بعضھم بل نھی عن	بعض لوگوں کا قول ہو کہ اس آیت میں عزل
تضییع البذر بالعزلۃ ووضعہ	کے ذریعہ سے مادۂ تولید کے ضائع کرنے اور
فی غیر موضعہ[2]،	اوسکو غیر محل میں استعمال کرنے کی ممانعت کی گئی ہے

لیکن عام مفسرین اس کو دختر کشی سے متعلق سمجھتے ہیں، بہر حال قرآن مجید میں ان طریقوں کے متعلق کوئی صریح ممانعت نہیں ہے، لیکن رسول اللہ صلعم نے مختلف موقعوں پر عزل کی ممانعت فرمائی، جس کے معنی یہ ہیں کہ عورت کے ساتھ مقاربت تو کی جائے، لیکن اس طریقہ سے کہ مادۂ تولید رحم میں داخل نہ ہونے پائے تاکہ اولاد نہ ہو سکے اور عرب میں مختلف اسباب کی بنا پر اس کا رواج ہوگیا تھا،

(۱) لوگ لونڈیوں کے ساتھ مباشرت تو کرتے تھے، لیکن اُن کا حاملہ ہونا پسند نہیں کرتے تھے، کیونکہ جو لونڈیاں جنگ میں گرفتار ہوکر آتی تھیں اون کی نسبت یہ توقع قائم ہو جاتی تھی

---

[1] نسائی باب دیۃ جنین المرأۃ، [2] مفردات القرآن صفحہ ۲۲۰،

کہ وہ فدیہ دے کر چھڑالی جائیں گی، اور اس طرح مالی فائدہ ہوگا، لیکن استقرار حمل کی صورت میں یہ مالی فائدہ حاصل نہ ہوسکے گا، چنانچہ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے غزوۂ بنوالمصطلق میں عرب کی شریف زادیوں کو گرفتار کیا تو چونکہ عورتوں سے جدا ہوئے زمانہ گذر گیا تھا، اور ہم کو فدیہ کی بھی خواہش تھی اس لئے ہم نے ارادہ کیا کہ ان عورتوں سے لطف اندوز ہوں اور عزل کریں،

(۲) چونکہ لونڈیاں گھر کا کام کاج کرتی تھیں اس لئے حاملہ ہونے کی حالت میں گھر بار کے کاموں میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا، چنانچہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ہماری ایک لونڈی ہے جو گھربار کا کام کاج کرتی ہے، اور میں اوس سے مباشرت کرتا ہوں، لیکن اوس کا حاملہ ہونا پسند نہیں کرتا،

(۳) جو عورتیں دودھ پلاتی تھیں اگر وہ حاملہ ہوجاتیں تو شیرخوار بچوں کو نقصان پہنچتا، اس لئے لوگ ان عورتوں سے بھی عزل کرتے تھے، چنانچہ رسول اللہ صلعم کے سامنے اسکا تذکرہ ہوا اور آپ نے اس کی وجہ دریافت کی تو صحابہؓ نے اس کی ایک وجہ یہی بیان کی،

حافظ ابن حجر نے لونڈیوں سے عزل کرنے کی دو وجہیں اور بتائی ہیں، ایک تو یہ کہ لونڈیوں سے جو اولاد ہوگی وہ غلام ہوگی اور اہل عرب اپنی اولاد کا غلام بنانا موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، دوسرے یہ کہ اولاد کے ہونے کے بعد لونڈی ام ولد ہوجائیگی اور اسکی بیع نہ ہوسکیگی،

کثرت اولاد سے بچنا بھی اسکا ایک سبب ہوسکتا تھا، کیونکہ ایک مفلس آدمی اون کے مصارف کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا، بہرحال ان اسباب سے عرب میں عزل کا رواج تھا اور غالباً مدینہ میں آکر اس طریقہ کو اور بھی زیادہ ترقی ہوگئی تھی، لیکن قرآن مجید میں اس کی ممانعت کے متعلق کوئی صریح آیت نازل نہیں ہوئی، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ

ہم لوگ عزل کرتے تھے اور قرآن مجید نازل ہورہا تھا، یعنی اگر یہ کوئی قابل ممانعت چیز ہوتی تو قرآن ضرور اوس کی ممانعت کرتا، اون کا یہ بھی بیان ہے کہ ہم عہد نبوت میں عزل کرتے تھے، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ہم کو منع نہیں کیا، لیکن اور بہت سی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے سامنے جب جب عزل کا تذکرہ ہوا یا آپ سے اس کے متعلق استفسا کیا گیا تو آپ نے اس پر ناپسندیدگی ظاہر فرمائی، اور اس کو ایک فعل عبث قرار دیا، یعنی یہ کہ اس سے اولاد کی پیدائش میں کوئی رکاوٹ نہ ہو سکے گی، کیونکہ جو چیز پیدا ہونے والی ہے، وہ پیدا ہو ہی کر رہیگی، یہ نوشتۂ تقدیر ہے، اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اس بارے میں جتنی حدیثیں آئی ہیں اون سے ثابت ہوتا ہے کہ عزل کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے کہ اس سے تقدیر کی مخالفت لازم آتی ہے، ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے، کہ عزل درپردہ اولاد کو زندہ درگور کر دینا ہے، اور اسی حدیث سے ابن حزم نے عزل کی حرمت پر استدلال کیا ہے، عزل کے علاوہ اسقاطِ حمل اور عدم استقرارِ حمل کے اور دوسرے مصنوعی طریقوں کے متعلق اگرچہ قرآن مجید کی طرح احادیث میں بھی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے، تاہم ان کو بھی عزل ہی پر قیاس کر سکتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ عزل ہی کے حکم سے اوس صورت کا حکم بھی مستنبط ہوتا ہے جس میں عورت روح کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نطفہ کو گرا دیتی ہے تو جو لوگ عزل کو ناجائز سمجھتے ہیں، وہ اس صورت کو بطریق اولی ناجائز قرار دیں گے، اور جو لوگ عزل کے جواز کے قائل ہیں اُن کے لئے یہ ممکن ہے کہ عزل ہی کی صورت میں اس کو بھی داخل کریں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں اور عزل میں فرق پیدا کریں، کیونکہ یہ صورت زیادہ سخت ہے، اس لئے کہ عزل میں بچہ کے پیدا ہونے کا سبب نہیں پیدا ہوا ہے، اور اسقاط اس سبب کے پیدا ہونے

کے بعد کیا جاتا ہے، اور اسی میں وہ صورت بھی داخل ہے، جس میں عورت ایسے ذرائع استعمال کرتی ہے، جس سے استقرارِ حمل کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی،[۱]

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں احترام نفس انسانی کی جو مبہم صورتیں تھیں، احادیث میں اُن کی تشریح کی گئی ہے، اور اوس کو زیادہ جامع و مکمل کردیا گیا ہے،

---

[۱] ان تمام مباحث کے لئے فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۶۷ تا صفحہ ۲۷۱ بخاری کتاب النکاح باب العزل اور مسلم کتاب الطلاق باب العزل کا مطالعہ کرنا چاہئے،

عفت و عصمت

عفت و عصمت کے مفہوم کو قرآن مجید ہی نے بہت زیادہ مکمل کر دیا تھا لیکن رسول اللہ صلعم نے اپنی اخلاقی تعلیمات سے اوس کو اور بھی زیادہ واضح کیا، قرآن مجید نے عفت و عصمت کو مسلمانوں کا خاص وصف قرار دیا تھا، اور آپ نے فرمایا کہ

"زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مسلمان نہیں رہتا"[1]

زنا کی مختلف صورتوں کے مختلف نتائج بتائے، علانیہ زناکاری کو قیامت کی نشانی قرار دیا اور فرمایا،

"قیامت کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ جہالت ظاہر ہو، علم کم ہو جائے اور علانیہ زنا کیا جائے"[2]

پڑوسی کی عورت کے ساتھ زنا کرنے کو خاص طور پر گناہ کبیرہ قرار دیا[3] بعض مخصوص حالات میں جس میں ترغیبِ زنا کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا ہے، ضبطِ نفس کو انعامِ الٰہی کا خاص ذریعہ قرار دیا اور فرمایا،

قیامت کے دن جس میں خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا سات آدمیوں کو خدا اپنے سایہ میں لے گا جن میں ایک وہ شخص ہوگا جس سے ایک بلند رتبہ

[1] بخاری کتاب الاشربہ [2] بخاری کتاب الدیات وقول اللہ ومن یقتل مومنا، الخ

اور حسین عورت نے بدکاری کی خواہش کی اور اُس نے یہ کہکر اس کی خواہش رد کر دی کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں[1]،

اسی قسم کے حالات میں اس کو ایک ایسا بہترین عمل قرار دیا جو سخت سے سخت مصائب میں استجابتِ دعا کے لئے ایک وسیلہ ہو سکتا ہے، چنانچہ گذشتہ قوموں کے تین شخصوں کا ایک واقعہ بیان فرمایا جو ساتھ جا رہے تھے، دفعۃً راہ میں پانی آگیا، اور تینوں پانی سے بچنے کے لئے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ گزیں ہوئے، بدقسمتی سے اوپر سے ایک پتھر گرا جس نے غار کے منہ کو بند کر لیا اور وہ تینوں نکلنے سے مجبور ہو گئے، اس بے کسی کی حالت میں سب نے اپنے اپنے بہترین اعمال کو وسیلہ بنا کر دعا کی، اور اس طرح وہ پتھر خود بخود ہٹ گیا، ان میں دوسرے شخص نے اپنے بہترین عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے،

"خداوندا میری ایک چچا زاد بہن تھی جس سے مجھے سخت محبت تھی، میں نے اس سے بدکاری کی خواہش کی تو اُس نے کہا کہ جب تک سو دینار نہ دو گے میں تمہاری خواہش پوری نہیں کر سکتی، میں نے سو دینار کما کر جمع کئے اور اون کو لے کر اوس کے پاس گیا، اور جب میں نے اس سے بدکاری کا ارادہ کیا تو اُس نے کہا اے خدا کے بندے خدا سے ڈر اور مہر کو نہ کھول، اب میں اس ارادہ سے باز آیا، تو خداوندا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے ایسا خالص تیری مرضی کے لئے کیا ہے تو اس پتھر کو ہٹا دے، چنانچہ خدا نے اوس پتھر کو تھوڑا سا ہٹا لیا[2]،

اس کے بخلاف زنا و بدکاری کے اخروی عذاب کو نہایت دردانگیز، پر اثر اور گھناؤنے طریقہ پر بیان فرمایا، چنانچہ آپ نے اپنا ایک خواب بیان کیا جس میں آپ نے

---

[1] بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش [2] ایضاً کتاب الادب باب اجابۃ دعاء من بر والدیہ،

مختلف گنہگاروں کے عذاب کی مختلف دردانگیز وعبرتناک صورتیں دیکھیں، ان میں بدکاروں کے عذاب کی صورت یہ تھی کہ تنور کے مثل ایک سوراخ تھا، جس کے اوپر کا حصہ تنگ اور نیچے کا حصہ کشادہ تھا، جس میں آگ روشن تھی اور اس میں بہت سے برہنہ مرد و عورت موجود تھے، جب آگ کا شعلہ بلند ہوتا تھا تو یہ لوگ بھی ساتھ ساتھ اوپر آجاتے تھے، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ باہر نکل آئیں گے، لیکن جب آگ بجھ جاتی تھی تو پھر اندر گر پڑتے تھے[۱]،

زنا کے ساتھ دواعی زنا کو بھی ایک قسم کا زنا قرار دیا، اور فرمایا،

آنکھ کا زنا دیکھنا اور زبان کا زنا بولنا ہے نفس خواہش کرتا ہے اور شرمگاہ اوس کی تصدیق اور تکذیب کرتی ہے[۲]،

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ہاتھ پاؤں، منہ اور کان کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے، یعنی ہاتھ کا زنا پکڑنا، پاؤں کا زنا چلنا، منہ کا زنا چومنا اور کان کا زنا سننا ہے'

(ابوداؤد کتاب النکاح باب مایومر بہ من غض البصر)

یہی وجہ ہے کہ عام گذرگاہوں میں جہاں نظربازی کا زیادہ موقع ملتا ہے بیٹھنے کی ممانعت فرمائی، لیکن جب صحابہؓ نے کہا کہ اس سے احتراز ناممکن ہے، تو فرمایا کہ اچھا راستہ کا حق ادا کرتے رہو، جن میں ایک حق نگاہوں کا جھکائے رکھنا ہے[۳]،

اس کے علاوہ جو چیزیں محرک شہوت یا شرم وحیا کے خلاف ہوسکتی تھیں سب کی ممانعت فرمائی، چنانچہ ارشاد ہوا،

"ہر آنکھ زنا کرنے والی ہے، اور عورت جب خوشبو لگا کر مجلس سے

---

[۱] بخاری کتاب الجنائز، [۲] بخاری کتاب الاستیذان باب زنی الجوارح دون الفرج،
[۳] بخاری کتاب الاستیذان باب یاایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتا،

گذرتی ہے تو وہ زانیہ ہے[1]"،

"عورت، عورت کے ساتھ اختلاط نہ کرے، یہاں تک کہ وہ اپنے شوہر سے

اوس کے جسمانی اوصاف اس طرح بیان کرے گویا وہ اسکو دیکھ رہا ہے"،

مرد، مرد کی شرمگاہ کو اور عورت عورت کی شرمگاہ کو نہ دیکھے، اور مرد ایک کپڑے میں

مرد کے ساتھ اور عورت ایک کپڑے میں عورت کے ساتھ نہ سوئے[2]"

جو عورت اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی اور کے گھر میں کپڑا اتارتی ہو وہ اُس پردے کو

کو چاک کر ڈالتی ہے، جو اُس کے اور اُس کے خدا کے درمیان حائل ہو"،

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے عورتوں کو حمام میں جاکر نہانے کی ممانعت فرمائی اور

اسی بنا پر حضرت عائشہؓ نے حمص یا شام کی چند عورتوں پر ملامت کی[3]،

عورتوں کو حکم دیا کہ راستے کے کنارے سے چلیں تاکہ وسطِ راہ میں مردوں کے

اختلاط اور کشمکش سے محفوظ رہیں[4]،

عورتوں کو اندھوں سے بھی پردے کا حکم دیا، چنانچہ آیتِ حجاب کے نازل ہونے کے بعد

ایک روز حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلعم کے پاس تھیں کہ اسی حالت میں

حضرت ابن مکتومؓ جو نابینا تھے تشریف لائے، آپ نے دونوں کو حکم دیا کہ اُن سے پردہ کریں، اسپر

حضرت ام سلمہؓ نے کہا کیا وہ اندھے نہیں ہیں جو نہ ہمکو دیکھتے نہ پہچانتے، فرمایا کیا تم دونوں بھی اندھی

ہو، کیا تم دونوں اُن کو نہیں دیکھتیں[5]،

---

[1] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی کراھیۃ خروج المراۃ متعطرۃ [2] ایضاً باب ماجاء فی کراھیۃ مباشرۃ الرجل الرجل والمراۃ المراۃ، [3] ایضاً باب ماجاء فی دخول الحمّام [4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق، [5] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی احتجاب النساء من الرجال،

زنا کے بعد شرابنوشی کا درجہ ہے جو عقل وتنزہ کے بالکل منافی ہے، اس لئے اسلام نے شرابنوشی کو خلافِ فطرت قرار دیا، چنانچہ شبِ معراج میں آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کیے گئے تو آپ نے دودھ کے پیالے کو لے لیا، اس پر حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ اُس خدا کا شکر ہے جس نے آپ کو فطرت کا راستہ دکھایا، اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی، شرابنوشی کو اُن کبائر میں داخل کیا جن کے کرنے سے ایک مسلمان کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے، چنانچہ فرمایا کہ جس وقت کوئی شخص شراب پیتا ہے، اُس وقت وہ مسلمان نہیں رہتا، اس کی سخت اخروی سزائیں بتائیں، اور فرمایا کہ جس شخص نے دنیا میں شراب پی اور اُس سے تائب نہ ہوا وہ آخرت میں اُس سے محروم رہے گا، نیز فرمایا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اور جو شخص نشہ آور چیز کو پیتا ہے، خدا اُس کو طینۃ الخبال پلائیگا صحابہؓ نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا دوزخیوں کا پسینہ یا دوزخیوں کا نچوڑ،

شراب کے سرکہ بنانے، اس کو دوا میں استعمال کرنے، اوس کی تجارت کرنے اور شراب کے برتن کے استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی،[1]

دنیوی حیثیت سے شراب نوشی کی سزا مقرر کی، اور ایک شخص کو کھجور کی شاخ سے ۴۰ ضرب کی سزا دی اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسی پر عمل کیا،[2]

---

[1] یہ تمام روایتیں بخاری اور مسلم کتاب الاشربہ میں موجود ہیں،

[2] مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر،

ہمدردی ومواسات

رسول اللہ صلعم نے ہمدردی ومواسات کی جو تعلیم دی ہے وہ اس قدر عام ہے کہ ہر ذی روح کو شامل ہے، چنانچہ ان تعلیمات کا خلاصہ ہم مختلف عنوانات میں درج کرتے ہیں،

یتیموں کی کفالت، "رسول اللہ صلعم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس قدر قریب ہونگے جس قدر یہ دونوں انگلیاں[1]"

حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی یتیم پروری کی متعلق اور حدیثیں آئی ہیں،

بیوہ عورتوں کی امداد واعانت بیوہ عورتوں اور مسکینوں کی اعانت کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے، دن بھر روزہ رکھنے والے، اور رات بھر نماز پڑھنے والے کے مثل ہے[2]"

عام انسانوں کیساتھ ہمدردی ومواسات فرمایا کہ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا بھی اُس پر رحم نہیں کرے گا،

فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر خدا رحم کرتا ہے، زمین کے رہنے والوں پر رحم کرو تو تم پر وہ رحم کریگا جو آسمان پر ہے یعنی خدا،[3]

---

[1] بخاری کتاب الادب باب فضل من یعول یتیما، [2] ایضاً باب الساعی علی الارملہ
[3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی رحمۃ الناس،

فرمایا کہ جو شخص رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جائیگا،[۱]

ان حدیثوں کے الفاظ عام ہیں اور اس میں مسلمان، کافر بلکہ انسان اور غیر انسان کی بھی کوئی تخصیص نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اخیر حدیث کی شرح میں ابن بطال کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں تمام مخلوق پر رحم کرنے کی ترغیب دی گئی ہی، اس لئے اس میں مسلمان، کافر، مملوکہ اور غیر مملوکہ جانور سب داخل ہیں اور رحم میں کھانا کھلانا، پانی پلانا، ہلکا بوجھ لادنا اور مار پیٹ کا ترک کرنا داخل ہے،[۲]

مخلوق کی عام نفع رسانی کے کام بھی اسی سلسلہ میں داخل ہیں، اور اس قسم کے کاموں کی نسبت فرمایا،

بھولے بھٹکوں کو راہ دکھانا، اندھے کو راستہ بتانا، راستہ سے پتھر، کانٹا، ہڈی کو ہٹانا اور اپنی ڈول سے اپنے بھائی کی ڈول میں پانی ڈالن تم لوگوں کے لئے کار ثواب ہے[۳]

ایک شخص راہ میں جارہا تھا کہ اوس نے ایک خاردار شاخ پائی اور اُس کو ہٹادیا، خدا نے اوس کی اس نیکی کو قبول فرمایا اور اُس کی مغفرت کی[۴]

مظلوم کی اعانت کرنا بھی اسی میں داخل ہے، چنانچہ ایک بار چند انصار راستہ میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اون سے فرمایا،

اگر تم ایسا کرتے ہی ہو تو سلام کا جواب دو، مظلوم کی مدد کرو اور راستہ دکھاؤ،[۵]

قرضداروں پر احسان کرنا بھی اسی عام ہمدردی و مواسات کی ایک قسم ہے، اور

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم [۲] فتح الباری جلد ۱۰ ص۳۶۷، [۳] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی صنائع المعروف، [۴] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی اماطۃ الاذی عن الطریق، [۵] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء علی الجالس فی الطریق،

اس میں بھی کافر و مسلم کی تخصیص نہیں، اس کے متعلق فرمایا،

گذشتہ امتوں میں سے فرشتوں نے ایک شخص کی روح قبض کی اور اس سے پوچھا کہ تم نے کوئی نیکی کا کام کیا ہے؟ اوس نے کہا کہ میں اپنے غلاموں کو حکم دیتا تھا کہ دولت مند آدمی کو اداے قرض میں مہلت دو یا اوس سے درگذر کرو، اس کے بدلے میں فرشتوں نے بھی اُس سے درگذر کیا،[1]

ایک تاجر لوگوں کو قرض دیتا تھا، لیکن جب کسی کو تنگدست پاتا تھا تو اپنے غلاموں سے کہتا تھا کہ اُس سے درگذر کرو شاید خدا بھی ہم سے درگذر کرے، تو خدا نے اوس سے درگذر کیا،[2]

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ درگذر کرنے میں مہلت دینا، قرض کا معاف کرنا، اور خوش اسلوبی کے ساتھ تقاضا کرنا سب شامل ہے،

مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی و مواسات اگرچہ ہمدردی کے ان تمام اقسام میں مسلمان شریک تھے تاہم مسلمانوں کو باہمی ہمدردی کی خاص طور پر ہدایت کی اور فرمایا،

مسلمان مسلمان کے لئے مثل بنیاد کے ہے کہ ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہے،

تم میں کا ہر شخص اپنے بھائی کا آئینہ ہے، اگر اوس کو کسی تکلیف میں مبتلا پائے تو اُس کو دور کر دے،[3]

رحم، محبت اور اعانت میں مسلمانوں کی مثال جسم کی ہے کہ جب اوس کا کوئی عضو ماؤف ہوتا ہے تو تمام بدن بیداری اور بخار کے ساتھ اوس کا شریک ہو جاتا ہے،[4]

---

[1] بخاری کتاب البیوع باب من انظر موسرا، [2] ایضاً باب من انظر معسرا، [3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم، [4] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم،

جو شخص کسی مسلمان کی دنیوی مصیبت کو دور کریگا، خدا اوس کی قیامت کی مصیبت کو دور کر دیگا، اور جو شخص دنیا میں کسی تنگدست کے معاملہ میں آسانی پیدا کریگا خدا اوس کے لئے دنیا و آخرت میں آسانی پیدا کریگا، اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب کی پردہ پوشی کریگا خدا دنیا و آخرت میں اُس کے عیب کی پردہ پوشی کریگا، بندہ جب تک اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہی، خدا اوس کی مدد میں لگا رہتا ہے[1]،

جو شخص اپنے بھائی کی آبرو بچائیگا، خدا اوس کو قیامت کے دن دوزخ سے بچائیگا[2]۔

جانوروں کے ساتھ ہمدردی و مواسات احادیث میں اسکے متعلق بکثرت اخلاقی ہدایات موجود ہیں مثلاً،

ایک آدمی جا رہا تھا کہ راستہ میں اوس کو سخت پیاس لگی، اتفاقاً اوس کو ایک کنواں ملا تو اُس میں اُتر کر پانی پیا، کنویں سے نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا زبان نکالے ہوئے ہے اور پیاس سے کیچڑ چاٹ رہا ہی، اوس نے کہا کہ اس کتے کو اوتنی ہی پیاس لگی ہی، جس قدر مجھکو لگی تھی، اس خیال سے وہ کنویں میں اُترا اور اپنے موزے میں پانی بھرا اور اس کو اپنے منہ میں لے کر نکلا اور کتے کو پانی پلایا، خدا نے اوس کے اس عمل کو قبول کر لیا، اور اسکو بخش دیا، اس پر صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلعم ہمکو جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے پر بھی ثواب ملے گا؟ فرمایا ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے[3]،

ایک عورت پر اس لئے عذاب ہوا کہ اوس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا اور اوس کو بھوکا رکھتا تھا، یہاں تک کہ وہ مر گئی، اس لئے وہ اس جرم میں داخل جہنم کی گئی[4]،

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الستر علی المسلمین [2] ایضاً باب ماجاء فی الذب عن المسلم، [3] بخاری کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم، [4] بخاری کتاب الانبیاء ص ۴۹۵،

ایک بار آپ نے ایک اونٹ کو دیکھا جس کی پیٹھ لاغری سے پیٹ سے مل گئی تھی تو فرمایا کہ ان بے زبان جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، اون پر سواری کرو تو اُنکو بہتر حالت میں رکھکر اور اون کو کھاؤ تو بہتر حالت میں رکھ کر،

آپ ایک انصاری کے باغ میں گئے تو ایک اونٹ آپ کو دیکھکر بلبلایا، اُور اُسکی آنکھیں پرنم ہوگئیں، آپ نے اوس کے پاس آکر اوسکی گردن پر ہاتھ پھیرا، تو وہ خاموش ہوگیا، پھر فرمایا اس کا مالک کون ہے.؟ ایک نوجوان انصاری نے آکر کہا کہ میں، فرمایا جانور کے معاملہ میں جس کا خدا نے تمکو مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتے؟ اوس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اوس کو بھوکا رکھتے ہو، اور اس پر جبر کرتے ہو[1].

ان عام ہدایات کے ساتھ جانوروں کے ساتھ بے رحمی کرنے کے اور جس قدر طریقے تھے، سب کا انسداد کیا، چنانچہ

(۱) ایک طریقہ یہ تھا کہ جانوروں کو کسی چیز میں باندھ کر اون پر نشانہ لگاتے تھے، آپ نے اس کی ممانعت فرمائی، اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو ناجائز قرار دیا اور فرمایا،

"جس چیز میں روح ہو اوس کو نشانہ نہ بنایا جائے[2]،

(۲) اس سے بھی زیادہ بے رحمانہ طریقہ یہ تھا کہ زندہ اونٹ کے کوہان اور زندہ دنبہ کے دم کی چکتی کاٹ کر کھاتے تھے، آپ نے مدینہ میں آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا،

"زندہ جانور کا جو گوشت کاٹا جاتا ہے وہ مردار ہے[3]"

(۳) بلا ضرورت کسی جانور کے مار ڈالنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا[4]، اور فرمایا کہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم [2] ترمذی ابواب الصید باب ما جاء فی کراہیۃ اکل المصبورہ [3] ایضاً باب ما قطع من الحی فہو میت [4] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۸۲،

"کسی نے اگر کنجشک یا اُس سے بھی کسی چھوٹے جانور کو اُس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو خدا اوس کے متعلق اوس سے باز پرس کریگا، صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم اوس کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اوس کو ذبح کرے اور کھائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینکدے[1]

اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھانا جائز نہیں اور وہ درندہ بھی نہیں اون کو بلا ضرورت مارنا جائز نہیں، جو جانور بے ضرر ہیں یا اون سے انسان کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اون کے مارنے کی بھی ممانعت فرمائی، چنانچہ آپ نے خاص طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد، اور صرد کے مارنے سے منع فرمایا[2]،

جو جانور ضرورۃً ذبح کئے جاتے ہیں اون کے ذبح کرنے میں بھی نرمی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا،

خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے، تو جب تم لوگ قتل کرو تو نرمی سے قتل کرو، اور ذبح کرو تو نرمی سے ذبح کرو، تم میں ہر شخص اپنی چھری کو تیز کرلے اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے[3]،

اگر کوئی شخص ذبیحہ پر بھی رحم کریگا تو خدا قیامت کے دن اُس پر رحم کریگا[4]،

ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ میں بکرے کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے یا یہ کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے کہ بکری کو ذبح کروں، فرمایا کہ اگر تمھیں اس پر رحم آتا ہے تو خدا تم پر رحم کرے گا[5]"

---

[1] مشکوۃ کتاب الصید والذبائح ص۳۵۵، [2] ایضاً ص۳۶۲، [3] مسلم کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ، [4] ادب المفرد باب رحمۃ البھائم، [5] ادب المفرد باب ارحم من فی الارض،

حسنِ معاشرت

حسنِ معاشرت کی بنیاد باہمی تعلقات پر قائم ہے، اور ان تعلقات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے، ایک تعلق تو ہر مسلمان کو اپنے ہم مذہب لوگوں یعنی مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ تعلق باہمی دوستی، باہمی خیر خواہی، عدل و انصاف اور حقوقِ واجبہ کے ادا کرنے سے قائم رہ سکتا ہے، دوسرا تعلق نسبی اشتراک سے پیدا ہوتا ہے، اور اس تعلق کے قائم رکھنے کے لئے ان کے علاوہ اور چیزوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے، اور اعزہ و اقارب کے تعلقاتِ نسبی میں قرب و بعد کے لحاظ سے جس قدر تفاوت ہوتا ہے اسی قدر اس میں بھی تفاوت پیدا ہو جاتا ہے، لیکن حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ اعزہ و اقارب میں جو فرق مراتب ہے وہ صرف اوس صورت میں ہے جب سب کیساتھ یکساں سلوک کرنا ناممکن ہو، [۱]

بہر حال انہی تعلقات کو شریعت کی اصطلاح میں صلہ رحمی کہتے ہیں اور رسول اللہ صلعم نے اُس کی اخلاقی حیثیت کو نہایت پر زور الفاظ میں بیان کیا ہے، چنانچہ

صلہ رحمی

ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا کام بتائیے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، فرمایا کہ خدا کو پوجا اور اوس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو، نماز پڑھو،

---

[۱] فتح الباری جلد ۱۰ صفحہ ۳۴۷،

زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو[۱]،

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اُس کی روزی اور عمر میں برکت ہو اسکو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے[۲]

جو شخص بدلہ دیتا ہو، یعنی جب اوس کے ساتھ صلہ رحمی کیجاتی ہے تو وہ بھی صلہ رحمی کرتا ہے، وہ پورا صلہ رحمی کرنے والا نہیں، صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اُسکے تعلقاتِ رحمی منقطع کئے جاتے ہیں، تو وہ اُن تعلقات کو جوڑتا ہے[۳]،

تعلقاتِ قرابت کا منقطع کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا[۴]،

اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہیں،

خدا جب تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تو رحم نے کہا کہ میں تعلقاتِ قرابت کے منقطع کرنے سے پناہ مانگنے کے لئے تیری حمایت میں آئی ہوں، ارشاد ہوا کیا تجھکو یہ پسند نہیں کہ جو شخص تجھکو جوڑے میں بھی اوس کو جوڑوں اور جو شخص تجھ سے توڑے میں بھی اوس سے توڑوں، بولی ہاں اے پروردگار، ارشاد ہوا تجھکو یہ مل گیا،

رحم خدائے رحمان کی ایک شاخ ہے، اسی لئے خدا نے فرمایا کہ جو شخص تجھکو جوڑیگا میں بھی اوسکو جوڑوں گا اور جو تجھ سے قطع تعلق کریگا میں بھی اوس سے قطع تعلق کرونگا[۵]،

اس عام اور اُصولی تعلیم کے بعد قرب و بعد کے لحاظ سے تمام رحمی تعلقات کے مدارج مقرر فرمائے، اور ہر درجہ کے مطابق اخلاقی تعلیم دی، چنانچہ ان تمام مدارج کی تفصیل یہ ہے،

ماں کے ساتھ حسن معاشرت | قرآن مجید نے ماں کے حق کو مرجح طور پر بیان کیا ہے، اور

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب فضل صلۃ الرحم، [۲] ایضاً باب من بسط لہ فی الرزق لصلۃ الرحم [۳] ایضاً باب لیس الواصل بالمکافی [۴] ایضاً باب اثم القاطع [۵] ایضاً باب من وصل وصلہ اللہ،

رسول اللہ صلعم نے بھی اُس کو مقدم رکھا ہے، چنانچہ

ایک صحابی نے دریافت کیا کہ میری حسن معاشرت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا کہ تمھاری ماں، اوس نے کہا پھر، فرمایا تمھاری ماں، اوس نے کہا پھر، فرمایا تمھاری ماں، اوس نے کہا پھر، فرمایا تمھارا باپ[1]،

خالہ کے ساتھ حسن معاشرت | ماں ہی کے تعلق سے خالہ کو بھی یہ شرف حاصل ہو گیا ہے، اور آپ نے اوس کو بمنزلہ ماں کے قرار دیا ہے، اور اُس کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا ہے چنانچہ

ایک آدمی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میرے لئے توبہ کی کوئی صورت ہے؟ فرمایا کیا تمھاری ماں ہے؟ اوس نے کہا نہیں، فرمایا کیا تمھاری خالہ ہے، اوس نے کہا ہاں ارشاد ہوا تو اوسکے ساتھ سلوک کرو[2]،

باپ کے ساتھ حسن معاشرت | لیکن اکثر حدیثوں میں آپ نے باپ ماں دونوں کے حق معاشرت کو ایک ساتھ یکساں طور پر بیان فرمایا ہے، چنانچہ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ

کون سا کام خدا کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا اوس نے پوچھا پھر، فرمایا باپ ماں کے ساتھ سلوک کرنا، اوس نے پوچھا پھر ارشاد ہوا خدا کی راہ میں جہاد کرنا[3]،

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ میں جہاد کروں، آپ نے پوچھا تمھارے باپ ماں ہیں؟ اوس نے کہا ہاں، ارشاد ہوا کہ اون ہی میں جہاد کرو[4] یعنی

---

[1] بخاری کتاب الادب باب من احق الناس بحسن الصحبۃ، [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب فی بر الخالہ [3] بخاری کتاب الادب باب قولہ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا، [4] ایضاً باب لایجاھد الا باذن الابوین

اون کی خدمت و اطاعت کرو،

آپ نے تین بار فرمایا کہ کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ کی اطلاع دوں؟ صحابہؓ نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ صلعم، فرمایا شرک، ماں باپ کی نافرمانی اور جھوٹی تہمت[1]

خدا کی رضامندی باپ کی رضامندی میں اور خدا کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے[2]

کوئی لڑکا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا بجز اوس صورت کے کہ اوسکو غلامی کی حالت میں پائے اور اُس کو خرید کر آزاد کردے[3]،

سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے، دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلعم آدمی اپنے باپ ماں پر کیونکر لعنت بھیج سکتا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ایک شخص ایک آدمی کے باپ کو بُرا کہتا ہے تو وہ بھی اوس کے باپ ماں کو بُرا کہتا ہے[4]،

سب سے بڑا سلوک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کیساتھ بھی سلوک کرے[5]،

اور اعزہ و اقارب کے ساتھ حسن معاشرت | باپ ماں کے بعد اور اعزہ و اقارب کے ساتھ درجہ بدرجہ سلوک کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ

خداوند تعالیٰ تم لوگوں کو تمہارے ماؤں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، پھر ماؤں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، پھر تمہارے باپوں کے ساتھ تملوگوں کو سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، اس کے بعد تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اور اعزہ و اقارب جس قدر قریب ہوں اون کے ساتھ اوسی طرح درجہ بدرجہ سلوک کرو[6]،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب الفضل فی رضا الوالدین [3] ایضاً باب ماجاء فی حق الوالدین، [4] بخاری کتاب الادب باب لا یسب الرجل والدیہ، [5] ترمذی ابواب البر والصلہ باب فی اکرام صدیق الوالد [6] ادب المفرد باب بر الاقرب فالاقرب،

مشرک اعزہ واقارب کے ساتھ حسن معاشرت اس معاملہ میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کے باپ، ماں، بھائی یا دوسرے اعزہ اگر مسلمان نہ ہوں اور اون کے ساتھ دینی لڑائی نہ کریں تو ان لوگوں کے ساتھ وہ سلوک کر سکتا ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ مدینہ میں آکر زیادہ صاف ہوا، اور بعض واقعات ایسے پیش آئے، جنھوں نے اس کی وضاحت کر دی، چنانچہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں حضرت اسمار کی مشرکہ ماں اون کے پاس مدینہ میں اون کے حسن سلوک کی توقع لے کر آئیں، اونھوں نے رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا کہ کیا میں اون کے ساتھ سلوک کر سکتی ہوں؟ آپ نے اون کو اس کی اجازت دی اور اسی معاملہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم	جو لوگ تم سے دین کے بارہ میں نہیں لڑتے خدا اونکے
یقاتلوکم فی الدین، الآیۃ،	ساتھ سلوک کرنے کی تمکو ممانعت نہیں کرتا،

اولاد کے ساتھ محبت و معاشرت عرب میں اولاد کی محبت کا جذبہ بہت کم تھا، کچھ لوگ تو افلاس و عزت اور غیرت و حمیت کی وجہ سے لڑکوں اور لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے، اور کچھ لوگ بدویت اور وحشت کی وجہ سے اون سے بہت کم انس و محبت رکھتے تھے، اس لئے اولاد کے ساتھ محبت و معاشرت کے طریقے رسول اللہ صلعم نے مدنی زندگی میں اپنے اقوال و افعال سے نہایت موثر طور پر بتائے، اور اس کو خداوند تعالیٰ کی رحمت کا ایک جزو قرار دیا اور فرمایا کہ

خداوند تعالیٰ نے رحمت کے سو ٹکڑے کئے اور اون میں سے ننانوے ٹکڑے اپنے پاس رکھے اور زمین میں صرف ایک ٹکڑے کو اتارا، تو اسی ٹکڑے سے لوگ باہم

---

۵۲ بخاری کتاب الادب باب صلۃ المشرک،

محبت کرتے ہیں، یہاں تک کہ گھوڑا اپنی ٹاپ کو اپنے بچے سے بچا کر رکھتا ہے کہ اوس کو صدمہ نہ پہونچے[1]

بعض حدیثوں میں ہے کہ

اسی کے ذریعہ سے ماں اپنے بچے کے ساتھ اور وحوش وطیور باہم محبت کرتے ہیں،

ایک بار آپ کے پاس کچھ اسیران جنگ آئے جن میں ایک عورت کی پستان دودھ سے چھلک رہی تھی اور اوس کو قیدیوں میں جو بچہ بھی مل جاتا تھا اوس کو اپنے سینہ سے چمٹا کر دودھ پلا دیتی تھی، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اوس کا بچہ کھو گیا تھا، اور پستان میں دودھ کے جمع ہونے سے اوس کو تکلیف ہوتی تھی، اس لئے جس بچہ کو پا جاتی تھی دودھ پلا دیتی تھی لیکن جب اوس کو خود اوس کا بچہ مل گیا تو اوس کو سینے سے لگا لیا، رسول اللہ صلعم نے اوس کی یہ حالت دیکھی تو صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

کیا تمھاری رائے میں یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ صحابہؓ نے کہا نہیں، فرمایا تو اس عورت کو اپنے بچے سے جس قدر محبت ہے خدا کو اپنے بندوں کے ساتھ اوس سے بھی زیادہ محبت ہے[2]،

خود اپنے طرز عمل سے محبت اولاد کی موثر مثالیں قائم کیں،

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے اپنے بیٹے ابراہیم کو گود میں لیا اور اون کو چوما اور سونگھا،

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حسن اور حسین میرے دنیا کے دو پھول ہیں،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب جعل اللہ الرحمۃ فی مائۃ جزء [2] ایضاً باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقۃ مع فتح الباری

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ چونکہ لوگ اولاد کو چومتے اور سونگھتے ہیں، اس لئے آپ نے اون کو پھول سے تشبیہ دی،

ایک بار آپ اپنی نواسی اُمامہ کو کندھے پر لئے ہوئے نکلے اور نماز پڑھی تو جب رُکوع میں جاتے تھے تو اون کو کندھے سے اُتار دیتے تھے، اور جب رکوع سے اٹھتے تھے تو اون کو پھر اُٹھا لیتے تھے،

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ محبتِ اولاد کا درجہ بہت بلند ہے، کیونکہ اس صورت میں نماز کے خشوع اور اولاد کی محبت کے اظہار میں تعارض واقع ہوا، لیکن رسول اللہ صلعم نے اولاد کی محبت کو مقدم رکھا،

ایک بار رسول اللہ صلعم نے امام حسنؓ کا بوسہ لیا، آپ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے، اُنھوں نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں، لیکن میں نے کسی کا بوسہ نہیں لیا، آپ نے اون کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو شخص رحم نہ کریگا اوس پر رحم نہیں کیا جائیگا،

ایک بار ایک بدو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ تم لوگ بچوں کو چومتے ہو، لیکن ہم لوگ نہیں چومتے، فرمایا اگر خدا نے تمھارے دل سے رحم کو نکال لیا ہے تو میں اس میں کیونکر رحم پیدا کر سکتا ہوں[1]،

حضرت اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم مجھ کو اپنی ایک ران پر اور امام حسن کو دوسری ران پر بٹھاتے تھے، پھر دونوں رانوں کو ملا کر کہتے تھے کہ خداوندا ان دونوں پر رحم کر کیونکہ میں ان دونوں پر رحم کرتا ہوں[2]،

---

[1] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ [2] ایضاً، باب وضع الصبی علی الفخذ۔

ایک دن رسول اللہ صلعم اپنے ایک نواسے کو گود میں لے کر نکلے اور آپ یہ کہہ رہے تھے، کہ تم سب آدمی کو بخیل بناتے ہو، بزدل بناتے ہو، اور جاہل بناتے ہو، بااینہمہ تم سب خدا کے پھول ہو[1]،

اپنے طرزِ عمل کے علاوہ جب دوسروں کو بچوں کے ساتھ محبت کرتے ہوئے دیکھتے تو اوس پر اظہارِ پسندیدگی فرماتے، ایک بار

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے ساتھ ایک لڑکا تھا وہ اوس کو لپٹانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ تم اس پر رحم کرتے ہو؟ اوس نے کہا ہاں، فرمایا خدا تم پر اوس سے زیادہ مہربان ہے، جتنا تم اس بچہ پر مہربان ہو، اور وہ بڑا ارحم الراحمین ہے[2]

دوسروں کے بچوں کے ساتھ محبت و معاشرت یہ محبت و معاشرت اپنے ہی بچوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ دوسروں کے بچے بھی اسی لطف و محبت کے مستحق ہیں، اور خود رسول اللہ صلعم نے اسکی مثال قائم کردی ہے، چنانچہ حضرت ام خالدؓ فرماتی ہیں کہ

میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میں زرد قمیص پہنے ہوئی تھی، آپ نے اوس کو دیکھکر فرمایا کہ خوب خوب، تو میں آپ کے مہرنبوت سے کھیلنے لگی، اس پر میرے باپ نے مجھ کو ڈانٹا، لیکن آپ نے فرمایا نہیں اس کو کھیلنے دو، پھر آپ نے دعا دی[3]،

لڑکیوں کیساتھ محبت و معاشرت عرب میں لڑکیاں لوگوں کے لئے اس قدر بارِ خاطر تھیں کہ لوگ اُن کا زندہ رکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، اگرچہ قرآن و حدیث نے اس بیرحمانہ رسم کا انسداد

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی حب الولد [2] ادب المفرد باب رحمۃ العیال،
[3] بخاری کتاب الادب باب من ترک صبیۃ غیرہ حتی تلعب بہ او قبلہا او مازحہا،

کیا، لیکن صرف اسی قدر کافی نہ تھا بلکہ اس بات کی ضرورت تھی کہ لڑکیوں کی تربیت و کفالت کو ایک کارِ ثواب قرار دیا جائے، اور لوگوں کو اس کی ترغیب دی جائے اسلئے رسول اللہ صلعم نے اپنے مختلف ارشادات سے لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا،

جس شخص کے تین لڑکیاں یا تین بہنیں یا دو لڑکیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ اون کے ساتھ لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے اور اون کے حقوق ادا کرنے میں خدا سے ڈرے تو اُس کے لئے جنت ہے،

جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کریگا ہم اور وہ جنت میں داخل ہوں گے تو اس قدر قریب ہوں گے جیسے یہ دونوں اونگلیاں،

جس شخص پر لڑکیوں کا کوئی بوجھ پڑا اور اُس نے اس پر صبر کیا تو وہ اوس کے لئے دوزخ کی آگ سے بچانے کے لئے ایک پردہ ہوں گی[۱]،

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت دو لڑکیوں کو لیکر سوال کرنے آئی اور میں نے اوس کو صرف ایک کھجور دی جس کو اوس نے دونوں لڑکیوں کے درمیان تقسیم کر دیا، پھر اُٹھ کر باہر چلی گئی، اس کے بعد رسول اللہ صلعم تشریف لائے تو میں نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ جس شخص پر لڑکیوں کا بوجھ پڑ جائے اور وہ اون کے ساتھ احسان کرے تو وہ اس کے لئے دوزخ کی آگ کا پردہ بن جائیں گی[۲]،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ چونکہ لوگوں کو لڑکیوں کا وجود ناگوار ہوتا ہے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اس کو ابتلا و آزمایش قرار دیا اور لڑکیوں کے

[۱] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات، [۲] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ

وجود کے قائم رکھنے کی ترغیب دی اور اون کے حق کو موکد طور پر اس لئے بیان کیا کہ وہ طبعی کمزوری کی بنا پر خود اپنی ضروریات کی متکفل نہیں ہوسکتیں،

حافظ ابن حجرؒ نے مختلف روایات کو جمع کرکے لڑکیوں کے ساتھ سلوک کرنے کی یہ صورتیں بتائی ہیں، اون کو کھلانا، پلانا، پہنانا، بیاہنا، ادب و تعلیم دینا،

بی بی کے ساتھ حسن معاشرت قرابتداروں کے علاوہ چند لوگ ایسے ہیں جن کے ساتھ خاص خاص تعلقات کی بنا پر انسان کو ہمیشہ یا ایک طویل مدت تک زندگی بسر کرنی پڑتی ہی، مثلاً بی بی، پڑوسی اور غلام، لیکن یہ زندگی اوسی وقت خوشگوار ہوسکتی ہی، جب انکے ساتھ عمدہ معاشرتی و اخلاقی تعلقات قائم رکھے جائیں، اس لئے رسول اللہ صلعم نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ عمدہ معاشرتی و اخلاقی تعلقات کے قائم رکھنے کی ہدایت فرمائی، چنانچہ بی بی کی نسبت آپ کا ارشاد ہے،

سب سے زیادہ کامل ایمان اوس مسلمان کا ہے جو سب سے زیادہ خوش خلق ہو اور تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بی بی کے لئے سب سے بہتر ہو،

اسلامی تعلیمات کے سب سے زیادہ اہم مسائل آپ نے حجۃ الوداع میں بیان فرمائے ہیں، اور اس موقع پر آپ نے بی بیوں کے معاشرتی حقوق ان الفاظ میں بیان فرمائے،

عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو کیونکہ وہ تمہارے یہاں قیدی ہیں[1]،

عورتوں کی فطری کمزوریوں کے باوجود آپ نے اون کے ساتھ بھلائی کرنے کی ترغیب دی ہے،

عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اور پسلی میں سب سے

---

[1] ترمذی ابواب الرضاع باب فی حق المرأۃ علی زوجھا،

ٹیڑھا حصہ اوس کے اوپر کا ہوتا ہے تو اگر تم اوس کو سیدھا کرنا چاہو گے تو وہ ٹوٹ جائیگا

اور اگر چھوڑ دوگے تو ہمیشہ ٹیڑھا رہے گا، تو عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو۔[۱]

اور میاں اور بیوی کے درمیان ناگواری پیدا کرانے کو سخت اخلاقی جرم قرار دیا ہے، اور

فرمایا ہے،

جس شخص نے کسی کی بیوی اور غلام میں ناگواری پیدا کرائی وہ ہم میں سے نہیں۔[۲]

ہمسایوں کے ساتھ حسن معاشرت | رسول اللہ صلعم نے ہمسایوں کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت

ان الفاظ میں کی ہے،

جبرئیل مجھکو پڑوسی کے ساتھ برابر سلوک کرنے کی ہدایت کرتے رہے یہانتک

کہ میں نے خیال کیا کہ وہ اوس کو شریک وراثت کردیں گے،[۳]

اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ پڑوسی میں کافر، مسلمان،

عابد، فاسق، دوست، دشمن، مسافر، شہری، مفید، مضر، قریب اور اجنبی سب شامل ہیں،

اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ اخلاقی ہدایت حجۃ الوداع میں کی تھی،

خدا کے نزدیک بہترین ساتھی وہ لوگ ہیں جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہوں، اور

خدا کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہیں جو اپنے پڑوسی کے لئے بہتر ہوں،[۴]

پڑوسیوں کے ساتھ سلوک کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں، مثلاً اون کے پاس ہدیہ بھیجنا،

اون کو سلام کرنا، اون سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملنا، اون کی خبر گیری اور اعانت کرنا، اور

رسول اللہ صلعم نے مختلف حدیثوں میں ان کی ہدایت فرمائی ہے، مثلاً،

---

[۱] بخاری کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنساء، [۲] ابوداؤد کتاب الادب باب فیمن خبب مملوکا علی مولاہ، [۳] بخاری کتاب الادب باب الوصاۃ بالجار، [۴] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی حق الجوار،

وہ شخص مسلمان نہیں جو اپنا پیٹ بھرلے، اور اُس کا پڑوسی بھوکا رہے۔[1]

بہت سے پڑوسی قیامت کے دن اپنے پڑوسی سے لپٹ جائیں گے، اور کہیں گے

کہ اے پروردگار اس نے میرے سامنے اپنا دروازہ بند کرلیا اور اپنی نیکی کو روک دیا،[2]

اے مسلمان عورتو! اگر کوئی پڑوسن اپنے پڑوسن کے پاس بکری کی ایک کھر

بھی ہدیۃً بھیجدے تو اوس کو چاہئے کہ وہ اسکو حقیر نہ سمجھے،[3]

اے ابوذر جب تم سالن پکاؤ تو اُس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے پڑوسیوں کو دو۔[4]

ہمسایوں کو ہر قسم کی ایذا و تکلیف دینے کی ممانعت نہایت موکد طور پر کی اور فرمایا،

خدا کی قسم نہیں ایمان لایا، خدا کی قسم نہیں ایمان لایا، خدا کی قسم نہیں ایمان لایا،

دریافت کیا گیا کہ کون یا رسول اللہ؟ ارشاد ہوا وہ جس کا پڑوسی اُسکی برائی سے محفوظ نہیں رہتا،[5]

صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ فلاں عورت رات بھر نماز پڑھتی ہے، دن بھر

روزہ رکھتی ہے، احسان و صدقہ کرتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو بدزبانی سے دکھ دیتی

ہے، فرمایا، اوس میں کوئی بھلائی نہیں ہے، وہ دوزخی ہے، صحابہؓ نے کہا کہ فلاں عورت

صرف نماز مفروضہ پڑھتی ہے اور رمضان کے روزے رکھتی ہے، اور کچھ کپڑے خیرات

کرتی ہے لیکن کسی کو ایذا نہیں پہنچاتی، فرمایا وہ جنتی ہے،[6]

چوری اور زنا اگرچہ ہر حالت میں اخلاقی جرم ہیں، لیکن پڑوسی کے گھر میں چوری اور

اوس کی بی بی کے ساتھ زنا کرنے سے ان جرائم کی شدت اور بڑھ جاتی ہے، چنانچہ ایکبار آپ نے

---

[1] ادب المفرد باب لا یشبع دون جارہ، [2] ایضاً باب من اغلق الباب علی الجار، [3] بخاری کتاب الادب باب لا تحقرن جارۃ لجارتھا [4] مسلم کتاب البر والصلہ باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ [5] بخاری کتاب الادب باب اثم من لا یامن جارہ بوائقہ، [6] ادب المفرد باب لا یوذی جارہ،

صحابہؓ سے زنا کے متعلق سوال کیا، صحابہؓ نے کہا کہ وہ حرام ہے اور اسکو خدا اور خدا کے رسول نے حرام کیا ہے، فرمایا ایک آدمی کا دس عورتوں کے ساتھ زنا کرنا اس سے آسان ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کی بی بی کے ساتھ زنا کرے،

آپ نے صحابہؓ سے چوری کے متعلق سوال کیا، صحابہؓ نے کہا کہ وہ حرام ہے اور اوس کو خدا اور خدا کے رسول نے حرام کیا ہے، فرمایا کہ ایک آدمی کا دس آدمی کے گھر میں چوری کرنا اس سے آسان ہے کہ وہ اپنے پڑوسی کے گھر میں چوری کرے[1]،

غلاموں کے ساتھ حسن معاشرت

غلاموں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے کے متعلق احادیث میں بہ کثرت اخلاقی ہدایات ہیں، کچھ حدیثیں تو ایسی ہیں جن میں آپ نے اون کے ساتھ اجمالی طور پر بدسلوکی کی ممانعت فرمائی ہے، مثلاً،

جو شخص غلاموں کے ساتھ بُرا سلوک کریگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا[2]،

غلاموں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا موجب برکت اور بدخلقی موجب نحوست ہے،

رسول اللہ صلعم کی سب سے آخری بات یہ تھی کہ نماز کی پابندی رکھو اور غلاموں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو[3]،

ان عام اخلاقی ہدایات کے بعد غلاموں کے ساتھ جو بدسلوکیاں کی جاتی تھیں اُن سب کی ممانعت کی اور فرمایا،

تم میں جب کوئی اپنے خادم کو مارے اور وہ خدا کا نام لیکر فریاد کرے تو اپنے ہاتھ کو روک لو[4]،

---

[1] ادب المفرد باب حق الجار [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الاحسان الی الخادم [3] ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک، [4] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی ادب الخادم،

ایک بار ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے پیچھے سے فرمایا[۱]

خدا کو تم پر اُس سے زیادہ قدرت ہے جتنی تمکو اس پر ہے،

غلاموں کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے فرمایا،

جو شخص اپنے غلام پر کوئی تہمت لگائے اور وہ اوس سے بری ہو، تو خدا قیامت کے دن اوس پر حد جاری کریگا، بجز اوس صورت کے کہ وہ ویسا ہی ہو جیسا کہ اوس نے اس پر تہمت لگائی ہے[۱]،

مار پیٹ اور سب و شتم کے بجائے غلاموں کی لغزشوں کے معاف کرنے کی ہدایت فرمائی، چنانچہ

ایک صحابی نے پوچھا کہ میں کتنی بار غلاموں کی لغزشوں سے درگذر کروں، فرمایا روزانہ ستر بار[۲]،

ان بدسلوکیوں کی ممانعت ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کھانے، پہننے اور اُٹھنے بیٹھنے میں غلام کو آقا اور آقا کی اولاد کے برابر کر دیا اور فرمایا،

تمھارے بھائیوں کو خدا نے تمھارے قبضہ میں کر دیا ہے تو جو کچھ تم کھاتے ہو وہی اون کو کھلاؤ اور جو کچھ تم پہنتے ہو وہی اون کو پہناؤ اور اون سے ناقابل برداشت کام نہ لو اور اگر ایسا کام لو تو اون کی مدد کرو،

ایک بار آپ نے فرمایا کہ

جنت میں غلاموں کے ساتھ برا سلوک کرنے والا داخل نہ ہوگا، اس پر صحابہؓ

---

[۱] ترمذی ابواب البر والصلہ باب النہی عن ضرب الخدام و شتمھم، [۲] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی ادب الخادم،

نے کہا کہ یارسول اللہ کیا آپ نے ہم کو یہ نہیں تبلایا ہے کہ اس اُمت کے پاس سب سے
زیادہ غلام اور یتیم ہوں گے (یعنی اس حالت میں ہم اون کے ساتھ کیونکر عمدہ برتاؤ کرسکیں گے)
فرمایا ہاں، اپنے بچوں کی طرح اُن کی عزت کرو اور جو کچھ تم کھاتے ہو وہی اُنکو بھی کھلاؤ[۱]
جب تمھارا غلام تمہارے لئے کھانا پکا کر لائے تو چونکہ اوس نے پکانے میں گرمی
اور دھوین کی تکلیف برداشت کی ہے، اس لئے اوس کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ
اور اگر کھانا کم ہو تو اس صورت میں اس کو دو ایک لقمے الگ دیدو،[۲]

مہمانوں کے ساتھ حسن معاشرت

رسول اللہ صلعم نے مہمانوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرنے کی تعلیم دی ہے، اور مہمانی کے لئے تین دن مقرر کر دیئے ہیں جن میں پہلے دن تو اون کے ساتھ نہایت لطف و محبت کے ساتھ پیش آنے اور عمدہ کھانا کھلانے کی تعلیم دی ہے، اور بقیہ دو دن معمولی طور پر اپنے اہل و عیال کی طرح اون کے ساتھ بھی برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے مہمان کا بھی یہ خود دارانہ فرض ہے کہ وہ میزبان پر اس سے زیادہ بار نہ ڈالے اور تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے، ورنہ یہ اس کے لئے صدقہ ہوگا، جس کو غیور لوگ پسند نہیں کرتے قرآن مجید میں مہمانوں کے حق ضیافت کا بہ تصریح ذکر نہیں ہے، بعض مفسرین نے ابن السبیل میں مہمانوں کو بھی شامل کر لیا ہے لیکن رسول اللہ صلعم نے اپنے ارشاد سے مہمانوں کے حقوق کی پوری تشریح کر دی ہے،

جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اوس کو چاہئے کہ اپنے پڑوسی
کی عزت کرے، اور جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اوس کو چاہئے

---

[۱] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب الاحسان الی الممالیک، [۲] مسلم کتاب الایمان باب اطعام المملوک مما یاکل والباسہ مما یلبس ولا یکلفہ ما یغلبہ،

کہ اپنے مہمان کا جائزہ عزت کے ساتھ دے، دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلعم، مہمان کا جائزہ کیا ہے، ؟ فرمایا کہ ایک دن اور ایک رات (یعنی پہلے دن اوس کی خاطر مدارات زیادہ کرنی چاہئے) اور مہمانی تین دن کی ہے، اس کے آگے مہمان پر صدقہ ہوگا[1]،

حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ صلعم تشریف لائے اور کہا کہ کیا مجھکو یہ اطلاع نہیں ملی ہو کہ تم رات بھر نماز پڑھتے ہو، اور دن بھر روزہ رکھتے ہو، ؟ میں نے کہا ہاں، فرمایا تو ایسا نہ کرو، نماز پڑھو، سوؤ، روزہ رکھو اور افطار کرو، کیونکہ تمھارے اوپر تمھارے جسم کا حق ہو، تمھاری آنکھ کا حق ہو، تمھارے مہمانوں اور ملاقاتیوں کا حق ہے، اور تمھاری بی بی کا حق ہو[2]،

جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے، اوس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، اور جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اوس کو چاہئے کہ صلہ رحمی کرے،

جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے اُس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے، اس کا جائزہ ایک دن اور ایک رات ہے، اور مہمانی تین دن، اس کے علاوہ صدقہ ہے، اس لئے مہمان کے لئے یہ جائز نہیں ہو کہ میزبان کے پاس اس قدر قیام کرے کہ وہ تنگ آجائے[3]،

---

[1] بخاری کتاب لادب باب من کان یومن باللہ والیوم الآخرۃ فلا یوذ جارہٗ،
[2] بخاری کتاب لادب باب حق الضیف [3] ایضًا باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ وقولہ تعالیٰ ضیف ابراہیم المکرمین،

ایک شب کی مہمانی تو میزبان پر واجب ہے، البتہ صبح ہو جانے کے بعد یہ مہمان کا میزبان پر قرض ہے، اگر چاہے تو اُس کا مطالبہ کر سکتا ہے، نہ چاہے تو اُسکو چھوڑ سکتا ہے،[۱]

یعنی جب رات کو کسی کے یہاں مہمان اترا تو چونکہ اس وقت وہ اپنے قیام وطعام کا انتظام بہ مشکل کر سکتا ہے، اس لئے رات بھر کی مہمانی تو ضروری ہے، البتہ صبح کے وقت اوس کے لئے اس انتظام میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے، تاہم اوس کا حقِ مہمانی ساقط نہیں ہوتا، اس لئے اگر وہ چاہے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے،

عام مسلمانوں کے ساتھ حسن معاشرت

دینی اور قومی تعلقات کی بنا پر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ جس قسم کے اخلاقی و معاشرتی تعلقات رکھنے چاہئیں، اون کو رسول اللہ صلعم نے مختلف حدیثوں میں بیان فرمایا ہے مثلاً

ایک مسلمان پر ایک مسلمان کے چھ حقوق ہیں، ایک یہ کہ جب اوس سے ملے تو اوس کو سلام کرے، دوسرے یہ کہ جب وہ اس کو دعوت دے تو اس کو قبول کرے تیسرے یہ کہ جب وہ چھینکے تو یرحمک اللہ کہے، چوتھے یہ کہ جب وہ بیمار ہو تو اُسکی عیادت کرے، پانچویں یہ کہ جب وہ مرے تو اس کے جنازے میں شریک ہو، چھٹے یہ کہ جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی اوس کے لئے بھی پسند کرے[۲]،

ایک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے، تو جب تک پلٹتا نہیں جنت کے باغ میں رہتا ہے[۳]،

[۱] سنن ابن ماجہ باب حق الضیف [۲] ترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی تشمیت العاطس [۳] مسلم کتاب البر والصلہ باب فی فضل عیادۃ المریض،

بدگمانی سے اجتناب کرو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے، ٹوہ نہ لگاؤ ایک دوسرے پر رشک وحسد نہ کرو، باہم دشمنی نہ رکھو، ناراض ہو کر ایک دوسرے سے الگ نہ ہو جاؤ، اور اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ، [۱]

ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو جنت کے دروازے کھلتے ہیں اور ہر اُس بندے کی جو کسی کو خدا کا شریک نہیں بناتا مغفرت کی جاتی ہے، بجز اُس شخص کے جس کے بھائی اور اُس کے درمیان عداوت ہو، ان دونوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا انتظار کرو یہاں تک کہ وہ مصالحت کرلیں، ان کا انتظار کرو یہاں تک کہ وہ مصالحت کرلیں، ان کا انتظار کرو یہاں تک کہ وہ مصالحت کرلیں، [۲]

باہمی رنجش کی بنا پر ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے صرف تین دن تک بے تعلق رہ سکتا ہے، اس کے بعد دونوں کو میل جول کرلینا چاہئے، اور جس کی طرف سے اسکی ابتدا ہو وہی دونوں میں بہتر ہے، چنانچہ فرمایا کہ

کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ الگ رہے، کہ جب دونوں میں ملاقات ہو تو یہ اس سے اور وہ اس سے منہ پھیرلے اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو ابتدائً سلام کرے، [۳]

اس سے زیادہ علیحدگی اختیار کرنے کے متعلق احادیث میں سخت وعید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ

جو شخص تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے علیحدگی اختیار کرے اور

---

[۱] مسلم کتاب البر والصلہ باب تحریم الظن والتجسس، [۲] ایضاً باب النہی عن الشحناء والتھاجر
[۳] بخاری کتاب الادب باب الہجرۃ،

وہ اسی حالت میں مرجائے تو وہ دوزخ میں داخل ہوگا،

ایک حدیث میں ہے، کہ

جس نے شخص نے اپنے بھائی سے ایک سال تک علٰحدگی اختیار کی تو گویا
اوس نے اوس کا خون بہایا[1]،

البتہ کسی شرعی وجہ سے ایک مدت کے لئے مسلمانوں سے باہم علٰحدگی کی جاسکتی ہے
جیساکہ غزوہ تبوک کی عدم شرکت کی بنار پر رسول اللہ صلعم نے حضرت کعب بن مالک رضہ سے
علٰحدگی اختیار کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا تھا،

ایک مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی ملاقات کو جانا چاہیئے، چنانچہ فرمایا،

جس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی یا محض دینی تعلق کی بنار پر اپنے بھائی کی
ملاقات کو گیا تو اس حالت میں ایک منادی اوس سے پکار کر کہے گا کہ تم اچھے تھا
جانا اچھا اور تم نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنا لیا[2]،

باہمی ملاقات میں ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملنا ایک
کارِ ثواب ہے، کیونکہ

ہر نیکی صدقہ ہے، اور یہ ایک نیکی ہے کہ تم اپنے بھائی سے شگفتہ روئی کیساتھ ملو[3]،

مسلمانوں میں جو لوگ کسی خاص فضیلت کی بنار پر مستحقِ عزت ہیں، اُن کے ادب و
احترام کا حکم دیا اور فرمایا،

خدا کی تعظیم کی ایک صورت یہ ہے کہ بوڑھے مسلمان کی اور حاملِ قرآن

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب فیمن یھجر اخاہ المسلم، [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی زیارۃ الاخوان، [3] ایضاً باب ماجاء فی طلاقۃ الوجہ وحسن البشر،

کی جو اُس میں نہ غلو کرتا ہو نہ اُس سے الگ رہتا ہو، اور حاکم عادل کی عزت کیجائے[1]،

عام انسانوں کے ساتھ حسنِ معاشرت

عام انسانوں کے ساتھ جس میں کافر و مسلم، غریب و امیر، معزز و ذلیل اور بوڑھے جوان سب شامل ہیں، حسنِ معاشرت کا حکم ایک نہایت عام اور جامع الفاظ میں دیا اور فرمایا،

اے ابو ذر! جہاں رہو خدا سے ڈرو، اور برائی کے بدلے بھلائی کرو جو اوس برائی کو مٹادے گی اور لوگوں کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرو[2]،

خوش خلقی کا لفظ نہایت جامع اور وسیع لفظ ہے، لیکن ان میں سب سے پہلی چیز بدزبانی سے اجتناب ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے فرمایا،

قیامت کے دن ایک مسلمان کی ترازو میں خوش خلقی سے زیادہ کوئی وزنی چیز نہ ہوگی، کیونکہ خدا بدزبان اور بدگو شخص سے بغض رکھتا ہے[3]،

بدزبانی کی جتنی قسمیں تھیں، سب کی ممانعت فرمائی،

مسلمان طعنہ نہیں مارتا، لعنت نہیں بھیجتا اور بدزبانی اور بیہودہ کلامی نہیں کرتا[4]،

صرف انسانوں کی تخصیص نہیں بلکہ جانوروں اور غیر ذی روح چیزوں پر بھی لعنت بھیجنے کی ممانعت فرمائی، چنانچہ ایک بار ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت بھیجی، جس پر آپ نے اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا[5]، ایک بار ہوا نے ایک شخص کی چادر اوڑادی، اُس نے ہوا پر لعنت بھیجی تو ارشاد ہوا،

---

[1] ابو داؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم، [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی معاشرۃ الناس [3] ایضاً باب ماجاء فی حسن الخلق [4] ایضاً باب ماجاء فی اللعنۃ [5] ابو داؤد کتاب الجہاد باب النھی عن لعن البھیمۃ،

ہوا پر لعنت نہ بھیجو کیونکہ وہ خدا کے زیر فرمان ہے،

جو شخص کسی چیز پر لعنت بھیجے گا، اور وہ اوس کی مستحق نہ ہوگی تو لعنت اُسی پر ٹوٹ پڑے گی[1]

لوگ جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں، تو زمانہ کی شکایت کرتے ہیں، عرب کا بھی یہی قاعدہ تھا، لیکن آپ نے خود خدا کی زبان سے اسکی ممانعت کروائی اور فرمایا،

زمانہ کو بُرا بھلا کہکر انسان مجھ کو دکھ دیتا ہے، میں خود زمانہ ہوں، تمام معاملات میرے ہاتھ میں ہیں، زمانہ کو میں ہی گردش دیتا ہوں[2]،

زندوں کے علاوہ مردوں کے برا بھلا کہنے کی بھی ممانعت کی اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی،

مُردوں کو گالی نہ دو کہ اس سے زندوں کو تکلیف پہونچے گی[3]

مسلمانوں کے ساتھ بدزبانی کرنے کو خاص طور پر اخلاقی جرم قرار دیا اور فرمایا،

مسلمان کو گالیاں دینا بدکاری اور اوس سے لڑنا کفر ہے،

اگر کسی نے کسی مسلمان پر لعنت بھیجی تو وہ اوس کے قتل کے مثل ہے اور اگر کسی نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو وہ اوس کے قتل کے مثل ہے[4]،

اسی کے مقابل شرم و حیا ہے جو خوش خلقی کا دوسرا ایجابی جزو ہے، اور اوس کی نسبت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے،

ہر دین کا ایک خلق ہوتا ہے اور اسلام کا خلق حیا ہے[5]،

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی اللعن [2] ایضاً باب فی الرجل یسب الدھر [3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الشتم، [4] بخاری کتاب الادب باب ماینھی من السباب واللعن [5] موطا امام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی الحیاء،

فحاشی جس چیز میں ہوتی ہو اوس کو بدنما بنا دیتی ہے، اور حیا جس چیز میں ہوتی ہے اوس کو خوش نما کر دیتی ہے[1]،

بیحیائی تمام دنیا کی بد اخلاقیوں کی جڑ ہے، اور اس پر تمام پیغمبروں کا اتفاق ہو،

گذشتہ پیغمبروں کا یہ فقرہ تمام لوگوں تک پہنچ گیا ہو، اگر تم میں حیا نہیں ہے تو تم جو چاہو کرو[2]،

اس کے بخلاف حیا، تمام دنیا کی خوش اخلاقیوں کی بنیاد ہے، اس لئے فرمایا

حیا سے صرف بھلائی پیدا ہوتی ہے،

اگرچہ بعض اوقات حیا سے انسان کو نقصان بھی پہنچا ہے، اور وہ لوگوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ دلیری کے ساتھ نہیں کر سکتا، اسی بنا پر ایک شخص اپنے بھائی پر غصہ کا اظہار کر رہا تھا، کہ اس سے اوس کو نقصان پہنچ رہا ہے، تاہم اس میں شبہہ نہیں کہ جو لوگ حیادار ہوتے ہیں، اُن میں خوش خلقی کا مادہ فطرۃً زیادہ ہوتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلعم نے اوس کو روکا اور فرمایا،

اس پر غصہ نہ کرو کیونکہ حیا، ایمان کا ایک جزو ہے[3]،

خوش خلقی کا ایک بڑا جزو شیریں کلامی ہے، چنانچہ اس کی نسبت رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے،

جو شخص خدا اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہے، اوس کو چاہئے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے[4]،

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الفحش، [2] بخاری کتاب الادب باب اذا لم تستحی فاصنع ما شئت
[3] ایضاً باب الحیاء، [4] ایضاً باب من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یوذ جارہ،

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کامل الایمان ہے اوس میں مخلوق الٰہی پر شفقت کرنے کا وصف موجود ہونا چاہئے، اور اس شفقت کا اظہار یا تو اچھی بات کہنے سے ہوگا، یا بری بات کے نہ کہنے سے،

ایک بار آپ نے دوزخ کا ذکر کیا تو اوس سے پناہ مانگی اور اپنا منہ پھیر لیا پھر فرمایا،

آگ سے بچو گو کھجور کا ایک ٹکڑا ہی دے کر، اور اگر یہ نہ ملے تو اچھی بات ہی سے سہی[1]

یعنی جس طرح مال دینے سے ایک انسان کا دل مسرور ہوتا ہے، اُسی طرح اچھی بات کے سننے سے بھی اوس کا دل خوش ہوتا ہے، اس لئے صدقہ اور شیریں کلامی میں مشابہت حاصل ہے،

ایک بار آپ نے فرمایا کہ جنت میں چند بالاخانے ایسے ہیں جن کا بیرونی حصہ دیکھے اندرونی حصہ سے اور اندرونی حصہ اون کے بیرونی حصہ سے نظر آتا ہے، ایک بدو نے اُٹھ کر کہا کہ یا رسول اللہ وہ کس کے لئے ہیں، ؟ ارشاد ہوا،

اس کے لئے جس نے شیریں کلامی کی، کھانا کھلایا، اکثر روزہ رکھا، اور رات کو اس حالت میں نماز پڑھی جب لوگ مصروفِ خواب تھے[2]

خوش خلقی کا ایک بڑا جزو فیاضی ہے، چنانچہ فرمایا،

دو خصلتیں ایک مسلمان میں نہیں جمع ہوسکتیں ایک بخل، دوسرے بدخلقی،

مسلمان بھولا اور فیاض ہوتا ہے، اور بدکار چالباز اور بخیل ہوتا ہے،

جنت میں چالباز، بخیل اور احسان جتانے والے داخل نہ ہونگے[3]

---

[1] بخاری کتاب الادب باب طیب الکلام، [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی قول المعروف، [3] ایضاً باب ما جاء فی البخل،

ایک حدیث میں اس کا معاشرتی فائدہ بھی بتادیا یعنی

سخی خدا سے قریب، جنت سے قریب، انسانوں سے قریب اور دوزخ سے دور رہتا ہے اور بخیل خدا سے دور، جنت سے دور، انسانوں سے دور، اور دوزخ سے قریب رہتا ہے، اور ایک جاہل سخی خدا کو عبادت گذار بخیل سے زیادہ محبوب ہے[1]

خوش خلقی کا ایک بڑا جزو حلم و تحمل اور عفو و درگذر ہے، چنانچہ ایک شخص سے آپ نے فرمایا

تجھ میں دو خصلتیں ہیں جن کو خدا پسند کرتا ہے یعنی حلم اور عجلت نہ کرنا[2]

ایک شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمایئے، ارشاد ہوا،

"غصہ نہ کرو"

وہ اس سے زیادہ عام نصیحت کا خواستگار تھا، اس لئے اوس نے بار بار نصیحت کرنے کی خواہش کی لیکن آپ کا صرف یہ جواب تھا کہ

"غصہ نہ کرو"

نیز فرمایا،

کشتی لڑنے سے کوئی شخص پہلوان نہیں ہوتا، پہلوان صرف وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے[3]

جس شخص نے ایسی حالت میں غصہ کو ضبط کیا کہ وہ عاجز و درماندہ نہ تھا، خدا اسکو قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے بلائیگا، اور وہ جو حور چاہے گا اوسکو اوس کے انتخاب کرنے کا حق دیگا[4]

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ، باب ماجاء فی السخاء، [2] ایضاً باب ماجاء فی التانی والعجلۃ، [3] بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب، [4] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب،

عفو و درگذر کی نسبت ارشاد فرمایا،

یہ نہ کہو کہ اگر لوگ ہم پر احسان کریں گے تو ہم بھی اون پر احسان کریں گے اور اگر لوگ ہم پر ظلم کریں گے تو ہم بھی اون پر ظلم کریں گے، بلکہ دل میں یہ ٹھان لو کہ اگر لوگ تم پر احسان کریں تو تم بھی اون پر احسان کرو، لیکن اگر لوگ تمھارے ساتھ برائی کریں تو تم لوگ اون پر ظلم نہ کرو[1]،

خوش خلقی کا ایک جزو صبر و برداشت بھی ہے، یعنی باہمی میل جول میں جو ناگواریاں پیش آئیں اون کو برداشت کرنا، چنانچہ فرمایا،

جو مسلمان لوگوں سے میل جول رکھتا ہے، اور اون کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور اون کی تکلیفوں پر صبر نہیں کرتا[2]،

خوش خلقی کا ایک بڑا جزو رفق و ملاطفت یعنی نرمی ہے، جو تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا،

جس شخص نے نرمی کا حصہ پالیا اوس نے اپنی نیکی کا حصہ بھی پالیا، اور جو شخص نرمی کے حصہ سے محروم رہا وہ نیکی کے حصہ سے بھی محروم رہا[3]،

آپ نے حضرت عائشہؓ کو یہ نصیحت فرمائی،

اے عائشہ خداوند تعالیٰ نرم خو ہے اور نرم خوئی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جو کچھ دیتا ہے وہ سختی پر اور نرمی کے علاوہ کسی چیز پر نہیں دیتا[4]،

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الاحسان والعفو، [2] ادب المفرد باب الذی یصبر علی اذی الناس، [3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الرفق [4] مسلم کتاب البر والصلہ باب فی فضل الرفق،

جو لوگ کمزور ہیں اون پر نرمی کرنا خاص طور پر ثواب کا کام ہے، فرمایا،

تین باتیں جس میں ہوں گی، خدا اوس کو اپنے سایہ میں لے گا اور اوسکو جنت میں داخل کریگا، ایک تو کمزور کے ساتھ نرمی کرنا، دوسرے ماں باپ پر لطف و کرم کرنا، تیسرے غلام پر احسان کرنا[1]،

دوست دشمن سب کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے، چنانچہ ایک بار کچھ یہودی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے اور کہا کہ السام علیکم یعنی تمکو موت آئے، حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں اور جواب میں کہا کہ وعلیکم السام واللعنۃ یعنی تمکو موت آئے اور تم پر لعنت ہو، اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

عائشہ ٹھہرو خدا ہر کام میں نرمی کو پسند کرتا ہے[2]،

جانوروں تک سے نرمی کرنا چاہیے، چنانچہ ایک بار حضرت عائشہ رضؓ ایک سرکش اونٹ پر سوار ہوئیں، اور اوس کو سختی کے ساتھ پھیرنے لگیں تو آپ نے فرمایا،

نرمی کرو کیونکہ نرمی جس چیز میں ہوتی ہے اس کو زینت دیتی ہے، اور جس چیز سے الگ کرلی جاتی ہے، اوسکو بدنما بنادیتی ہے[3]،

جو شخص نرمخو ہے وہ تمام اخروی عذاب سے محفوظ ہے، فرمایا،

کیا میں تمھیں بتاؤں کہ کون شخص دوزخ کی آگ پر حرام ہے اور کس پر دوزخ کی آگ حرام ہے؟ ہر اوس شخص پر جو نرم، آسان اور قریب ہو[4]،

خوش خلقی کا ایک جزو شکر گذاری اور منت پذیری ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا،

---

[1] ترمذی ابواب الزہد، [2] بخاری کتاب الادب باب الرفق فی الامر کلہ، [3] مسلم کتاب البر والصلہ باب فی فضل الرفق، [4] ترمذی ابواب الزہد،

جو لوگ انسانوں کا شکر نہیں ادا کرتے وہ خدا کا شکر بھی نہیں ادا کرتے[1]

خوش خلقی کا ایک جزو تواضع وخاکساری ہے، جس سے دین و دنیا دونوں میں اعزاز حاصل ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کرنے سے خدا آدمی کی عزت کو بڑھا دیتا ہے، اور جو شخص خدا کے لئے خاکساری کرتا ہے خدا اوس کو بلند کر دیتا ہے[2]،

جو شخص عمدہ کپڑے پہننے کی استطاعت رکھتا ہے، لیکن وہ خاکساری سے اوس کو نہیں پہنتا تو خدا اوس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلائے گا اور اوسکو اختیار دے گا کہ اہل ایمان کے حلوں میں سے جس حلے کو چاہے پہن لے[3]،

اس کے بالمقابل جو چیزیں تھیں یعنی فخر و غرور اون سب کی ممانعت کی اور فرمایا،

خدا نے مجھ پر وحی کی کہ خاکساری اختیار کرو، نہ کوئی کسی پر ظلم کرے، نہ کوئی کسی کے مقابل میں کسی پر فخر کرے[4]،

خدا نے تم سے زمانہ جاہلیت کا غرور دور اور باپ دادا پر فخر کرنے کا طریقہ موقوف کر دیا، اب صرف دو قسم کے لوگ رہ گئے ہیں یا پرہیزگار مسلمان یا بدبخت کافر، تم لوگ آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، لوگ ایسے لوگوں پر فخر کرنا چھوڑ دیں جو دوزخ کا کوئلہ ہیں یا خدا کے نزدیک اون گبریلوں سے بھی زیادہ حقیر ہیں، جو گندگی کو اپنی ناک کے ذریعہ سے اٹھا لے جاتا ہے[5]،

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ما جاء فی الشکر لمن احسن الیک، [2] ایضاً باب ما جاء فی التواضع [3] ترمذی ابواب الزہد، [4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی التواضع، [5] ایضاً باب فی التفاخر با لاحساب،

کیا میں تم کو بتاؤں کہ کون شخص جنتی ہے؟ ہر وہ شخص جو کمزور رہو اور لوگ اسکو کمزور سمجھیں، ... کیا میں تمکو بتاؤں کہ کون شخص دوزخی ہے؟ ہر سرکش اور متکبر شخص،[1]

آدمی برابر اپنے آپ کو اونچا کرتا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ جباروں میں لکھ لیا جاتا ہے اور اوس پر وہی عذاب نازل ہوتا ہے، جو اُن پر نازل ہوا تھا،[2]

گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص عمدہ لباس میں اکڑتا ہوا چلا تو خدا نے زمین کو حکم دیا اور اوس نے اوسکو دبوچ لیا اور اب وہ قیامت تک زمین کے اندر گھستا ہوا چلا جائیگا،[3]

لیکن غرور سے بچنے کے لئے ذلت، دنارت اور رہبانیت کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف اس قدر کافی ہے کہ عام معاشرت میں کسی شخص کو ذلیل نہ سمجھا جائے، چنانچہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ،

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا،

اس پر ایک شخص نے کہا کہ مجھ کو تو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ میرا کپڑا عمدہ ہو، میرا جوتا عمدہ ہو، فرمایا،

خدا تو خود ہی حسن کو پسند کرتا ہے، یہ غرور نہیں، غرور نام ہے حق کے انکار کرنے اور انسانوں کے حقیر سمجھنے کا،

البتہ بہت سی علامتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں شخص کے دل میں غرور ہے، اور فلاں شخص کے دل میں نہیں، اگرچہ ان علامتوں کا شمار ممکن نہیں ہے، تاہم عرب

---

[1] بخاری کتاب الادب باب الکبر، [2] ترمذی ابواب البر والصلۃ، باب ما جاء فی الکبر،
[3] ترمذی ابواب الزہد،

کے مذاق اور عرب کے رسم و رواج کے مطابق آپ نے چند علامتیں بتائی ہیں، چنانچہ ایک صحابی کہتے ہیں کہ،

لوگ مجھ کو مغرور کہتے ہیں، حالانکہ میں گدھے پر سوار ہوا، کمل اوڑھا، اور بکری کا دودھ دوہا اور خود رسول اللہ صلعم نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جس شخص نے یہ سب کچھ کر لیا اوس میں بالکل غرور نہیں[1]،

عام تعلقات کے خوشگوار بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کے عیوب کی تشہیر نہ کیجائے، بلکہ اون کی پردہ پوشی کیجائے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے غیبت، چغلخوری، افترا و بہتان وغیرہ کو سخت اخلاقی جرم قرار دیا، اور اون کی ممانعت کی، غیبت کے متعلق ارشاد ہوا،

معراج میں میرا گذر ایک قوم پر ہوا، جن کے ناخن پیتل کے تھے، جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے جبریئل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بولے یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کی غیبت اور اون کی عزت و آبرو پر حملہ کیا کرتے تھے،

بعض حدیثوں میں مسلمانوں کی تخصیص ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمانوں کے علاوہ اور لوگوں کی غیبت جائز ہے،

اے وہ لوگو! جو زبان سے تو ایمان لائے ہو، لیکن ایمان تمھارے دلوں میں نہیں اترا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور اون کے عیوب کی تلاش میں نہ رہو کیونکہ جو شخص اون کے عیوب کی تلاش میں رہتا ہے، خدا اوس کے عیب کی تلاش میں رہتا ہے، اور خدا جس کے عیب کی تلاش میں رہتا ہے، اوس کے گھر کے اندر اوسکو

---

[1] ترمذی ابواب البر و الصلہ باب ماجاء فی الکبر،

رسوا کر دیتا ہے[1]،

ایک بار سخت بدبو پھیلی، آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا

جانتے ہو یہ کیا ہے؟ یہ اون لوگوں کی بدبو ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں[2]

چغلخوری کے متعلق فرمایا،

جنت میں چغلخور داخل نہ ہوگا[3]،

ایک بار دو مُردوں پر عذاب ہو رہا تھا، آپ اون کی قبروں کے پاس سے گذرے اور اون کی آواز سنی تو فرمایا،

اون کو عذاب دیا جا رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا[4]،

صحابۂ کرام کو عام حکم تھا کہ

میرے اصحاب میں کوئی کسی کی بُرائی مجھ تک نہ پہنچائے، کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ تمھارے پاس آؤں تو میرا دل صاف ہو[5]،

عیوب کی پردہ پوشی کے متعلق فرمایا

جو بندہ دنیا میں کسی بندہ کا عیب چھپاتا ہے، خدا قیامت کے دن اوسکے عیب کی پردہ پوشی کریگا[6]،

جس شخص نے کسی کے عیب کو دیکھا اور اوسکی پردہ پوشی کی تو گویا اوس نے

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الغیبۃ، [2] ادب المفرد باب [3] بخاری کتاب الادب باب مایکرہ من النمیمہ، [4] ایضاً باب النمیمہ من الکبائر، [5] ابوداؤد کتاب الادب باب فی رفع الحدیث [6] مسلم کتاب البر والصلہ باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ فی الدنیا بان یستر علیہ فی الآخرۃ

زندہ درگور لڑکی کو جلایا[1]،

افترا و بہتان بھی اسی سلسلہ کی چیز ہے، چنانچہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، یہ کہ

تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ وہ اوس کو ناپسند کرے

صحابہ نے کہا کہ اگر وہ بات میرے بھائی میں ہو تو فرمایا،

جو بات تم کہتے ہو اگر وہ اوس میں ہے تو تم نے اوس کی غیبت کی اور اگر نہیں ہے تو تم نے اوس پر بہتان لگایا[2]،

انصار سے آپ نے جن باتوں پر بیعت لی تھی اون میں ایک یہ تھی،

لوگوں پر من گھڑت تہمت نہ لگاؤ[3]،

افترا و بہتان کے اقسام میں پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا سب سے بڑا اخلاقی و معاشرتی جرم ہے، چنانچہ ایک بار آپ نے صحابہؓ سے کہا کہ سات مہلک گناہوں سے بچو، صحابہؓ نے کہا یارسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے اون کی تعداد بتائی جن میں ایک یہ تھی،

پاکدامن مسلمان عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا جس سے وہ بے خبر ہوں[4]

معاشرتی تعلقات کے خوشگوار رکھنے کے لئے رازداری ایک نہایت ضروری چیز ہے اس لئے فرمایا،

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم [2] ایضاً باب فی الغیبۃ [3] بخاری کتاب الایمان باب، [4] بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ تعالیٰ ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ،

"جب کسی نے کوئی بات کہی پھر ادھر اودھر دیکھا تو وہ امانت ہی[1]،

یعنی جب کسی نے کسی سے کوئی بات کہی اور احتیاطاً ادھر اودھر دیکھا کہ کوئی سنتا نہ ہو تو وہ ایک راز کی بات ہے اور اس کا افشا کرنا بد دیانتی ہے،

قیامت کے دن خدا کے نزدیک سب سے بڑی امانت یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بی بی سے کوئی بات کہے اور بی بی اپنے شوہر سے کوئی بات کہے پھر وہ اس کے راز کو افشا کر دے[2]،

باہم لڑنا جھگڑنا معاشرتی تعلقات پر نہایت ناگوار اثر ڈالتا ہی. اس لئے فرمایا

جس شخص نے لڑنا جھگڑنا چھوڑ دیا در آنحالیکہ وہ حق پر تھا اوس کے لئے وسط جنت میں مکان بنایا جائیگا، اور جس شخص نے اپنے اخلاق کو عمدہ بنایا اُسکے لئے جنت کے سب سے اوپری حصہ میں مکان بنایا جائیگا،

تمھارے لئے یہ گناہ بہت ہے کہ ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہو،

اپنے بھائی سے نہ جھگڑو، نہ اوس سے مذاق کرو، اور نہ اوس سے وعدہ کرکے وعدہ خلافی کرو[3]،

معاشرتی حیثیت سے ایک بڑا اخلاقی جرم دو رخاپن ہی جو چغلخوری، نفاق اور خدع و فریب کا مجموعہ ہے، جن لوگوں میں یہ بد اخلاقی پائی جاتی ہے، اون کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب دو جماعتوں یا دو شخصوں میں باہم ناچاقی ہوتی ہے تو محض نفاق و خدع و فریب سے ہر ایک کے پاس جا کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوس کے طرفدار

---

[1] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء ان المجالس بالامانۃ [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی نقل الحدیث، [3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی المراء،

اور اس کے فریق کے مخالف ہیں، اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ دونوں کے راز کو معلوم کر کے ادھر کی اودھر لگائیں، اور اس طریقہ سے آتشِ فساد کو بھڑکائیں، ان لوگوں کے متعلق آپ نے فرمایا

قیامت کے دن خدا کے نزدیک تم سب سے بُرا اوس شخص کو پاؤ گے جو دورُخا ہے، کہ کچھ لوگوں کے پاس ایک رُخ کے ساتھ آتا ہے اور کچھ لوگوں کے پاس دوسرے رُخ سے[1]،

دنیا میں جس شخص کے دورُخ ہوں گے قیامت کے دن اوس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی[2]،

مسلمانوں کو نقصان پہنچانا یا دھوکا دینا ایک اخلاقی جرم ہے، چنانچہ فرمایا

جس شخص نے کسی مسلمان کو نقصان پہنچایا یا اوس کو دھوکا دیا وہ ملعون ہے[3]،

عام حسنِ معاشرت کے اور بھی بہت سے نازک اور لطیف اجزا ہیں جن کی تحدید ناممکن ہے لیکن رسول اللہ صلعم کی ذات اقدس چونکہ حسنِ معاشرت کے بلند معیار پر تھی ہمارے محدثین کرام نے اسی معیار کو سامنے رکھکر حسنِ معاشرت کا ایک خاص باب قائم کیا ہے، اور اس کے تحت میں اسی قسم کے چند نازک اور لطیف اجزا بیان کئے ہیں، مثلاً یہ کہ جب آپ کو کسی شخص کے متعلق کسی بات کے کہنے کی اطلاع ملتی تھی تو آپ متعین طور پر اوس کا نام لے کر یہ نہیں کہتے تھے کہ فلاں شخص یہ کیوں کہتا ہے؟ بلکہ یوں کہتے تھے کہ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ کسی کے منہ پر ایسی باتیں نہیں کہتے تھے جو اس کو ناگوار ہوں ایک بار ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کے جسم پر زرد دھبے تھے، آپ نے اس کو پسند نہیں

---

[1] بخاری کتاب الادب باب ما قیل فی ذی الوجہین [2] ابو داؤد کتاب الادب باب فی ذی الوجہین [3] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی الخیانۃ والغش،

کیا، لیکن جب وہ چلا گیا تو لوگوں سے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ ان دھبوں کو دھوڈالے،

آپ کے کان میں جب کوئی شخص جھک کے بات کہنا چاہتا تھا، تو جب تک وہ خود اپنا سر نہ ہٹالے آپ اپنا سر نہیں ہٹاتے تھے، اسی طرح جب کوئی شخص آپ کا ہاتھ پکڑ لیتا تھا تو جب تک وہ خود آپ کا ہاتھ نہ چھوڑ دے، آپ خود اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے[1]

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی حسن العشرۃ

آدابِ معاشرت

پیغمبرانہ حیثیت کے علاوہ رسول اللہ صلعم کی حیثیت ایک شفیق باپ کی بھی تھی اور آپ نے خود ایک حدیث میں اپنی اس حیثیت کو واضح کر دیا اور فرمایا کہ

میں بمنزلہ باپ کے تم لوگوں کو تعلیم دیتا ہوں[1]،

اور اس حیثیت سے آپ نے اُٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، کھانے پینے، اور ملنے جلنے غرض معاشرتی زندگی کے تمام جزئیات کی تعلیم دی، اور اس جامعیت کے ساتھ دی کہ خود کفار نے ان الفاظ میں اس کا اعتراف کیا،

تمھارے پیغمبر نے تمکو ہر چیز کی تعلیم دی یہانتک کہ بول و براز کا طریقہ بھی بتا دیا[2]،

آپ کی اخلاقی تعلیمات کا یہ حصہ صرف آداب معاشرت سے تعلق رکھتا ہے، اور احادیث کے تتبع و استقرار سے ان آداب کو حسب ذیل عنوانات میں محدود کیا جا سکتا ہے،

آداب طہارت ونظافت طہارت و نظافت کی سب سے زیادہ جامع تعلیم آپ نے ان الفاظ میں دی ہے،

دس چیزیں فطرت سے ہیں، مونچھ[1] ترشوانا، داڑھی[2] بڑھانا، مسواک[3] کرنا، ناک[4] میں پانی ڈالنا، ناخن[5] ترشوانا، انگلیوں[6] کے درمیان کی میل کچیل کو دھونا، بغل[7] کے بال منڈوانا،

---

[1] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ [2] مسلم کتاب الطہارۃ باب الاستطابۃ

موئے زیر ناف کو صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا، راوی کو دسویں چیز بھول گئی لیکن وہ غالباً غرارہ کرنا ہوگی[1]

بعض روایتوں میں ختنہ بھی انہی میں داخل ہی،

ان کے علاوہ طہارت و نظافت کی اور صورتیں بھی ہیں جن کی آپ نے تعلیم دی اور فرمایا،

جب تم میں کوئی شخص سو کر اُٹھے تو جب تک اپنے ہاتھ کو تین بار نہ دھوے اسکو برتن میں نہ ڈالے، کیونکہ سونے میں معلوم نہیں کہ اوس کا ہاتھ کس جگہ پڑا تھا،[2]

تم میں کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کر کے پھر اسمیں غسل نہ کرے[3]

تم میں کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت نہ کرے دبلکہ اوس سے پانی نکال کر غسل کرے[4])

تم میں سے کوئی شخص اپنے غسلخانہ میں پیشاب کر کے پھر اوس میں نہ نہائے[5]،

ہفتے میں ایک دن یعنی جمعہ کو تمام جسم کی طہارت و پاکیزگی کا حکم دیا اور فرمایا

لوگو! جب یہ دن آئے تو غسل کر لیا کرو، اور ہر شخص کو جو بہتر سے بہتر تیل اور خوشبو میسر ہو اوس کو لگائے،

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے، کہ عرب کے لوگ تنگدست پشمینہ پوش اور خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے والے تھے، اون کی مسجد تنگ اور اوس کی

---

[1] مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ، [2] ایضاً باب کراہیۃ غمس المتوضی دغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلہا ثلاثاً، [3] مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن البول فی الماء الراکد، [4] ایضاً باب النہی عن الاغتسال فی الماء الراکد، [5] ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی البول فی المستحم،

چھت پست تھی جو چھپر کی تھی، ایک روز گرم دن میں رسول اللہ صلعم جمعہ میں شریک ہوئے تو لوگوں کو پسینہ آیا اور ان کے کپڑوں سے بو پھیلی جس سے سب کو تکلیف ہوئی، آپ نے اس کی ناگواری محسوس کی تو یہ حکم دیا[1]،

جمعہ کے علاوہ عام حالات میں بھی صفائی اور پاکیزگی کا حکم دیا، چنانچہ ایک بار ایک شخص کو پراگندہ مو دیکھا تو فرمایا،

کیا اس کو بال کے ہموار کرنے کا سامان میسر نہیں آتا،

دوسرے شخص کے میلے کچیلے کپڑے دیکھے تو ارشاد ہوا،

کیا اسکو پانی نہیں ملتا جس سے وہ اپنے کپڑے کو دھوئے[2]،

عرب میں سب سے زیادہ گندی اور نجس قوم یہودیوں کی تھی، رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کو ان کی اس طرز معاشرت کی مخالفت کا حکم دیا اور فرمایا،

خدا پاکیزہ ہے اور پاکیزگی کو پسند کرتا ہے، تو اپنے صحنوں کو پاک صاف رکھو اور یہود کی مشابہت نہ اختیار کرو[3]،

لیکن اس کے ساتھ اسلام بہت زیادہ ترفہ اور عیش پسندی کی بھی تعلیم نہیں دیتا اور اسی لئے بعض حدیثیں اس کے مخالف بھی آگئی ہیں، مثلاً آپ کے سامنے ایک بار صحابۂ کرام نے دنیوی ساز و سامان کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا،

پھٹے حال میں رہنا ایمان سے ہے، پھٹے حال میں رہنا ایمان سے ہے،

ایک بار حضرت فضالہ بن عبیدؓ گورنر مصر پراگندہ مو نظر آئے، ایک شخص نے اسکی

---

[1] ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ، [2] ایضاً کتاب اللباس باب فی غسل الثوب وفی الخلقان، [3] ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی النظافۃ،

وجہ پوچھی تو بولے کہ رسول اللہ صلعم ہمکو بہت زیادہ عیش پسندی سے منع فرماتے تھے، اون کے پاؤں میں جوتہ بھی نہ تھا، اوس نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ رسول اللہ صلعم ہملوگوں کو کبھی کبھی برہنہ پا رہنے کا بھی حکم دیتے تھے[1]؛

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ جن حدیثوں میں صاف ستھرے کپڑے پہننے کا حکم ہے، اوس سے مقصود یہ ہے کہ بدوؤں اور وحشیوں کی عادتوں کو چھوڑ کر صفائی اور ستھرائی اختیار کرنی چاہئے اور جو حدیثیں اس کے مخالف ہیں اون سے بہت زیادہ تکلف، نمایش اور فخر و غرور کا روکنا مقصود ہے، اس لئے ان میں کوئی تعارض نہیں[2]؛

آداب اکل و شرب، (۱) کھانے کے بعد ہاتھ ضرور دھو لینا چاہئے، کیونکہ اگر ہاتھ میں کھانے کی چکنائی باقی رہ گئی تو ممکن ہے کہ اوس کی بو پا کر کوئی زہریلا جانور ہاتھ میں کاٹ لے اسی مصلحت کو رسول اللہ صلعم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا؛

جو شخص سو گیا اور اوس کے ہاتھ میں گوشت وغیرہ کی چکنائی باقی رہ گئی جسکو اوس نے نہیں دھویا اور اس حالت میں اوس کو کوئی صدمہ پہنچ گیا تو وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے[3]؛

(۲) کھانے کے بعد پہلے انگلیوں کو خوب چاٹ کر پھر اوس کو رومال سے پونچھ لینا چاہئے، یہ ابوداؤد کی روایت ہے[4] جس میں بہ تصریح مندیل یعنی رومال کا لفظ آیا ہے لیکن صحیح بخاری کی روایت میں یہ لفظ نہیں ہے بلکہ اوس کی روایت میں بہ تصریح مذکور ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں رومال کا رواج نہ تھا، بلکہ وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے پاؤں اور

---

[1] ابوداؤد اول کتاب الترجل، [2] حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۲، [3] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی غسل الید من الطعام، [4] ایضاً باب فی المندیل، [5] بخاری کتاب الاطعمہ باب المندیل،

تلوؤں سے پونچھ لیتے تھے[1] لیکن بہر حال کھانے کے بعد پہلے انگلیوں کو چاٹ کر ہاتھ کو پونچھ لینا چاہیئے،

(۳) کھانے سے پہلے بسم اللہ کر لینا چاہیئے، ایک بار آپ کھانا کھا رہے تھے، کہ اسی حالت میں ایک لڑکی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، لیکن رسول اللہ صلعم نے اوسکا ہاتھ پکڑ لیا، اس کے بعد ایک بدو آیا اور اسی طرح کھانے میں ہاتھ ڈالنا چاہا، آپ نے اس کا ہاتھ بھی پکڑ لیا اور فرمایا،

جس کھانے پر خدا کا نام نہیں لیا جاتا شیطان اوس کو اپنے لئے جائز کر لیتا ہے[2]

(۴) داہنے ہاتھ سے کھانا پینا چاہیئے، چنانچہ فرمایا،

تم میں کوئی شخص نہ بائیں ہاتھ سے کھائے نہ بائیں ہاتھ سے پئے کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا پیتا ہے[3]،

(۵) کھانا برتن کے اوس حصہ سے کھانا چاہیئے جو آدمی کے قریب ہو کیونکہ بدتمیزی کے علاوہ اس سے حرص و آز کا بھی پتہ چلتا ہے، چنانچہ حضرت عمر ابن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ

میں بچپن میں رسول اللہ صلعم کے زیر تربیت تھا، اور کھانے میں میرا ہاتھ پیالے کے ہر حصے میں پڑتا تھا، لیکن آپ نے فرمایا کہ بسم اللہ کرو، اپنے داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور پیالہ کے اوس حصہ سے کھاؤ جو تمہارے متصل ہو[4]،

(۶) کھانا برتن کے کنارے سے کھانا چاہیئے، بیچ سے نہیں کھانا چاہیئے، کیونکہ اس سے بھی حرص و آز کا پتہ چلتا ہے، اور حریص آدمی کبھی سیر نہیں ہوتا، اور اسی کو آپ نے برکت

---

[1] بخاری کتاب الاطعمہ باب المندیل،
[2] مسلم کتاب الاشربہ باب آداب الطعام والشراب واحکامہما [3] ایضاً باب ایضاً، [4] بخاری کتاب الاطعمہ باب التسمیۃ علی الطعام والاکل بالیمین،

سے تعبیر کیا ہے، اور فرمایا:۔

پیالے کے نیچے سے کھاؤ اوس کے اوپر سے نہ کھاؤ اس میں برکت ہوگی[1]

(۷) اگر کسی کو کسی کے ساتھ کھجور کھانے کا اتفاق ہو تو اپنے شریک طعام کی اجازت کے بغیر دو دو کھجور ایک ساتھ نہیں کھانا چاہئے[2]، کیونکہ ایک تو اس سے اون کی حق تلفی ہوگی، دوسرے اس طریقہ سے حرص و آز کا اظہار ہوگا، اور ایسی حالت میں اوس کو خوب چبا کر بھی نہیں کھایا جا سکتا، اس لئے طبی حیثیت سے بھی اس میں نقصان ہے، انگور وغیرہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں،

(۸) اگر چند لوگ ساتھ رہتے ہوں تو کھانا ایک ساتھ کھانا چاہئے، ایک بار صحابہؓ نے آپ سے شکایت کی کہ ہم لوگ کھاتے ہیں تو سیر نہیں ہوتے، فرمایا غالباً تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، صحابہ نے کہا ہاں، ارشاد ہوا،

"ایک ساتھ کھاؤ اور خدا کا نام لیکر کھاؤ تو برکت ہوگی"[3]

(۹) کھانا تکیہ وغیرہ کی ٹیک لگا کر نہیں کھانا چاہئے، اور کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہئے، رسول اللہ صلعم کا یہی طریقہ تھا،

(۱۰) اگر مجلس میں چند لوگ ہوں اور کھانے پینے کی کوئی چیز دینا ہو تو اس کا سلسلہ بہ ترتیب دائیں جانب سے شروع ہونا چاہئے، مہذب قوموں کا یہی طریقہ ہے اور عرب میں بھی اسی کا رواج تھا، اور رسول اللہ صلعم نے بھی اس مہذب طریقہ کو قائم رکھا، اور ایک صحبت میں جس میں آپ کے دائیں جانب ایک بدو اور بائیں جانب حضرت ابوبکرؓ

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب ماجاء فی الاکل من اعلی الصحفہ [2] ترمذی کتاب الاطعمہ باب ماجاء فی کراهیة القرآن بین التمرتین، [3] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی الاجتماع علی الطعام،

بیٹھے ہوئے تھے، جب آپ کے سامنے دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا، تو آپ نے اُس کو پی کر بقیہ حصہ بدو کو دیا اور فرمایا،

"الایمن فالایمن یعنی پہلے دائیں سے پھر دائیں سے[1]"

(۱۱) کھڑے کھڑے کھانا پینا مناسب نہیں، حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں،

"رسول اللہ صلعم نے کھڑے کھڑے پانی پینے کی ممانعت فرمائی۔"[2]

اس پر اون سے سوال کیا گیا کہ کھانے کا کیا حکم ہے؟ بولے کھڑے ہو کر کھانا تو اور برا ہے

(۱۲) پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہیں لینی چاہیئے، کیونکہ ممکن ہے کہ اس حالت میں ناک یا منہ سے بلغم یا تھوک نکل کر پانی میں پڑ جائے، اور اس سے کراہت پیدا ہو، اس کے علاوہ منہ یا معدے کے مختلف حالات کا جو اثر تنفس پر پڑتا ہے وہ پانی پر بھی پڑ سکتا ہے، ان وجوہ سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا،

"جب تم میں کوئی پانی پئے تو برتن میں سانس نہ لے۔"[3]

(۱۳) پانی ٹھہر ٹھہر کر تین سانس میں پینا چاہیئے، رسول اللہ صلعم کا یہی طریقہ تھا اور آپ نے اسکی وجہ بھی بیان فرمادی یعنی یہ کہ

"یہ طریقہ زیادہ گوارا، تشفی بخش اور محفوظ ہے"[4]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا

"ایک بار میں اونٹ کی طرح پانی نہ پیو بلکہ دو یا تین بار میں پیو۔"[5]

---

[1] بخاری کتاب الاشربہ باب الایمن فی الشرب، [2] مسلم کتاب الاشربہ باب آداب الطعام والشراب واحکامہما، [3] بخاری کتاب الاشربہ باب النھی عن التنفس فی الاناء [4] مسلم کتاب الاشربہ باب کراھیۃ التنفس فی نفس الاناء واستحباب التنفس ثلاثاً خارج الاناء [5] ترمذی کتاب الاشربہ باب ماجاء فی التنفس فی الاناء،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ طریقہ تہذیب انسانی کے خلاف ہے،

(۱۴) پانی مشکیزے کے دہانے سے نہیں پینا چاہیئے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اسی طرح مشکیزے کے دہانے سے پانی پیا تو اس کے پیٹ میں سانپ چلا گیا، اس موقع پر رسول اللہ صلعم نے اسکی ممانعت فرمائی[1]،

آداب نشست و برخاست (۱) مجلس میں پہنچنے کے بعد کسی شخص کو اُٹھا کر اسکی جگہ نہیں بیٹھنا چاہیئے چنانچہ آپ نے فرمایا،

"تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کو اُٹھا کر اوسکی جگہ خود نہ بیٹھے"[2]

(۲) بلکہ اگر وہ خود کسی ضرورت سے اُٹھ کر چلا جائے تب بھی اس کی جگہ محفوظ رہتی ہے، فرمایا:-

"آدمی اپنی نشستگاہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے، اگر وہ کسی ضرورت سے اُٹھ جائے اور پھر واپس آئے تو وہ اپنی نشستگاہ کا مستحق رہتا ہے"[3]

(۳) اگر کسی مجلس میں دو شخص باہم مل کر بیٹھے ہوئے ہوں تو اون کی اجازت کے بغیر دونوں کو الگ کرنا جائز نہیں[4]، کیونکہ اکثر دو بے تکلف آدمی اس طرح بیٹھتے ہیں، اور بعض اوقات پرائیویٹ باتیں کرتے ہیں، اس لئے اون کا الگ کر دینا اون کی وحشت اور کدورت کا سبب ہوتا ہے،

(۴) وسط مجلس میں بھی بیٹھنا نہیں چاہیے، اسی بنا پر جب ایک شخص وسط مجلس میں

---

[1] بخاری کتاب الاشربہ باب اختناث الاسقیہ مع فتح الباری، [2] ترمذی ابواب الاستئذان باب ماجاء فی کراھیۃ ان یقام الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ، [3] ایضاً باب ماجاء اذا قام الرجل من مجلسہ ثم رجع فھو احق بہ، [4] ایضاً باب ماجاء فی کراھیۃ الجلوس بین الرجلین بغیر اذنھما،

بیٹھا تو حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ :-

"جو شخص وسط حلقہ میں بیٹھا اسپر خداوند تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلعم کی زبان سے لعنت بھیجی ہے"[1]

(۵) اگر کسی نے اپنے بیٹھنے کے لئے اپنے گھر میں کوئی خاص جگہ بنائی ہو اور وہاں فرش یا تخت وغیرہ بچھایا ہو تو اسکی اجازت کے بغیر وہاں نہیں بیٹھنا چاہیئے[2]

(۶) ان آداب کی پابندی کے بعد نتیجہ یہ نکلا کہ مجلس میں آدمی جہاں پہنچ جائے وہیں بیٹھ جانا چاہیئے، صحابہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلعم کی مجلس میں جاتے تھے تو اسیطرح بیٹھتے تھے[3]

(۷) امراء و سلاطین کے درباروں میں جیسا کہ سلاطینِ عجم کے یہاں دستور تھا لوگوں کو امراء کے اردگرد نہیں کھڑا رہنا چاہیئے، ایک بار حضرت معاویہؓ کی تعظیم کے لئے ایک شخص کھڑے ہو گئے تو اُنھوں نے کہا کہ بیٹھ جاؤ،

"کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ اُس کے سامنے کھڑے رہیں اوس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنانا چاہیئے"[4]

(۸) عام گذرگاہوں میں نہیں بیٹھنا چاہیئے، رسول اللہ صلعم نے اُس کی ہدایت فرمائی تو صحابۂ کرام نے کہا کہ ہم گھر میں تو بیٹھے نہیں رہ سکتے فرمایا اگر ایسا ہی ہے تو راستہ کا حق ادا کرتے رہو یعنی نگاہ نیچی رکھو، سلام کا جواب دو، راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دو، نیکی کا حکم دو اور بُری چیزوں سے روکو[5]

(۹) مجلس میں پہنچ کر پہلے سلام کر لینا چاہیئے، پھر جب اُٹھنے کی نوبت آئے تو

---

[1] ترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی کراھیۃ القعود وسط الحلقہ، [2] ایضاً باب [3] ادب المفرد باب مجلس الرجل حیث انتھی، [4] ابو داؤد کتاب الادب باب فی قیام الرجل للرجل، [5] ادب المفرد باب مجالس الصعدات،

اسی طرح سلام کر کے اُٹھنا چاہیئے[۱]

آداب ملاقات | (۱) باہمی ملاقات کے وقت اظہار محبت کے لئے بعض مخصوص فقروں کے کہنے کا رواج تمام قوموں میں تھا، اہل عرب اس موقع پر "انعم اللہ بک عینا" اور "انعم اللہ بک صباحا" کہتے تھے، امرار و سلاطین کیلئے دوسرے الفاظ تھے، ایرانی "ہزار سال بزی" کا فقرہ کہتے تھے، رسول اللہ صلعم نے اس کے بجائے "السلام علیکم" کہنے کی ہدایت فرمائی جو انبیار کا متفقہ طریقہ تھا، اور مدینہ میں آنے کے ساتھ آپ نے جو اخلاقی تعلیمات دیں اون کا پہلا فقرہ یہ تھا،

"لوگو! باہم سلام کو رواج دو[۲]"

ایک حدیث میں اس کا اجتماعی فائدہ بھی بتا دیا اور فرمایا،

"اوس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لاؤگے، اور جب تک باہم محبت نہ رکھوگے تم ایمان نہ لاؤگے، کیا میں تم کو ایسی بات بتاؤں کہ جب اوس پر عمل کرو تو باہم محبت کرنے لگو؟ یعنی باہم سلام کرنے کو رواج دو[۳]"

سلام کرنے کے لئے شناسا و غیر شناسا کی تخصیص نہیں[۴]، مرد عورت اور بچے کی تفریق نہیں[۵]، اگر کسی مجلس میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مذہب کے لوگ بھی شریک ہوں تو سلام کرنے میں مضائقہ نہیں، ایکبار ایک مجلس میں مسلمانوں کے ساتھ یہود بھی شریک تھے، رسول اللہ صلعم کا گذر

---

[۱] ترمذی کتاب الاستیذان باب التسلیم عند القیام و القعود، [۲] ترمذی ابواب الزہد، [۳] ترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی افشاء السلام [۴] بخاری کتاب الاستیذان باب السلام للمعرفۃ وغیر المعرفۃ [۵] ایضاً باب التسلیم علی الصبیان و باب تسلیم الرجال علی النسأ والنسأ علی الرجال،

ہوا تو آپ نے سب کو سلام کیا[1]،

خود اپنے گھر کے اندر بھی سلام کر کے جانا چاہئے، چنانچہ آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ

"جب اپنے گھر میں جاؤ تو سلام کر لیا کرو، یہ تمھارے اور تمھارے گھر والوں کے لئے موجب برکت ہوگا[2]"

اگر سلام پر اور الفاظ مثلاً رحمۃ اللہ اور برکاتہ وغیرہ کا اضافہ کر لیا جائے تو یہ اور بھی موجب ثواب ہے[3]،

سلام کرنے میں رسول اللہ صلعم نے دو اصول ملحوظ رکھے ہیں، ایک تو ادب و احترام کا لحاظ اور اس اصول کی بنا پر آپ کی تعلیم یہ ہے کہ

"چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا، بیٹھنے والے کو، اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں"

دوسرے یہ کہ اس سے تواضع و خاکساری کا اظہار ہو، اور اس اصول کی بنا پر آپ کا حکم ہے کہ

"سوار پیدل چلنے والے کو اور پیدل چلنے والا بیٹھنے والے کو سلام کرے[4]"

(۲) دوستوں کی ملاقات کے وقت سلام کے علاوہ اظہارِ محبت کا دوسرا ذریعہ مصافحہ ہے، اگرچہ اظہارِ محبت کے اور ذرائع بھی ہو سکتے ہیں، چنانچہ ایک صحابی نے آپ سے

---

[1] ترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی السلام علی مجلس فیہ المسلمون وغیرہم [2] ایضاً باب فی التسلیم اذا دخل بیتہ [3] ایضاً باب ماذکر فی فضل السلام [4] ایضاً باب ماجاء فی تسلیم الراکب علی الماشی،

دریافت کیا کہ:

"ہم میں سے کوئی جب اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھک جائے، کیا اس سے لپٹ جائے اور اوس کا بوسہ لے، کیا اوس کا ہاتھ پکڑ کر اُس سے مصافحہ کرے"

لیکن آپ نے پہلی دونوں باتوں کی اجازت نہیں دی، صرف مصافحہ کرنے کا حکم دیا[1]، تاہم مخصوص حالات میں معانقہ و بوسہ کی بھی اجازت ہے، چنانچہ ایک بار حضرت زیدؓ ابن حارثہ مدینہ میں آئے اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ وارفتگی کی حالت میں اون کی طرف بڑھے، اور گلے سے لگا کر اون کا بوسہ لیا،[2]

(۳) ملاقات کے وقت مرحبا یا خوش آمدید کا کہنا بھی مناسب ہے، اور خود رسول اللہ صلعم نے بعض موقعوں پر یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں،[3]

(۴) ملاقات یا کسی اور کام کے لئے کسی کے گھر جانے کی ضرورت ہو تو صاحب خانہ سے اندر آنے کی اجازت لے لینا چاہئے، اور اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام کر کے کہے کہ میں اندر آسکتا ہوں؟[4] اگر تین بار سلام کرنے کے بعد اجازت نہ ملے تو واپس جانا چاہئے،[5] اجازت لینے کی مصلحت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے گھر میں بلا اجازت چلا جائے تو ممکن ہے کہ اوس کی نگاہ ایسی چیزوں پر پڑ جائے جس کا دیکھنا صاحب خانہ کو گوارا نہ ہو، اسی لئے اگر کسی کے گھر جانے کا اتفاق ہو تو دروازے کے سامنے نہیں کھڑا ہونا چاہئے، ایک بار ایک

---

[1] ترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی المصافحۃ، [2] ایضاً باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ، [3] ایضاً باب ماجاء فی مرحبا، [4] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الاستیذان [5] ترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی ان الاستیذان ثلاث،

شخص نے رسول اللہ صلعم کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ دروازہ کے دائیں بائیں کھڑے ہو کر اجازت طلب کرو، کیونکہ اجازت لینے کا مقصد یہ ہے کہ گھر کے اندر نگاہ نہ پڑنے پائے[1]، البتہ اگر کسی شخص کو صاحب خانہ آدمی بھیجکر بلائے اور وہ آدمی کے ساتھ آئے تو اوس کو اجازت لینے کی ضرورت نہیں[2]،

آداب گفتگو (۱) گفتگو نہایت وضاحت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کے کرنی چاہئے، حضرت جابر ابن عبد اللہ رضؓ فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلعم کی گفتگو میں ترتیل و ترسیل پائی جاتی تھی"

یعنی آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، اسی مفہوم کو حضرت عائشہؓ اس طرح بیان کرتی ہیں :-

"رسول اللہ صلعم کا کلام ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتا تھا جس کو سن کر ہر شخص سمجھ لیتا تھا[3]"

"رسول اللہ صلعم گفتگو کرتے تھے تو اگر کوئی چاہتا تو آپ کے ہر لفظ کو گن سکتا تھا[4]"

(۲) گفتگو یا تقریر میں اختصار سے کام لینا چاہئے، ایک بار ایک شخص نے ایک طویل تقریر کی تو حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا کہ اگر وہ میانہ روی سے کام لیتا تو اسکے لئے بہتر ہوتا، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ

"مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ گفتگو میں اختصار کروں، کیونکہ اختصار بہتر ہی"

(۳) گفتگو اور تقریر کو تصنع و تکلف سے خالی ہونا چاہئے، اکثر واعظوں کا دستور ہی

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الاستیذان [2] ایضاً باب فی الرجل یدعے ایکون ذلک اذنہ، [3] ایضاً باب الہدی فی الکلام [4] ابوداؤد کتاب العلم باب فی سرد الحدیث،

کہ فخر و مباہات یا جاہ و شہرت یا لوگوں پر اثر ڈالنے کے لئے مسجع ومقفی تقریر کرتے ہیں اور
اور تکلف و تصنع سے کام لیتے ہیں، رسول اللہ صلعم نے ان طریقوں کو ناپسند کیا اور فرمایا،

"خدا اوس بلیغ آدمی کو مبغوض رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح توڑتا
مڑوڑتا ہے، جس طرح بیل گھاس کھانے میں اپنی زبان کو توڑتا مڑوڑتا ہے۔"
"جو شخص اسلوبِ بیان کو اس لئے ادلتا بدلتا ہے کہ اوس کے ذریعہ سے لوگوں
کو اپنا گرویدہ بنائے خدا قیامت کے دن اس کی توبہ اور اس کے فدیہ کو نہیں قبول کریگا"[1]

(۴) نماز عشا کے بعد بات چیت نہیں کرنی چاہئے،[2] اہلِ عرب کا دستور تھا کہ چاندنی راتوں میں کھاپی کر فارغ ہوتے تھے تو کسی کھلے مقام میں بیٹھکر باہم قصہ گوئی یا دل بہلاؤ کی باتیں کرتے تھے، جس کا اصطلاحی نام مسامرہ تھا، آپ نے اسکی ممانعت فرمائی،

(۵) اگر تین شخص ایک صحبت میں ہوں تو ایک سے الگ ہو کر دو شخصوں کو باہم سرگوشی نہیں کرنی چاہئے، اور حدیث میں آپ نے اس کی یہ وجہ بیان فرمائی ہو کہ اس سے اُسکو رنج ہوگا،[3] کیونکہ اولاً تو اوس کے دل میں یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ یہ گفتگو میرے ہی متعلق ہو رہی ہے، دوسرے وہ یہ سمجھے گا کہ مجھ کو گفتگو سے اس لئے الگ رکھا گیا ہو کہ میں گفتگو کے قابل نہیں،

آدابِ خواب | (۱) نماز عشا سے پہلے نہیں سونا چاہئے، اور اسکے بعد بات چیت نہیں کرنا چاہئے،[4]

(۲) سونے سے پہلے وضو کر لینا چاہئے پھر دائیں پہلو پر لیٹنا چاہئے، اس میں بہت سے جسمانی اور روحانی فائدے ہیں،

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ما جاء فی المتشدق فی الکلام،

[2] ایضاً باب النھی عن السمر بعد العشا [3] ایضاً باب فی التناجی،

[4] ایضاً باب النھی عن السمر بعد العشا،

(۳) سونے سے پہلے بستر کو جھاڑ لینا چاہئے تاکہ گرد و غبار یا اور کوئی موذی جانور بستر پر نہ رہنے پائے[۱]،

(۴) پیٹ کے بل نہیں سونا چاہئے، ایک بار رسول اللہ صلعم نے ایک صحابی کو اسی طرح سوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا سونے کا یہ طریقہ خدا کو ناپسند ہے[۲]،

(۵) ایسی کھلی ہوئی چھت پر نہیں سونا چاہئے جس پر جالی یا منڈیر نہ ہو کیونکہ ایسی حالت میں زمین پر گر جانے کا خوف ہے[۳]،

(۶) ایک پاؤں کو اُٹھا کر اس پر دوسرے پاؤں کو رکھکر نہیں سونا چاہئے[۴]، کیونکہ عرب کے لوگ زیادہ تر تہ بند باندھتے تھے، اس لئے اس حالت میں کشفِ عورت کا احتمال تھا،

(۷) سوتے وقت دروازہ بند کر لینا چاہئے، کھانے پینے کے برتن کو ڈھانک دینا چاہئے، چراغ اور آگ کو بجھا دینا چاہئے، کیونکہ عرب میں لوگ مٹی کے دیئے جلاتے تھے اس لئے چوہے جلتی ہوئی بتیوں کو اُٹھا لے جاتے تھے اور اس حالت میں گھر میں آگ لگ جانے کا اندیشہ تھا، ایک بار مدینہ کے ایک گھر میں آگ لگ گئی اور رسول اللہ صلعم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو فرمایا آگ تمہاری دشمن ہے، اس لئے جب سو و تو اسکو بجھا دیا کرو[۵]،

چلنے پھرنے کے آداب، (۱) آدمی کو ہمیشہ جوتا پہن کر چلنا چاہئے، ایک پاؤں میں جوتا پہن کر اور دوسرے کو برہنہ رکھکر نہیں چلنا چاہئے، چنانچہ رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الادب باب مایقال عند النوم، [۲] ایضاً باب فی الرجل ینبطح علی بطنہ
[۳] ایضاً باب فی النوم علی سطح غیر محجر، [۴] ترمذی ابواب الاستیذان باب ما جاء فی کراھیۃ ذالک
[۵] بخاری کتاب الاستیذان باب لا یترک النار فی البیت عند النوم و باب غلاق الابواب باللیل،

"تم میں کوئی شخص ایک جوتہ پہن کر نہ چلے، یا دونوں پاؤں میں جوتا پہنے یا دونوں کو برہنہ رکھے"[1]

اولاً تو یہ تہذیب و شائستگی کے خلاف ہے، دوسرے یہ کہ جوتا یا موزہ اس لئے پہنا جاتا ہے کہ پاؤں کانٹے، کنکر، پتھر، نجاست اور گرد و غبار سے محفوظ رہیں، اور ایک پاؤں میں جوتا پہن کر چلنے سے یہ مقصد حاصل نہ ہوگا، اور دوسرا پاؤں ان چیزوں سے محفوظ نہ رہیگا، تیسرے یہ کہ اس حالت میں جسم کا توازن قائم نہ رہ سکے گا، اور آدمی ٹھوکر کھا کر گر پڑیگا،

(۲) راستہ میں مردوں اور عورتوں کو مل جل کر نہیں چلنا چاہیے،[2]

متفرق آداب، انسان کی بعض جسمانی حالتیں ادب و تہذیب کے خلاف ہوتی ہیں مثلاً جمھائی لینے میں انسان کا منہ کھل جاتا ہے، اور چہرے کی ہیئت بدل کر ایک مضحکہ انگیز شکل بنجاتی ہے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اس بدنمائی کے دور کرنے کے لئے مختلف آداب مقرر فرمائے، مثلاً جمھائی کی نسبت فرمایا،

(۱) "جب تم میں کسی کو جمھائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو اوس کو روکے اور ہاہ ہاہ نہ کہے، کیونکہ یہ شیطان کا کام ہے جس سے وہ ہنستا ہے"

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں خاص طور پر جمھائی کو روکنا چاہیے،

(۲) اگر جمھائی کو نہ روک سکے تو کم از کم اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے،[3]

(۳) چھینکنے کے وقت منہ کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھانک لینا چاہیے، تا کہ چھینک کی آواز پست ہو جائے، رسول اللہ صلعم کا یہی طریقہ تھا،[4]

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب فی الانتعال، [2] ابوداؤد کتاب الادب باب فی مشی النساء فی الطریق
[3] ایضاً باب ماجاء فی التثاوب، [4] ایضاً باب فی العطاس،

(۴) چھینکنے کے بعد چھینکنے والے کو الحمد اللہ اور دوسرے لوگوں کو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا چاہیے،[1]

ان صورتوں کے علاوہ تہذیب و وقار کی سینکڑوں صورتیں ہیں جن کا استقصا نہیں کیا جا سکتا، اسلئے شریعت نے تمام حالات میں عمدہ اور معتدل روش کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی کی تعبیر مختلف الفاظ سے کی ہے، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ،

"عمدہ روش، وقار اور میانہ روی نبوت کے ۲۴ اجزا میں سے ایک جزو ہے"[2]

"عمدہ روش، عمدہ طریقہ، اور میانہ روی نبوت کے ستر اجزا میں سے ایک جزو ہے"[3]

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی تشمیت العاطس، [2] ترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی التانی والعجلۃ، [3] ادب المفرد باب الھدی والسمت الحسن،
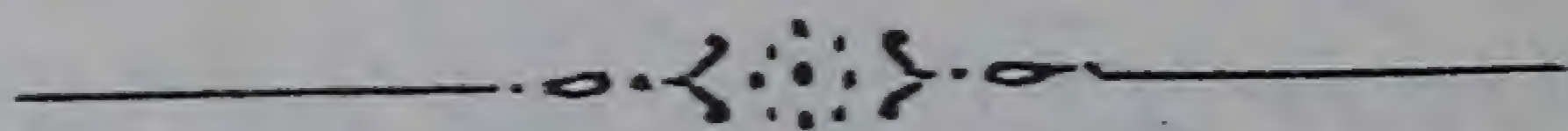
مکارم و فضائل

یعنی

زاہدانہ اخلاق

یہ آداب و اخلاق اجتماعی اور معاشرتی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن ان کے علاوہ رسول اللہ صلعم نے چند انفرادی اخلاق کی تعلیم بھی دی ہے، جن کو ہمارے محدثین نے ایک مستقل کتاب میں جس کو وہ کتاب الزہد والرقاق کے نام سے موسوم کرتے ہیں بیان کیا ہے، یہی اخلاق ہیں جو مسلمانوں کی اخلاقی تاریخ میں صوفیہ کرام اور زہد پیشہ اشخاص کی فضیلت کا معیار قرار دئے گئے ہیں، اور انہی کو ان بزرگوں نے اخلاقی کتابوں میں پھیلا کر لکھا ہے، لیکن ان اخلاق کے ساتھ محدثین کرام نے کتاب الزہد والرقاق میں اور بھی بہت سی باتیں جمع کر دی ہیں، جن سے انسان کے دل میں خشیتِ الٰہی اور ترکِ دنیا کی ترغیب پیدا ہوتی ہو، مثلاً:-

(۱) ان کا بڑا حصہ تو واقعاتِ قیامت حشر و نشر، دوزخ و جنت اور حور و قصور سے تعلق رکھتا ہو،

(۲) ایک حصہ رسول اللہ صلعم، صحابۂ کرام اور اصحابِ صفہ کی معیشت اور اُن کے

فقر وفاقہ سے متعلق ہی،

(۳) ایک حصہ اجتماعی اخلاق پر مشتمل ہے، مثلاً پڑوسیوں کے ساتھ سلوک کرنا، جو چیز اپنے لئے پسند کرنا وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرنا، غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ دینا، اقربا کی مالی امداد کرنا، صدقہ دینا، ظلم پر صبر کرنا، ریا وسمعہ سے بچنا، لوگوں کی مداحی نہ کرنا، زبان کو قابو میں رکھنا، بھوکے اور پیاسے مسلمانوں کو کھلانا پلانا اور ننگے مسلمانوں کو کپڑا پہنانا، تواضع اور نرمخوئی اختیار کرنا، غلاموں اور ضعیفوں کے ساتھ لطف واحسان سے پیش آنا، لیکن ہمارے محدثین نے ان کو کتاب الزہد والرقاق میں ایک تو اس لئے درج کیا ہی کہ ان اخلاق سے رفعت، تمکنت، اور قوت کا اظہار نہیں ہوتا، اور ان میں جاہ طلبی اور شہرت پرستی کا شائبہ موجود نہیں، بلکہ ان سے ایثار، مسکینیت اور نرمی کا اظہار ہوتا ہی، اس لئے اس قسم کے محاسنِ اخلاق زہد پیشہ اشخاص کے لئے زیادہ موزوں ہیں، دوسرے یہ کہ خود رسول اللہ صلعم نے ان کو واعظانہ اور زاہدانہ رنگ میں بیان کیا ہے، مثلاً آپ نے ایک بار صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے کہا کہ مفلس وہ ہے جس کے پاس روپیہ اور سامان نہ ہو، ارشاد ہوا میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ کو لے کر آئیگا، لیکن اُسی کے ساتھ اوس نے کسی کو گالی دی ہی، کسی پر اتہام لگایا ہی، کسی کا مال کھایا ہی، کسی کا خون بہایا ہی، کسی کو مارا ہے، تو ان میں سے ہر ایک اُسکے بدلے میں اوس کی نیکیوں کو لے لیگا، لیکن اگر اوس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور ان جرائم کا پورا بدلہ نہ ہوسکا، تو ان لوگوں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دئیے جائیں گے، پھر وہ آگ میں ڈالدیا جائیگا،

(۴) ان موثر باتوں کے ساتھ کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جن کو سلبی اور انفرادی اخلاق

سے تعلق ہے، مثلاً :۔

" کھیتی باڑی نہ کرو جس سے تمھارے دل میں دنیوی ترغیب پیدا ہو "

" آدمی کا حق صرف چند چیزوں میں ہی، رہنے کے لئے ایک گھر ستر پوشی کیلئے ایک کپڑا کھانے کے لئے خشک روٹی اور پانی "

" اگر تم لوگ خدا پر پوری طرح توکل کرتے، تو تم کو اوسی طرح روزی ملتی جیسے چڑیوں کو ملتی ہی، کہ صبح کو بھوکی جاتی ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر آتی ہیں "

" میرے دوستوں میں سب سے زیادہ قابلِ رشک وہ مسلمان ہی، جس کے اہل و عیال اور دولت و مال نہ ہوں اور لوگوں میں گمنام ہو اور انگلیوں سے اسکی طرف اشارہ نہ کیا جائے، اور اسکی روزی تھوڑی ہو جس پر وہ صبر کرے "

" جو شخص اسلام لایا اور بقدر سد رمق روزی پائی اور خدا نے اُس کو قناعت دی وہ کامیاب ہوا "

" جب خدا کسی قوم سے محبت کرتا ہی تو اوس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہی تو جو شخص مصیبت پر راضی ہوا اوس سے خدا بھی راضی ہوتا ہی، اور جس شخص نے اوس سے کراہت ظاہر کی خدا بھی اوس سے ناراض ہو جاتا ہی "

" دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر رہتا ہی "

" اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتا "[1]

لیکن اولاً تو اس قسم کی اخلاقی تعلیمات پیغمبرانہ تعلیم کا لازمی جزو ہیں، دوسرے

[1] ترمذی ابواب الزہد،

وہ اسلام کی ابتدائی تاریخ سے نہایت گہرا تعلق رکھتی ہیں، کیونکہ مدینہ میں مسلمانوں کی تقسیم دو مختلف گروہوں میں ہوگئی تھی، ایک گروہ تو انصار کا تھا جو صاحبِ جائداد، صاحبِ مال، صاحبِ اقتدار اور صاحبِ جاہ تھا، اور دوسرا گروہ مہاجرین کا تھا جو گھر سے بالکل بے سروسامانی کی حالت میں نکلا تھا، اور مدینہ میں پہنچکر انصار کا دست نگر ہوگیا تھا، اور ان میں اصحاب صفہ کی زندگی اور بھی زیادہ بے سروسامانی کے ساتھ گذرتی تھی، اس بنا پر انصار کے مقابل میں مہاجرین کو اپنی حیثیت نہایت حقیر نظر آتی تھی، اور وہ مال وجائداد کو نہ صرف دنیوی حیثیت سے بلکہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے بھی ایک قابلِ رشک چیز سمجھتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم جس قوم کے مہمان ہوئے ہیں ہم نے اوس سے زیادہ فیاض اور اُس سے زیادہ ہمدرد کسی قوم کو نہیں دیکھا، وہ خود محنت کرتی ہے اور محنت کے ثمرے میں ہمکو شریک کرلیتی ہے، ہمکو خوف ہے، کہ آخرت کا کل ثواب وہی نہ حاصل کرلے[1]،

ایک اور حدیث میں ہے کہ فقراے مہاجرین نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ آخرت کے تمام درجے اور تمام نعمتوں کو دولت مند لوگ لے اڑے، کیونکہ جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ بھی اوسی طرح نماز پڑھتے ہیں، جس طرح ہم جہاد کرتے ہیں وہ بھی اوسی طرح جہاد کرتے ہیں، لیکن اون کو مزید فضیلت یہ حاصل ہے کہ وہ فاضل مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں، اور ہمارے پاس اس مقصد کے لئے مال نہیں،

---

[1] ترمذی ابواب الزہد،

اس بناپر رسول اللہ صلعم نے ان غریبوں کی تسکین وتشفی کے لئے اون کے اخروی درجہ کی حقیقی بلندی ظاہر فرمائی، فرمایا:۔

"فقرائے مہاجرین دولت مندوں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہونگے"

ایک بار رسول اللہ صلعم کے سامنے سے ایک شخص گذرے، ایک بزرگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے اون سے پوچھا کہ ان کی نسبت تمھاری کیا رائے ہے؟ بولے یہ بہت بڑے شریف آدمی ہیں اگر وہ کسی کے یہاں نکاح کا پیغام دیں تو خدا کی قسم نکاح کرنے کے قابل ہیں، اگر کسی کی سفارش کریں تو اس کے مستحق ہیں، کہ ان کی سفارش قبول کیجائے،، اس کے بعد اصحاب صفہ میں سے ایک بزرگ گذرے اور آپ نے ان کی نسبت بھی اون کی رائے طلب کی، بولے یہ تو فقرائے مسلمین میں سے ہیں اگر کہیں نکاح کا پیغام دیں تو نکاح کرنے کے قابل نہیں، اگر کسی کی سفارش کریں تو وہ سفارش نہ قبول کیجائے اور اگر بات کریں تو کوئی ان کی بات نہ سنے، آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ سطح زمین پر جو کچھ ہے یہ اون سب سے بہتر ہیں،

یہی حدیثیں ہیں جن سے محدثین نے فقر وفاقہ کی فضیلت پر استدلال کیا ہی، اور اسی سلسلہ میں ابتداے ہجرت کی فقیرانہ زندگی اور صحابہ و رسول اللہ صلعم کی غربت و افلاس کے متعلق حدیثیں درج کی ہیں، لیکن ان سے فقر وفاقہ کی تعلیم دینا مقصود نہ تھا، بلکہ اسلامی سوسائٹی میں ایک گروہ کے وقار کا قائم رکھنا مقصود تھا، لیکن اس فقیرانہ زندگی کے وقار کے قائم رکھنے کے لئے اور بھی چند اخلاقی تعلیمات کے دینے کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے فقرار کو یہ تعلیم دی،

،، دولت مندی سامان دنیوی کا نام نہیں بلکہ دولتمندی نام ہی دل کی بے نیازی کا"

"تم میں سے جب کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو مالی اور جسمانی حیثیت سے تم سے
بہتر ہو تو اوسی حالت میں ایسے شخص کو بھی دیکھ لے جو اوس سے کم درجہ کا ہو۔"
"جس بندے نے گداگری کا دروازہ کھولا اوس پر محتاجی کا دروازہ کھل گیا۔"
ترمذی نے آخر حدیث کو کتاب الزہد میں درج کیا ہے، لیکن گداگری کی ممانعت
کے متعلق اور بھی حدیثیں ہیں جن کو بخاری اور مسلم نے کتاب الزکوٰۃ میں بیان کیا ہے مثلاً
"اگر تم میں کوئی شخص اپنی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑی کا ایک گٹھر لاد کر لائے،
اور اوس کو فروخت کرے جس سے خدا اوس کی عزت و آبرو کو محفوظ کرے تو یہ
اُس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے، معلوم نہیں کہ وہ اسکو
دیتے بھی ہیں یا نہیں۔"
"جو شخص برابر لوگوں سے مانگتا رہتا ہے، وہ قیامت کے دن اس حال
میں آئے گا کہ اُس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا (یعنی آبرو باختہ ہو کر)۔"
"جو شخص مال جمع کرنے کے لئے سوال کرتا ہے، وہ آگ کی چنگاری کا سوال
کرتا ہے۔"
ان تعلیمات کے مطابق اعانت کے مستحق وہ آبرو باختہ اور پیشہ ور فقرا نہیں جو
ہر ایک کے دروازہ پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، بلکہ اعانت کے حقیقی مستحق وہ
حاجت مند ہیں جن کے پاس مال و دولت تو نہیں ہے لیکن وہ نہ لوگوں سے سوال
کرتے اور نہ اپنی احتیاج کو ظاہر ہونے دیتے، چنانچہ فرمایا:۔
"مسکین وہ نہیں ہے جو پھر پھر کر بھیک مانگتا ہے، اور دو ایک لقمے اور دو ایک
کھجور لے کر واپس جاتا ہے...... بلکہ مسکین وہ ہے، جس کے پاس دولت تو نہیں

ہے لیکن لوگوں کو اوس کی غربت معلوم بھی نہیں ہوتی کہ اس پر صدقہ کریں اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا۔"

لیکن اس قسم کے خوددار محتاجوں اور مسکینوں کی مالی امداد بہر حال فرض تھی، اس لئے اسلام نے زکوٰۃ کے فرض ہونے سے پہلے اون کی اعانت کے لئے ایک مستقل مالی نظام قائم کیا، جس کے رو سے دولتمندوں کے لئے زائد از ضرورت مال کا جمع کرنا منع تھا، اور ان کو یہ حکم تھا کہ اپنی ضرورت سے جو مال بچ جائے اوس کو محتاجوں کی اعانت و امداد اور اسلام کی تقویت میں صرف کریں، چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں

ویسألونك ماذا ینفقون قل العفو ○ (البقرہ - ۲۲)	یعنی اے پیغمبر لوگ تم سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کیا چیز خدا کی راہ میں صرف کریں تو اُن سے کہدو کہ جو مال تمھاری ضرورت سے بچ رہے اس کو خدا کی راہ میں صرف کرو۔

بعض محدثین کے نزدیک یہی حکم ہے، اور رسول اللہ صلعم نے غالباً ان حدیثوں میں دولتمندوں کو اسی حکم پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہی،

"آدم کا بیٹا کہتا ہی کہ میرا مال، میرا مال، حالانکہ تمھارا مال صرف وہی ہی جس کو تم نے صدقہ کرنے یا کھانے پہننے میں صرف کر دیا۔"

"اے آدم کے بیٹے، اگر تم زائد از ضرورت مال کو صرف کر دو تو وہ تمھارے لئے بہتر ہے، اور اگر اسکو روک لو تو وہ تمھارے لئے برا ہے، البتہ اگر سد رمق کیلئے مال کو اپنے پاس رکھ چھوڑو تو یہ کوئی قابلِ ملامت فعل نہیں، اور سب سے پہلے اون لوگوں سے ابتدا کرو جو تمھارے زیر کفالت ہیں، اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہی (یعنی دینا لینے سے بہتر ہے)

لیکن ان حدیثوں کو مال و دولت کی تحقیر سے کوئی تعلق نہیں ہی، بلکہ اُن کا مقصد اخلاقی اصول پر ایک ایسا مالی نظام قائم کرنا ہی جس کے ذریعہ سے تمام فقرا، ومساکین کی امداد ہو سکے، البتہ بعض حدیثوں میں آپ نے خود مال و دولت کو ایک فتنہ قرار دیا ہے،

"ہر اُمت کے لئے ایک فتنہ ہی، اور میری اُمت کا فتنہ مال ہی"

لیکن اس سے بھی نفس مال و دولت کی مذمت مقصود نہیں بلکہ اوس اخلاقی انقلاب کی روک تھام مقصود ہی جو مالی ترقی کے زمانہ میں رشک و منافست اور بغض و عداوت کے قالب میں ظاہر ہوتا ہی، اس لئے جس طرح پہلی حدیثیں اسلام کے ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں، اوسی طرح اس قسم کی حدیثیں اسلام کے آخری دور یعنی دورِ ترقی سے تعلق رکھتی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کتاب الزہد میں ہے کہ ایک بار آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کرکے کہا کہ جب روم و ایران کے ملک تمھارے لئے فتح ہو جائیں گے تو اس وقت تم کس قسم کی قوم ہو گے؟ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضؓ نے جواب دیا کہ ہم ویسے ہی ہونگے، جیسا کہ ہم کو خدا نے حکم دیا ہی، فرمایا "نہیں تم میں رشک پیدا ہوگا، پھر باہم حسد کروگے، پھر ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کروگے، اس کے بعد باہم دشمنی کرنے لگوگے، یعنی پہلے تو ہر شخص چاہے گا کہ مال و دولت کو خود سمیٹ لے، دوسرا نہ لینے پائے، اس کا نام منافست ہی، اور یہ حسد کا پہلا زینہ ہے، اس کے بعد باہم حسد کا آغاز ہوگا، اور ہر شخص چاہیگا کہ دوسرے کی دولت کو زوال ہو، اس سے عداوت کی ابتدا ہوگی، لیکن اوس کے آغاز میں کچھ نہ کچھ دوستانہ تعلقات باقی رہیں گے، پھر علانیہ دشمنی شروع ہو جائیگی، اور باہم لڑائیاں چھڑ جائیں گی،،

اس تشریح کے مطابق یہ زاہدانہ اخلاقی تعلیم اس اجتماعی اخلاقی تعلیم کی صورت میں

بدل جاتی ہے:۔

لاتباغضوا ولاتحاسدوا	نہ باہم ایک دوسرے سے بغض رکھو نہ باہم
ولاتدابروا وکونوا عباد اللہ	حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے الگ ہوجاؤ
اخوانا،	بلکہ خدا کے بندے اور بھائی بھائی بنجاؤ،

آپ نے دوسری حدیثوں میں بھی صحابہ کرام کو اسی اخلاقی خطرے سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہو، چنانچہ ایک بار جب حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ بحرین کا جزیہ لے کر آئے، اور انصار کو اون کے آنے کی خبر ہوئی تو آپ کے ساتھ نماز فجر میں شریک ہوئے، اور جب آپ نماز سے فارغ ہو کر پلٹے تو آپ سے اس مال کے تقسیم کرنے کا سوال کیا، آپ اون کی طرف دیکھکر مسکرائے اور فرمایا کہ "میں سمجھتا ہوں کہ تمکو ابو عبیدہ کے آنے کی خبر ہو گئی، اور تمکو معلوم ہو گیا کہ وہ کچھ لائے ہیں"؛ انصار نے کہا "ہاں یا رسول اللہ" فرمایا "مجھے تمہارے لئے فقر کا کوئی ڈر نہیں، صرف یہ ڈر ہے کہ دنیا تمہارے لئے کشادہ ہو جائے، جیسا کہ گذشتہ قوموں پر کشادہ ہو گئی تھی، اور تم اس کے لئے باہم رشک و منافست کرنے لگو جیسا کہ گذشتہ لوگوں نے کیا تھا، اور وہ تمکو دین سے برگشتہ کردے جیسا کہ اوس نے اگلے لوگوں کو دین سے برگشتہ کر دیا تھا" ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھکو زمین کے خزانے کی کنجیاں دی گئی ہیں، خدا کی قسم مجھ کو تمھاری نسبت یہ خوف نہیں ہو کہ میرے بعد شرک کروگے، صرف یہ خوف ہو کہ اس خزانے کے متعلق باہم رشک و منافست کروگے؛"

عہد رسالت اور عہد خلافت کے بعد جب دنیوی اغراض کے لئے خود مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر شخص کو صاف نظر آگیا کہ ان زاہدانہ اخلاق کی تعلیم انہی اجتماعی خطرات سے بچنے کے لئے دی گئی تھی، چنانچہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے

جو بنو اُمیہ کے ساتھ برسرِ جنگ تھے، مکہ میں ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ" لوگو! رسول اللہ صلعم فرماتے تھے کہ اگر انسان کو سونے سے بھرا ہوا ایک میدان دیدیا جائے تو وہ اسی قسم کے دوسرے میدان کا خواہشمند ہوگا، اور جب یہ دوسرا میدان بھی دیدیا جائے تو تیسرے کا طلبگار ہوگا، انسان کے پیٹ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے،، اون کی اس تقریر کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت خانہ جنگی کا جو سلسلہ قائم ہے، وہ صرف مالی حرص و آز کا نتیجہ ہے، اگر رسول اللہ صلعم کی اس اخلاقی تعلیم کی پابندی کیجاتی تو یہ خونریزیاں نہ ہوتیں،
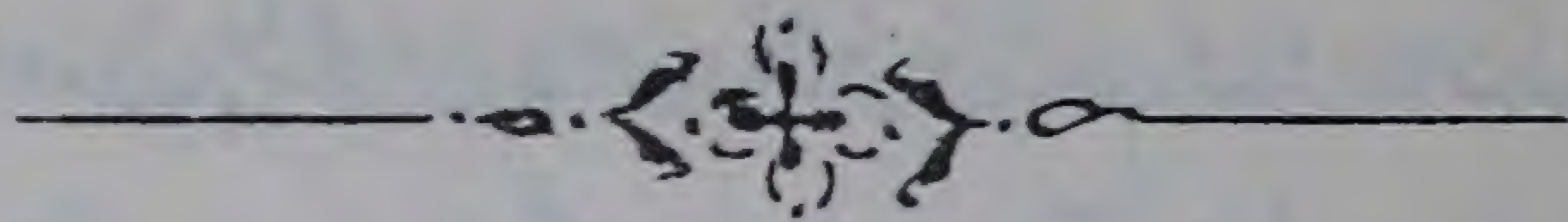
معاملاتی اخلاق

متعدد محاسنِ اخلاق ایسے ہیں جو خصوصیت کے ساتھ معاملات کیساتھ تعلق رکھتے ہیں، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو معاملات میں اُن کی پابندی کرتے ہیں، اسی بنا پر ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے کہ تاجروں کی اخلاقی حالت شرفا، اور بادشاہوں کی اخلاقی حالت سے پست ہوتی ہے، اسی لئے رؤسا تجارت کرنا پسند نہیں کرتے، لیکن رسول اللہ صلعم نے تجار اور اہلِ پیشہ کو جن محاسنِ اخلاق کی تعلیم دی ہے، اون کی پابندی سے تجارت اور حرفت کسی طبقہ کے لئے موجبِ ننگ وعار نہیں رہتی، چنانچہ ان محاسنِ اخلاق کی تفصیل حسب ذیل ہے :۔

(۱) انسان کو داد وستد اور تجارتی معاملات میں سخت گیر اور حریص نہیں ہونا چاہئے، چنانچہ فرمایا :۔

"خدا اوس شخص پر رحم کرے جو بیع وشرا اور تقاضے میں نرمی اختیار کرتا ہے"[1]

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، کہ "آپ نے اس حدیث کے ذریعہ سے معاملات میں نرمی اختیار کرنے، بلند اخلاقی سے کام لینے، بخل کے چھوڑ دینے کی ترغیب دی ہے، اور اس بات پر آمادہ کیا ہے کہ مطالبات میں لوگوں کو تنگ نہ کیا جائے" اور اُن سے صرف زائد از ضرورت مال لیا جائے، لیکن اسی کے ساتھ دولتمند شخص کو

[1] بخاری کتاب البیوع باب السھولة والسماحة فی الشراء والبیع ومن طلب حقا فلیطلبہ فی عفاف

بھی واجب رقم کے ادا کرنے میں پس وپیش نہیں کرنا چاہئے، اسی لئے فرمایا کہ دولتمند شخص کا ٹال مٹول ظلم ہے[1]،

(۲) تجارتی معاملات میں جھوٹ نہیں بولنا چاہئے، اور قیمت اور مال میں جو عیب ہو، اس کو صاف طور پر ظاہر کردینا چاہئے، چنانچہ فرمایا:۔

"اگر بائع ومشتری سچ بولے اور قیمت اور مال کے عیب کو ظاہر کردیا تو اُنکی بیع میں برکت ہوگی، اور اگر عیب کو چھپایا اور جھوٹ بولے تو اُن کی بیع کی برکت زائل ہوجائیگی[2]"

(۳) بیع وشراء میں قسم نہیں کھانا چاہئے، چنانچہ فرمایا:۔

"اے تاجرو! بیع میں لغویات اور قسم سے کام پڑا ہی کرتا ہے، اس لئے اُس میں صدقہ کی آمیزش کرلو[3]، (تاکہ وہ اس کا کفارہ ہوجائے)

"قسم کھانے سے سودا تو بک جاتا ہی لیکن اُسکی برکت زائل ہوجاتی ہی[4]"

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ بیع وشراء میں جھوٹی قسم کھانا تحریماً، اور سچی قسم کھانا تنزیہاً ممنوع ہی،

(۴) اگر دو شخصوں میں ایک معاملہ ہوچکا ہی تو بعض ترغیبات کے ذریعہ سے اوس کو فسخ کرانے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے، مثلاً ایک شخص نے ایک شخص کے ہاتھ بیع بالخیار کے طریقہ پر کوئی چیز فروخت کردی ہے، تو تیسرے شخص کو مشتری سے یہ نہیں کہنا چاہئے کہ تم اس بیع کو فسخ

---

[1] ترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی مطل الغنی ظلم، [2] بخاری کتاب البیوع باب ما یمحق الکذب والکتمان فی البیع [3] ابوداؤد کتاب البیوع باب فی التجارۃ یخالطها الحلف واللغو، [4] ایضاً باب فی کراهیۃ الیمین فی البیع،

کردو میں یہی چیز تمکو اس سے کم قیمت پر دونگا، یا بائع سے یہ کہنا چاہئے کہ تم اس بیع کو فسخ کردو میں یہ چیز اس سے زیادہ قیمت پر خرید لونگا، یا یہ کہ ایک شخص نے خریدنے کے لئے ایک چیز اُٹھائی اور اُس کا بھاؤ چکایا تو دوسرے آدمی کو یہ نہ کہنا چاہئے کہ تم اس کو واپس کردو میں اسی قیمت پر اس سے بہتر چیز، یا اس سے سستے دام پر اسی قسم کی چیز تمکو دونگا، یا یہ کہ بائع سے یہ نہ کہنا چاہئے کہ تم یہ چیز واپس کر لو میں اس سے زیادہ دام پر اسکو تم سے خرید لونگا، نکاح وطلاق کی صورت میں بھی اسی کی پابندی کرنی چاہئے، چنانچہ انہی محاسن اخلاق کو آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

”کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع اور اس کی منگنی پر منگنی اسکی اجازت کے بغیر کرے“

”کوئی مسلمان مسلمان کے بھاؤ پر بھاؤ نہ کرے“

”کوئی عورت اپنی مسلمان بہن کے طلاق دلوانے کی درخواست نہ کرے“[1]

اس کی بدترین صورت یہ ہے کہ ایک گاہک کسی دوکان پر ایک چیز کے خریدنے کیلئے جاتا ہے، دوسرا شخص اوس چیز کو خریدنا تو نہیں چاہتا لیکن اس گاہک کے دھوکا دینے کیلئے اوس چیز کی حیثیت سے زیادہ دام لگا دیتا ہے، اصطلاح میں اس کا نام نجش ہے، اور رسول اللہ صلعم نے اسکی ممانعت فرمائی ہے[2]،

(۵) ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت تو خود قرآن مجید نے کی ہے لیکن رسول اللہ صلعم نے مزید اخلاقی فضیلت حاصل کرنے کے لئے حکم دیا ہے کہ جو چیز تول کر دیجائے وہ واجبی وزن سے زیادہ دیجائے[3]،

---

[1] مسلم کتاب البیوع باب تحریم بیع الرجل علی بیع اخیہ وسومہ علی سومہ، [2] ترمذی کتاب البیوع باب فی کراھیہ النجش [3] ایضاً باب ماجاء فی الرجحان فی الوزن،

(۶) تجارت میں خدع و فریب سے کام نہیں لینا چاہئے، ایکبار رسول اللہ صلعم نے غلہ کے ایک ڈھیر کے اندر ہاتھ ڈالا تو نمی محسوس ہوئی، دوکاندار سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اوس نے کہا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے فرمایا تم نے اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا تاکہ سب لوگ اوس کو دیکھتے اس کے بعد فرمایا:-

"جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں"[1]

(۷) بعض اوقات انسان کو ایسی سخت ضرورتیں پیش آجاتی ہیں، کہ وہ اپنے سامان کو نہایت ارزاں دام پر فروخت کرنا چاہتا ہے، ایسی حالت میں انسان کا اخلاقی فرض یہ ہے کہ وہ اوس کی مالی مدد کرے یا کم ازکم اوس کے سامان کو اصلی قیمت پر خریدے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اس مجبورانہ بیع کی ممانعت فرمائی ہے[2]

(۸) بہت سے تاجر غلہ وغیرہ کو روک رکھتے ہیں تاکہ قحط وغیرہ کے زمانے میں گراں قیمت پر فروخت کریں آپ نے اس کی ممانعت فرمائی[3]

---

[1] ترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الغش فی البیوع،

[2] ابوداود کتاب البیوع باب فی بیع المضطر

[3] ایضاً باب فی النھی عن الحکرۃ،

سیاسی اخلاق

سیاسی اخلاق بھی اگرچہ معاملاتی اخلاق کی ایک قسم ہیں، لیکن ان کا ظہور خاص طور پر اون معاملات میں ہوتا ہے، جو حکومت اور سلطنت سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں بعض اخلاق تو ایسے ہیں جن کے ساتھ حکام و امراء کو متصف ہونا چاہئے، اور بعض ایسے ہیں جنکی پابندی اون لوگوں کو کرنا چاہئے جو معاملات کو حکومت اور سلطنت کے سامنے پیش کرتے ہیں،

رسول اللہ صلعم نے ان دونوں قسم کے اخلاق کی تعلیم نہایت وضاحت کے ساتھ دی ہی، چنانچہ حکام و امراء کے محاسنِ اخلاق میں آپ نے عدل و انصاف اور حاجت براری خلق کو نہایت اہمیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، مثلاً

"قیامت کے دن خدا کے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے مقرب امام عادل اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے زیادہ دور امام ظالم ہوگا۔"[1]

"قیامت کے دن جس میں خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، خدا سات آدمیوں کو اپنے سایہ میں لیگا جن میں ایک امام عادل ہوگا۔"[2]

"قاضی جب تک ظلم نہیں کرتا خدا اس کے ساتھ رہتا ہی، لیکن جب

---

[1] ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی الامام العادل، [2] بخاری کتاب المحاربین باب فضل من ترک الفواحش،

ظلم کرتا ہے تو خدا اوس سے الگ ہو جاتا ہے اور شیطان اوس سے چمٹ جاتا ہے۔"[1]

"جو امام حاجت مندوں اور غریبوں کے لئے اپنے دروازے کو بند رکھے گا خدا اوس کی حاجتوں کے لئے بھی آسمان کے دروازے بند کر دیگا۔"[2]

اور جو چیزیں عدل و انصاف میں خلل انداز ہوتی ہیں اون کی ممانعت فرمائی مثلاً،

"حاکم غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔"[3]

"رسول اللہ صلعم نے رشوت لینے والے اور رشوت دینے والے پر لعنت بھیجی ہے۔"[4]

امراء و حکام کی خدمت میں جو ہدیے اور نذرانے پیش کئے جاتے ہیں وہ بھی رشوت کی ایک مخفی صورت ہے، اس لئے آپ نے اسکی ممانعت فرمائی، چنانچہ جب آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا اور وہ روانہ ہوئے تو آدمی بھیج کر اون کو واپس بلایا اور فرمایا،

"تم جانتے ہو کہ میں نے تمکو آدمی بھیج کر کیوں بلوایا؟ اس لئے کہ تم میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لو کیونکہ وہ خیانت ہے۔"[5]

جو لوگ معاملات و مقدمات کو حکام کے سامنے پیش کرتے ہیں، اُن میں مدعی اور مدعا علیہ کو خاص طور پر نصیحت کی کہ اون کو حکام کے سامنے جھوٹے مقدمات نہیں پیش کرنے چاہئیں، کیونکہ وہ اگر اپنے دلائل کی قوت سے کامیاب بھی ہو گئے، تو اس طریقہ

---

[1] ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی الامام العادل، [2] ایضاً باب ماجاء فی امام الرعیۃ [3] ایضاً باب ماجاء لا یقضی القاضی وھو غضبان، [4] ایضاً باب ماجاء فی الراشی والمرتشی فی الحکم [5] باب ماجاء فی ھدایا الامراء،

سے اون کو جو چیز ملے گی وہ جائز اور حلال نہ ہوگی، چنانچہ فرمایا،

"میں صرف ایک آدمی ہوں اور تم لوگ میرے پاس مقدمات لاتے ہو لیکن ممکن ہے کہ ایک شخص دوسرے کے مقابل میں دلائل پیش کرنے میں زیادہ ماہر ہو اور میں اوسی کے بیان کے مطابق فیصلہ کردوں تو میں فیصلہ میں جس کو اوس کے بھائی کا حق دلادوں وہ اسکو نہ لے کیونکہ میں نے اسکو آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دیا ہے[1]"

مدعی اور مدعا علیہ کے بیانات و دلائل کے بعد مقدمات کے ثبوت کا دار و مدار گواہوں کے بیانات پر ہے، اور رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات کے مطابق گواہوں کے بیان کو بالکل بے داغ اور بے لاگ ہونا چاہئے، چنانچہ فرمایا،

"کیا میں تمکو بہترین گواہ کو بتادوں؟ وہ جو بلادرخواست شہادت دے یعنی اوس کی شہادت جس کے موافق ہو اوس کو اسکا علم بھی نہ ہو[2]"

تاکہ گواہوں کے سکھانے پڑھانے اور اُن پر اثر ڈالنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے، گواہوں کی اخلاقی حالت ایسی پاکیزہ ہونی چاہئے، کہ اون پر اعتماد کیا جا سکے، اسی لئے آپ نے خائن، زانی، دشمن اور آقا کے لئے نوکر کی شہادت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے[3] بالخصوص جھوٹی شہادت کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے، چنانچہ ایک بار آپ نے تین بار فرمایا کہ

"جھوٹی شہادت شرک کے برابر ہے، پھر یہ آیت پڑھی فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفاء للہ غیر مشرکین بہ[4]"

---

[1] بخاری کتاب الاحکام باب موعظۃ الامام للخصوم [2] ابوداؤد کتاب الاقضیہ باب فی الشہادات [3] ایضاً باب من ترد شہادتہ، [4] ایضاً فی الشہادۃ الزور،

ایک بار فرمایا کہ

"کیا میں تم کو سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا ہاں یا رسول اللہ، فرمایا خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا، اور باپ ماں کی نافرمانی کرنا، راوی کا بیان ہے کہ آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، لیکن اس کے بعد اُٹھ بیٹھے اور کہا کہ جھوٹی شہادت دینا، اور برابر یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے[1]"

---

[1] ترمذی کتاب البر والصلہ باب ماجاء فی عقوق الوالدین،
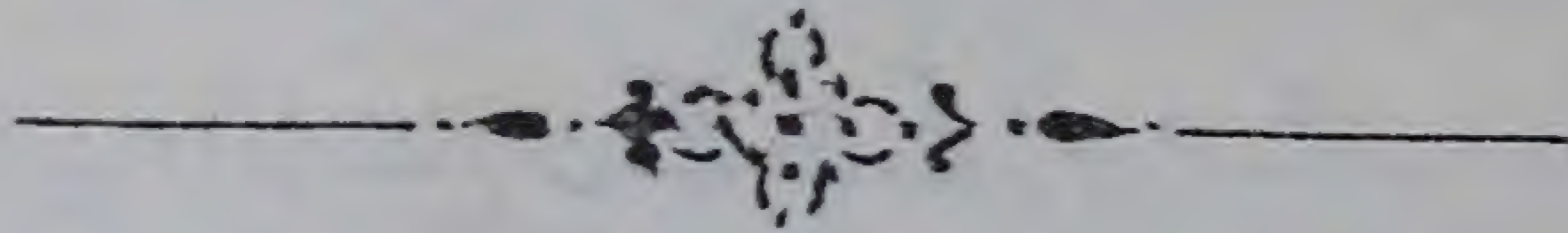
رسول اللہ صلعم کا اخلاقی طریقہ تعلیم

قدیم قصوں اور پرانی حکایتوں کے ذریعہ سے اخلاقی تعلیم دینے کا طریقہ نہایت قدیم زمانہ سے رائج ہے، اور عہدِ رسالت میں اس قسم کے قصوں اور حکایتوں کا بہت بڑا ذخیرہ یہود و نصاریٰ کے مذہبی اور اخلاقی لٹریچر میں موجود تھا، جن میں نہایت بعید از عقل اور عجیب وغریب واقعات بیان کئے گئے تھے، لیکن جب تک اسلامی احکام و اصول کو ثبات و استحکام حاصل نہیں ہوا تھا، رسول اللہ صلعم نے صحابۂ کرام کو یہود و نصاریٰ سے روایت کرنے اور اون کی کتابوں کے دیکھنے کی ممانعت فرمائی تھی، تاہم چونکہ ان قصوں اور حکایتوں میں مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے عبرت و بصیرت کا کافی سرمایہ بھی موجود تھا، اس لئے جب اسلامی احکام و اصول کو ثبات و استحکام حاصل ہوگیا، اور التباس و اختلاط کا خوف جاتا رہا، تو رسول اللہ صلعم نے صحابۂ کرام کو یہود و نصاریٰ سے روایت کرنے کی اجازت دیدی اور فرمایا:-

بلغوا عنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج۔[1]

مجھ سے پہنچاؤ گو ایک ہی آیت سہی اور بنو اسرائیل سے حدیث کی روایت کرو اسمیں کوئی حرج نہیں،

[1] بخاری باب ماذکر عن بنی اسرائیل مع فتح الباری،

بلکہ یہود و نصاریٰ اور گذشتہ قوموں کے بہت سے قصے خود بیان فرمائے اور ان کے ذریعہ سے بہت سی اخلاقی باتوں کی تعلیم نہایت موثر طریقہ پر دی، مثلاً

ایک حدیث میں ہے کہ گذشتہ قوموں میں سے تین آدمی کہیں جا رہے تھے کہ پانی برسنے لگا، پانی سے بچنے کے لئے یہ لوگ پہاڑ کے ایک غار میں چھپ گئے، لیکن اوپر سے چٹان گری اور وہ لوگ غار میں دب گئے، اب ان لوگوں نے کہا کہ ہمکو صرف سچائی اس مصیبت سے بچا سکتی ہی، اس لئے ہر شخص کو اوس عمل صالح کے واسطہ سے دعا کرنی چاہیئے، جس میں اوسنے سچائی سے کام لیا ہی، چنانچہ اون میں سے ایک شخص نے یہ دعا کی، کہ خداوندا! اگر تو یہ جانتا ہی کہ ایک مزدور ایک ٹوکری دھان کے معاوضہ میں میرا کام کرتا تھا، لیکن وہ اس معاوضہ کو چھوڑ کر چلا گیا، اور میں نے اوس دھان کو بو دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اوس کی پیداوار سے ایک بیل خریدا، پھر وہ اپنی مزدوری مانگنے آیا تو میں نے کہا کہ اس بیل کو ہانک لیجاؤ، اوس نے کہا میرا معاوضہ تو صرف ایک ٹوکری دھان ہی، لیکن میں نے کہا کہ اسی بیل کو لیجاؤ، کیونکہ یہ اوسی دھان کی پیداوار سے خریدا گیا ہی، چنانچہ وہ اوس بیل کو ہانک لے گیا، تو خداوندا! اگر تو یہ جانتا ہے کہ میں نے تیرے خوف سے ایسا کیا ہی، تو ہمارے اوپر سے اس چٹان کو ہٹا لے، چنانچہ وہ چٹان کسی قدر ہٹ گئی، دوسرے نے کہا خداوندا! اگر تو یہ جانتا ہے کہ میرے باپ ماں بوڑھے تھے اور میں ہر رات کو اُن کے پلانے کے لئے بکری کا دودھ لایا کرتا تھا، ایک رات میں دیر کو آیا تو وہ سو گئے تھے، خود میرے اہل و عیال بھوک سے بیتاب تھے، لیکن جب تک میں اپنے ماں باپ کو دودھ پلا نہ لیتا تھا اہل و عیال کو نہیں پلاتا تھا، لیکن میں نہ اُن کو جگانا پسند کرتا تھا نہ یہ پسند کرتا تھا کہ وہ اپنا حصہ نہ پئیں، اس لئے میں نے صبح تک اُن کا انتظار کیا، تو خداوندا اگر تو یہ جانتا ہے کہ میں نے تیرے خوف

سے ایسا کیا تو اس چٹان کو ہٹا دے، چنانچہ چٹان اس قدر ہٹ گئی کہ اون کو آسمان نظر آنے لگا، تیسرے نے کہا کہ خداوندا! اگر تو یہ جانتا ہو کہ میری ایک چچازاد بہن مجھ کو نہایت محبوب تھی، میں نے اوس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو اس نے یہ شرط پیش کی کہ جب تک میں اوس کو سو اشرفیاں نہ دونگا وہ راضی نہ ہو گی، میں نے سو اشرفیاں مہیا کرکے اس کو دیں تو وہ آمادہ ہو گئی، لیکن جب میں نے اوس کے ساتھ مباشرت کا قصد کیا تو اوس نے کہا کہ خدا سے ڈرو اور مہر کو صرف اس کے حق کے ساتھ توڑو، اب میں اٹھ گیا، اور سو اشرفیاں بھی چھوڑ دیں، تو خداوندا اگر تو یہ جانتا ہو کہ میں نے ایسا تیرے خوف سے کیا تو اس چٹان کو ہٹا دے، چنانچہ وہ چٹان ہٹ گئی، اور وہ اوس غار سے نکل آئے،

یہ واقعہ کتنا ہی عجیب و غریب ہو لیکن اس سے متعدد اخلاقی نتائج نکل سکتے ہیں، چنانچہ امام بخاری نے اس کو کتاب الادب باب اجابة دعاء من بروالدیہ کے تحت میں درج کیا ہو، اور کتاب الانبیاء میں اس کی جو روایت کی ہو اس سے اگرچہ کوئی اخلاقی نتیجہ نہیں نکالا ہو، تاہم حافظ ابن حجر اوس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث متعدد فضائل اخلاق کی تعلیم پر مشتمل ہے یعنی باپ ماں کیساتھ سلوک کرنا، اون کی خدمت کرنا، اہل و عیال پر اون کو ترجیح دینا، اون کے لئے تکلیف برداشت کرنا، پاکبازی اختیار کرنا، اور باوجود قدرت کے حرام سے بچنا، اور امانت کا ادا کرنا[1]،

ایک حدیث میں ہے کہ جریج اپنے صومعہ میں عبادت کرتا تھا، اوس کی ماں آئی اور کہا کہ اے جریج میں تیری ماں ہوں مجھ سے بات چیت کر لیکن وہ نماز پڑھ رہا تھا اس لئے کہا کہ "خداوندا یہ میری ماں ہے اور یہ نماز ہے"، لیکن اُس نے نماز ہی کو ترجیح

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صد ۳۷۱،

دی، وہ لوٹ گئی اور دوبارہ واپس آئی تو پھر یہی قصہ پیش آیا، اب اوس نے بد دعا دی کہ خداوندا یہ جریج میرا لڑکا ہے، میں نے اوس سے بات چیت کرنی چاہی لیکن اوس نے بات چیت کرنے سے انکار کیا، تو جب تک فاحشہ عورتیں اوس پر تہمت نہ لگائیں اوسکو موت نہ آئے، اتفاق سے بکریوں کا ایک چرواہا اوس کے صومعہ کے پاس آتا جاتا تھا، ایک دن گانوں سے ایک عورت نکلی اور اوس چرواہے نے اوس کے ساتھ مقاربت کی اور اوس کو حمل قرار پا گیا، بچہ پیدا ہوا تو استفسارِ حال پر عورت نے اوس کو جریج کی طرف منسوب کیا، یہ سننا تھا کہ لوگ اپنے پھاوڑے اور کدال لے کر آئے اور جریج کو آواز دی، وہ نماز پڑھ رہا تھا، اس لئے اون سے بات چیت نہیں کی، لوگوں نے اوس کے صومعہ کو ڈھانا شروع کیا، یہ حالت دیکھکر وہ نیچے اترا تو لوگوں نے کہا کہ اس عورت سے اس کی وجہ پوچھو، جریج مسکرایا، پھر بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ تمھارا باپ کون ہی؟ اوس نے کہا میرا باپ بکریوں کا چرواہا ہے، لوگوں نے بچہ سے یہ سنا تو کہا کہ تمھارے صومعہ کا جو حصہ ہم نے گرادیا ہی، اب اوس کو سونے اور چاندی سے بنادیں گے"[1]

امام مسلم نے اس حدیث کو کتاب البر والصلۃ والآداب میں درج کیا ہی، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہی کہ باپ ماں کی اطاعت نفل کی نماز پر مقدم ہی، بلکہ خود رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ اگر جریج فقیہ ہوتا تو اوس کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ماں کی اطاعت خدا کی عبادت سے بہتر ہے[2]،

ایک حدیث میں ہے کہ بنو اسرائیل میں تین شخص تھے، جن میں ایک مبروص، ایک گنجہ اور ایک اندھا تھا، خداوند تعالیٰ نے اون کی آزمایش کرنی چاہی، اور اس غرض

---

1. مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلوٰۃ وغیرھا، 2. فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۴۷،

سے اون کے پاس ایک فرشتہ بھیجا، فرشتہ مبروص کے پاس آیا، اور پوچھا کہ تمکو کونسی چیز پسند ہے؟ اوس نے کہا کہ عمدہ رنگ اور عمدہ بشرہ اور اس مرض کا ازالہ جس سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، فرشتہ نے اوس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو اس کا سب داغ دھبہ مٹ گیا، اور اوس کو عمدہ رنگ اور عمدہ بشرہ مل گیا، پھر پوچھا تمکو کون سا مال زیادہ پسند ہے، ؟ اوس نے کہا اونٹ، اوس نے اوسکو ایک حاملہ اونٹنی دی، اور کہا کہ خدا تمکو اس میں برکت دے، پھر گنجے کے پاس آیا اور کہا کہ تم کو سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟ اوس نے کہا عمدہ بال اور اس حالت کا ازالہ جس کی بنا پر لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں، اوس نے اوس کے سر پر ہاتھ پھیرا، تو یہ حالت بدل گئی، اور اس کے سر پر عمدہ بال نکل آئے، پھر پوچھا کہ تمکو کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے، ؟ اوس نے کہا گائے، اوس نے اوس کو ایک گابھن گائے دی اور کہا کہ تم کو اس میں برکت حاصل ہو، پھر اندھے کے پاس آکر پوچھا کہ تم کو کون سی چیز زیادہ پسند ہے، اوس نے کہا یہ کہ خدا مجھے پھر آنکھیں دے تاکہ لوگوں کو دیکھ سکوں، اوس نے اوس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور وہ بینا ہوگیا، پھر پوچھا تم کو کون سا مال زیادہ پسند ہے، اوس نے کہا بکری، چنانچہ اوس نے اوسکو ایک بچہ جننے والی بکری دی، اس کے بعد ان تمام جانوروں نے بچے دیئے اور ان سبھوں کے پاس نہایت کثرت سے اونٹ، گائے اور بکریاں ہوگئیں، اس کے بعد وہ فرشتہ اپنی اوسی شکل وصورت میں مبروص کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک نہایت غریب وبیکس مسافر ہوں، خدا کے سوا اور تمھارے سوا میرا کوئی سہارا نہیں، جس خدا نے تمکو عمدہ رنگ، عمدہ بشرہ اور مال دیا ہے، اوسی کے واسطہ سے تم سے ایک اونٹ مانگتا ہوں، جو میرے سفر میں کام آئے، اوس نے کہا ہمارے اوپر اور بھی بہت سے حقوق ہیں،

فرشتہ نے کہا کہ شاید میں تمھیں پہچانتا ہوں کیا تم مبروص قابل نفرت اور محتاج نہیں تھے۔
پھر خدا نے تم کو مال دیا، اوس نے کہا یہ سب مال مجھے باپ دادا سے ملا ہے، فرشتہ نے کہا کہ
اگر تم جھوٹے ہو تو خدا پھر تمکو پہلی حالت میں بتلا کر دے، پھر وہ اپنی اوسی شکل وصورت میں
گنجے کے پاس آیا اور اسی قسم کا سوال کیا، اور اُس نے بھی اسی قسم کا جواب دیا، اب فرشتہ
نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو خدا پھر تمکو اوسی پہلی حالت میں بتلا کردے، پھر اندھے کے پاس
اوسی پہلی شکل وصورت میں آیا، اور اسی قسم کا سوال کیا، اوس نے کہا کہ میں اندھا تھا خدا
نے مجھکو آنکھ دی، محتاج تھا خدا نے مجھکو دولت مند بنایا، تم جو چاہو لے لو، فرشتہ نے کہا
کہ اپنا مال اپنے پاس رکھو، صرف تمھاری آزمایش مقصود تھی، تو خدا تم سے راضی اور
تمھارے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہوا،

اس حدیث کی روایت امام مسلم نے کتاب لزہد میں اور امام بخاری نے کتاب الانبیاء
میں کی ہے، اور اس سے کوئی اخلاقی نتیجہ نہیں نکالا ہے، لیکن امام نووی نے اس سے
متعدد اخلاقی نتائج نکالے ہیں، چنانچہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں،

"اس حدیث میں کمزوروں کے ساتھ نرمی کرنے، اون کی عزت کرنے،
جہاں تک ممکن ہو اون کی ضرورت کے پورا کرنے، اون کی دل شکنی اور تحقیر سے
بچنے کی ترغیب دی گئی ہے[1]"

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:-

"اس حدیث میں کفران نعمت سے بچنے اور شکر کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور
بخل سے روکا گیا ہے[2]"

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰، [2] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۳۶۵،

اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن سے محدثین نے بہت سے اخلاقی نتائج نکالے ہیں اور امام بخاری نے کتاب الانبیار باب ماذکر عن بنی اسرائیل میں ان سب کو جمع کر دیا ہے، لیکن اس قسم کی حدیثوں میں مضرت ومنفعت دونوں کے پہلو نکلتے ہیں، جہانتک عقائد کا تعلق ہے ان دوراز کار واقعات پر ایمان نہیں لانا چاہیے، اسی بنا پر آپ نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب کی روایتوں کی تصدیق نہ کرو، لیکن اسی کے ساتھ ان سے بہت سے اخلاقی نتائج بھی نکلتے ہیں، اور ان سے پند و موعظت کے موقعوں پر کام لیا جا سکتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ اہلِ کتاب کی روایتوں کی تکذیب بھی نہ کرو،

(۲) رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات کا ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ ہر شخص کو اُسکی حالت کے مناسب اخلاقی تعلیم دیتے تھے، مثلاً ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ مجھ کو کوئی نصیحت فرمائیے، ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کرو، وہ بار بار یہ درخواست کرتا رہا، لیکن آپ یہی فرماتے رہے کہ غصہ نہ کرو، یہ حدیث صحیح بخاری کتاب الادب باب الحذر من الغضب میں مذکور ہے اور حافظ ابن حجر اُس کی شرح میں لکھتے ہیں،

لعل السائل کان غضوبا و	غالبًا سائل غصہ ور آدمی تھا اور رسول اللہ
کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلعم ہر شخص کو وہی حکم دیتے تھے، جو
یامر کل احد بما ھو اولی بہ	اسکے مناسب حال ہوتا تھا، اس لئے آپ نے
فلھذا اقتصر فی وصیتہ لہ	اوسکو جو نصیحت کی اسکو صرف غصہ کے چھوڑنے
علی ترک الغضب[۱]	تک محدود رکھا،

[۱] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۴۳۲،

اس اصول کی بنا پر رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات میں بظاہر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ نہایت آسانی کے ساتھ دور ہو سکتا ہے، مثلاً ایک دولتمند شخص کو آپ نے معمولی کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ خدا کی نعمت کا اثر تمہارے جسم سے ظاہر ہونا چاہئے یعنی تمکو عمدہ کپڑے پہننے چاہئیں، لیکن صحابۂ کرام میں ہر شخص دولت مند نہ تھا، اس لئے اس قسم کے لوگوں کو آپ نے اس کے برعکس یہ تعلیم دی کہ پھٹے حال میں رہنا ایمان کا ایک جزو ہے،

آپ نے ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ کیا اس کو بال کے ہموار کرنے کا سامان نہیں ملتا، دوسرے کے کپڑے میلے دیکھے تو ارشاد ہوا کہ کیا اس کو کپڑے دھونے کے لئے پانی میسر نہیں ہوتا،

لیکن فقرائے مہاجرین کے لئے یہی بے سروسامانی سرمایۂ آخرت تھی، چنانچہ ان لوگوں کے لئے ارشاد ہوا کہ قیامت کے دن،

"میرے حوض پر سب سے پہلے فقرائے مہاجرین کا ورود ہوگا، جو پراگندہ مو ہیں جن کے کپڑے میلے ہیں، جو نازپروردہ عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے، اور او نکے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے"[1]

اسلام میں جن لوگوں نے زاہدانہ زندگی اختیار کی ہے انھوں نے اسی قسم کی حدیثوں کو پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب اس حدیث کو سنا تو فرمایا کہ "جب تک میرے بال چیکٹ نہ ہو جائیں میں اپنے سر کو اور جب تک میرا کپڑا میلا نہ ہو جائے اپنے کپڑے کو نہ دھوونگا"، لیکن غالباً اس حدیث کے مخاطب وہ نہ تھے، بلکہ دوسرے لوگ تھے،

---

[1] ترمذی کتاب الزہد باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض،

(۳) اخلاقی تعلیم بلکہ ہر قسم کی تعلیم کا موثر طریقہ یہ ہے کہ اوس کے نتائج مشاہدۃً دکھادیئے جائیں، اور رسول اللہ صلعم بعض موقعوں پر یہی موثر طریقہ اختیار فرماتے تھے، مثلاً ایک بار مدینہ کے ایک گھر میں رات کو آگ لگ گئی، آپ کے سامنے اس کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا کہ آگ تمھاری دشمن ہے، جب سوؤ تو اُسکو بجھا لیا کرو،[۱] اس تعلیم کا یہ نتیجہ تو خود بخود ظاہر ہو چکا تھا، لیکن بعض موقعوں پر خود رسول اللہ صلعم یہ چاہتے تھے کہ تعلیم دینے سے پہلے نتیجہ ظاہر ہو جائے تا کہ اُس کے مطابق تعلیم دیجائے، چنانچہ ایکبار چراغ جل رہا تھا ایک چوہا آیا اور بتی کو کھینچ کر لے چلا، لونڈی نے شور کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ اسکو بتی لیجانے دو، چنانچہ وہ بتی کو لے کر چلا، اور آپ جس چٹائی پر بیٹھے ہوئے تھے، اوس پر ڈال دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی چٹائی جل گئی، اب آپ نے فرمایا کہ جب تم لوگ سوؤ تو چراغ کو بجھا دیا کرو، کیونکہ شیطان اس قسم کے جانوروں کو اسی قسم کی باتیں سکھاتا ہے،[۲]

(۴) جو موثر چیزیں نظر سے گذرتی تھیں آپ اون سے بھی اخلاقی تعلیمات کا پہلو پیدا کرتے تھے، ایک بار آپ صحابہ کے مجمع میں ایک بازار سے ہو کر گذرے تو بکری کا ایک مردہ بچہ جس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے نظر سے گذرا، آپ نے اوس کا کان پکڑ کر کہا تم میں سے کوئی اس کو ایک درہم پر لینا پسند کریگا؟ صحابہ نے کہا کہ ہم اسکو لیکر کیا کریں گے، اگر وہ زندہ ہوتا تب بھی اوس میں ایک عیب تھا، کیونکہ اس کے کان چھوٹے چھوٹے ہیں، اور فرمایا تملوگ اس کو جس قدر حقیر سمجھتے ہو خدا کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے،[۳]

[۱] ادب المفرد باب لا تترک النار فی البیت حین ینامون [۲] ایضاً باب اطفاء المصباح، [۳] مسلم کتاب الزہد

حضرت ماعز اسلمی کو بدکاری کے جرم میں سنگسار کیا گیا تو ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ اس کو دیکھو خدا نے اوس پر پردہ ڈالا لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہوا، یہاں تک کہ کتوں کی طرح سنگسار کیا گیا، آپ نے اسکو سنا تو خاموش ہو رہے، پھر کچھ دور چلے تو ایک گدھے کی مردہ لاش نظر سے گذری، ارشاد ہوا کہ وہ دونوں آدمی کہاں ہیں؟ دونوں نے کہا کہ ہم یہ حاضر ہیں، فرمایا اس مردہ گدھے کا گوشت کھاؤ، بولے یا رسول اللہ (صلعم) اسکا گوشت کون کھائے گا؟ ارشاد ہوا ابھی تم نے اپنے بھائی کی جو آبروریزی کی ہے، وہ اس سے زیادہ سخت ہے[1]،

(۵) پیغمبروں کی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف جزئیات کی تعلیم دیتے ہیں، فلسفیوں کی طرح کلیات نہیں قائم کرتے، اس بنا پر رسول اللہ صلعم نے زیادہ تر صرف جزئیاتِ اخلاق کی تعلیم دی ہے، لیکن آپ نے بعض موقعوں پر ایسی جامع اخلاقی تعلیم بھی دی ہے، جو اصولاً تمام اخلاقی برائیوں اور بھلائیوں کو شامل ہی، مثلاً ایک صحابی نے آپ سے نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کی تو آپ نے فرمایا، کہ

"نیکی خوش خلقی کا نام ہے، اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تمکو یہ پسند نہ ہو کہ لوگ اُس سے واقف ہوں[2]"

ایک اور صحابی نے آپ سے پوچھا کہ آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا

"نیکی کرو اور برائی سے بچو"

اس مبہم اور کلی تعلیم سے اون کی تشفی نہیں ہوئی اور قریب آکر دوبارہ

---

[1] ابو داؤد کتاب الحدود باب فی الرجم [2] مسلم کتاب البر والصلہ والآداب باب تفسیر البر والاثم،

پوچھا تو آپ نے پھر اسی تعلیم کا اعادہ کیا، لیکن اسی کے ساتھ اس کی مزید وضاحت کی اور فرمایا:۔

"جب لوگوں کے پاس سے اُٹھکر جاؤ تو دیکھو کہ وہ تمہاری نسبت جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ تمہارے کانوں کو بھلا معلوم ہو تو اُس کو کرو، اور اگر بھلا نہ معلوم ہو تو اوس سے احتراز کرو۔"

اون کا بیان ہے کہ جب میں نے پلٹ کر ان الفاظ پر غور کیا تو مجھے کوئی چیز ان دونوں صورتوں سے باہر نظر نہیں آئی[1]

---

[1] ادب المفرد باب اھل المعروف فی الدنیا اھل المعروف فی الآخرۃ،
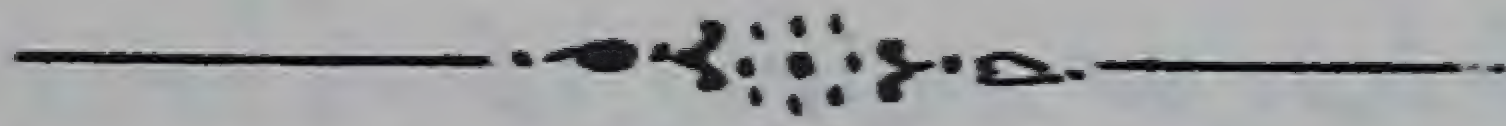
محرکاتِ اخلاق

اسلام دین و دنیا دونوں کا مجموعہ ہے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اخلاقی تعلیمات میں دین و دنیا دونوں کے فوائد و منافع کو محرکِ اخلاق قرار دیا ہے چنانچہ ہدیہ بھیجنے اور سلام کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے، اور صلہ رحمی کا سبب یہ بتایا ہے کہ اس سے روزی میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور عمر بڑھتی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ جب تم لوگ کسی مریض کے پاس جاؤ تو اُس سے کہو کہ تمھاری عمر زیادہ ہوگی، کیونکہ اس سے تقدیر کا لکھا تو مٹ نہیں سکتا، البتہ اوس کا دل خوش ہوجاتا ہے[1]،

بعض موقعوں پر دنیوی بدنامی کے ڈر کو بھی محرکِ اخلاق قرار دیا ہے، مثلاً ایک شخص نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں شکایت کی کہ میرا پڑوسی مجھکو ستاتا ہے، آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور اپنے گھر کا تمام سامان نکال کر راستہ میں ڈال دو، اوس نے گھر کا تمام سامان راستہ میں ڈال دیا، تو لوگوں کا ہجوم ہوگیا، اور سب کے سب اس واقعہ کا سبب پوچھنے لگے، اوس نے سبب بتایا تو سب اوس کے پڑوسی پر لعنت ملامت کرنے لگے، پڑوسی کو خبر ہوئی تو اوس کے پاس آیا اور کہا کہ اپنے گھر میں چلو خدا کی قسم اب میں تمھیں نہ ستاؤنگا[2]،

لیکن اسلام میں دین کا پہلو دنیا پر غالب ہے، اس لئے دورِ رسالت کی اخلاقی تاریخ

---

[1] ترمذی ابواب الطب، [2] ادب المفرد باب شکایۃ الجار،

ہیں جو چیز سب سے زیادہ محرکِ اخلاق تھی وہ عذابِ اخروی کا خوف اور حصولِ جنت کی توقع تھی، چنانچہ ایک بار دو صحابیوں میں وراثت کے متعلق نزاع پیدا ہوئی، اور گواہ کسی کے پاس نہ تھا، دونوں بزرگ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک آدمی ہوں، اور تم لوگ میرے پاس مقدمات لاتے ہو لیکن ممکن ہو کہ تم میں ایک شخص چرب زبان اور طرار ہو اور میں اوس کے موافق فیصلہ کردوں لیکن اگر یہ اوس کے فریق کا حق ہو تو وہ اوس کو ہرگز نہ لے، کیونکہ میں نے اوس کو آگ کا ایک ٹکڑا دیا ہو، یہ سنکر دونو بزرگ رونے لگے، اور ہر ایک اپنا حق دوسرے کو دینے لگا، [۱]

حضرت حارثہؓ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے تو اُن کی والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ حارثہ سے مجھکو کس قدر محبت تھی، تو اگر وہ جنت میں ہوں تو میں صبر کروں، اور اگر دوسری صورت ہو تو آپ دیکھ لیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں، آپ نے فرمایا تم پر افسوس، کیا صرف ایک ہی جنت ہو، بہت سی جنتیں ہیں، اور حارثہ جنت الفردوس میں ہیں [۲]،

ایک بار ایک عورت نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں شکایت کی کہ مجھے مرگی آتی ہے اور میرا بدن کھل جاتا ہے، آپ میرے لئے دعا فرمائیے آپ نے فرمایا کہ اگر چاہو تو صبر کرو تمھیں جنت ملے گی اور اگر چاہو تو میں تمھارے لئے خدا سے دعا کروں کہ وہ تمھیں صحت دے، اوس نے کہا کہ میں صبر کرتی ہوں، لیکن میرا جسم کھل جاتا ہو، دعا فرمائیے کہ وہ کھلنے نہ پائے، چنانچہ آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی، [۳]

---

[۱] ابو داؤد کتاب الاقضیہ باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء [۲] بخاری کتاب المغازی باب فضل من شہد بدرا، [۳] بخاری کتاب المرضی باب فضل من یصرع من الریح،

حدیث کی کتابوں میں اخلاق کا جو موثر بیان ہی، اوس میں وقائعِ اُخروی کی نہایت دردناک صورتیں دکھائی گئی ہیں، مثلاً ایک بار آپ نے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ رات دو آدمی آئے اور مجھکو ایک مقدس سرزمین میں لے گئے، میں نے دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہوا، اور ایک آدمی کھڑا ہوا ہی، جس کے ہاتھ میں لوہے کی سلاخ ہے، وہ اوس کو بیٹھنے والے کے ایک جبڑے میں ڈالتا ہے، اور وہ اُس کی گُدی تک پہنچ جاتی ہی، پھر اوس کے دوسرے جبڑے میں اسیطرح ڈالتا ہے، تو پہلا جبڑا اپنی اصلی حالت پر آجاتا ہی، پھر دوبارہ یہی کرتا ہے، میں نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ اون دونوں نے کہا کہ آگے چلو، ہم آگے بڑھے تو ایک شخص ملا جو چت لیٹا ہوا تھا اور ایک شخص اوس کے سر پہ ایک بڑا پتھر لئے ہوئے کھڑا تھا، جس سے اوس کا سر پھوڑتا تھا لیکن جب اوس کے سر پر پتھر مارتا تھا تو وہ لڑھک جاتا تھا، اور وہ اون کے اُٹھانے کے لئے بڑھتا تھا، لیکن جب اوس کے پاس پلٹ کر آتا تھا تو اُس کے سر کا زخم اچھا ہو جاتا تھا، پھر وہ اسی طرح اوس کے سر پر پتھر مارتا تھا، میں نے کہا کہ یہ کون شخص ہے؟ دونوں آدمیوں نے کہا کہ آگے چلو، ہم آگے چلے تو ایک سوراخ نظر آیا، جو تنور کے مثل تھا، یعنی اوس کے اوپر کا حصہ تنگ اور نیچے کا حصہ کشادہ تھا، اور اس کے اندر آگ جل رہی تھی، اور اس میں بہت سے برہنہ مرد اور عورت تھے، جب آگ کے شعلے بلند ہوتے تھے تو وہ لوگ بھی اُبھر آتے تھے گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ باہر نکل آئیں گے، لیکن جب وہ بجھ جاتی تھی، تو پھر اوس کے اندر لوٹ جاتے تھے، میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اون دونوں نے کہا کہ آگے چلو، آگے بڑھکر ہملوگ ایک خون کی نہر پر آئے، جس میں ایک آدمی کھڑا تھا اور نہر کے کنارے ایک آدمی تھا جس کے سامنے پتھر تھے، جو شخص نہر میں کھڑا تھا وہ اوس سے نکلنے کے لئے آگے بڑھتا تھا، تو وہ آدمی اوس کے منہ پر پتھر مارتا تھا، جس سے وہ پھر اپنی جگہ پر لوٹ جاتا تھا، وہ جب

نکلنے کی کوشش کرتا تھا، ہر بار یہی نتیجہ ہوتا تھا، میں نے کہا کہ یہ کیا ہے ؟ ان دونوں نے کہا کہ آگے چلو، ہم آگے بڑھکر ایک سرسبز باغ میں آئے جسمیں ایک بڑا درخت تھا جسکی جڑ میں ایک بڈھا اور بہت سے لڑکے بیٹھے ہوئے تھے، اور درخت کے قریب ایک آدمی آگ جلا رہا تھا ان دونوں آدمیوں نے مجھکو درخت پر چڑھایا اور ایک گھر کے اندر لیگئے جس سے بہتر گھر میں نے نہیں دیکھا تھا اوس گھر میں بہت سے بڈھے، بہت سے جوان، بہت سی عورتیں اور بہت سے بچے تھے پھر وہ دونوں آدمی اوس گھر سے مجھکو نکال لائے اور مجھکو درخت پر چڑھایا اور ایک بہترین گھر میں لے گئے جسمیں بہت سے بوڑھے اور جوان تھے، اب میں نے کہا کہ تم دونوں نے مجھکو رات بھر پھرایا تو اب میں نے جو کچھ دیکھا ہے اوس کی حقیقت بیان کرو، اون دونوں نے کہا ہاں جس شخص کا جبڑا چیرا جا رہا تھا وہ جھوٹا آدمی تھا، وہ جھوٹ بولتا تھا، وہ تمام دنیا میں پھیل جاتا تھا، اس لئے قیامت تک اوس کے ساتھ ایسا ہی کیا جائیگا، جس شخص کا سر زخمی کیا جاتا تھا، اوس نے قرآن کی تعلیم پائی تھی؛ لیکن وہ رات کو اوس سے غفلت برتتا تھا، اور دن میں اس پر عمل نہیں کرتا تھا، قیامت تک اسکے ساتھ ایسا ہی کیا جائیگا، جو لوگ سوراخ میں تھے وہ زانی تھے، جس شخص کو تم نے نہر میں دیکھا تھا وہ سود خوار تھا، اور جو بڈھا درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا تھا، وہ ابراہیمؑ تھے اور جو بچے اون کے گرد تھے وہ لوگوں کی اولاد تھے اور جو شخص آگ سلگا رہا تھا وہ خازنِ دوزخ تھا، اور تم پہلے جس گھر میں گئے تھے وہ عام مسلمانوں کا گھر تھا، اور یہ گھر شہیدوں کا گھر ہے، اور میں جبرئیلؑ ہوں اور یہ میکائیل ہے[۱]،

---

[۱] بخاری کتاب الجنائز،

عملی اخلاق
اور
اُن کے مؤثرات

دورِ نبوت میں قرآن مجید اور رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات اور آپ کی پاکیزہ اخلاقی زندگی نے اسلامی نظامِ اخلاق کو قائم کیا تھا اور انہی کے اثر سے اس نظامِ اخلاق نے عملی صورت اختیار کی، چنانچہ ان مؤثرات کے ذریعہ سے اخلاق کی جو پاکیزہ عملی مثالیں دورِ نبوت میں قائم ہوئیں، ہم اون کو خاص ترتیب کے ساتھ اس موقع پر درج کرتے ہیں،

(۱) قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات کا اثر،

مستند روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی اخلاقی تعلیمات نے صحابۂ کرام کی معاشرتی اور اخلاقی زندگی میں نمایاں انقلاب پیدا کر دیا، اور اوس کے عملی نتائج علانیہ ظاہر ہونے لگے، چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہمارے نزدیک عورتوں کی کوئی حیثیت نہ تھی، لیکن جب خداوند تعالیٰ نے اون کے متعلق احکام نازل فرمائے تو اُن کا خاص درجہ قائم ہو گیا،[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دورِ نبوت میں عورتوں سے اسلئے ہنستے

[1] بخاری کتاب التفسیر سورہ تحریم،

بولنے میں احتراز کرتے تھے کہ مبادا ہمارے معاملہ میں قرآن مجید کی کوئی آیت نازل نہ ہوجائے لیکن جب رسول اللہ صلعم کا وصال ہوگیا تو ہملوگ عورتوں سے بات چیت کرنے لگے ہے[1]

• ان دونوں مثالوں کے علاوہ بکثرت مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی اخلاقی تعلیم عملی نتیجہ سے خالی نہ تھی، چنانچہ

(۱) عہدِ رسالت میں حضرت مالک بن ثعلبہؓ ایک دولت مند صحابی تھے، ایک دن رسول اللہ صلعم اس آیت کو پڑھ رہے تھے،

والذین یکنزون الذھب والفضۃ	اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے اور
ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ	اوسکو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو (اے پیغمبر)
فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی	اونکو (روزِ قیامت کے) عذاب دردناک کی خوشخبری
علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا	سنادو جبکہ اوس (سونے چاندی) کو دوزخ کی
جباھھم وجنوبھم وظھورھم	آگ میں (دھکا کر) تپایا جائیگا، پھر اوس سے اونکے ماتھے
ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا	اور اونکی گردنیں اور انکی پیٹھیں داغی جائیں گی
ما کنتم تکنزون ۰	(اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے
(توبہ - ۵)	(دنیا میں) جمع کیا تھا تو (آج) اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو

کہ اسی حالت میں اُن کا گذر ہوا، اور اس آیت کو سن کر بیہوش ہوگئے، جب ہوش میں آئے تو خدمت مبارک میں حاضر ہوکر کہا کہ "میرے باپ ماں آپ پر قربان کیا یہ آیت اوس شخص کے لیے ہے جو سونا اور چاندی جمع کرتا ہی، ارشاد ہوا "ہاں"، بولے "اوس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے شام تک مالک کے پاس ایک درہم اور ایک

[1] سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم؛

دینار بھی نہ ہوگا، چنانچہ اُنھوں نے اپنا کل مال خیرات کردیا[1]،

(۲) جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً	کون ہے جو خدا کو خوش دلی کیساتھ
حسناہ (بقرہ-۳۲)	قرض دے،

اس وقت حضرت ابو الدحداحؓ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے باغ میں مقیم تھے فوراً بی بی کے پاس آئے اور کہا کہ "ام دحداح باغ سے نکلو میں نے یہ باغ خدا کو قرض دیدیا یہ کہکر اُسکو فقراء و مساکین پر وقف کردیا[2]،

(۳) جب یہ آیت نازل ہوئی،

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما	(لوگو) جب تک (خدا کی راہ میں) اون
تحبون ہ	چیزوں میں سے نہ خرچ کروگے جو تمکو عزیز ہیں نیکی
(آل عمران-۱۰)	(کے اعلیٰ درجہ) کو ہرگز نہ پہنچ سکوگے،

تو حضرت ابو طلحہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارا خدا ہم سے ہمارا مال مانگتا ہی، آپ گواہ رہئے کہ مقام اریحا میں میری جو زمین ہے میں اُس کو خدا کو دیتا ہوں، چنانچہ آپ کے حکم سے اُنھوں نے اوس کو اپنے قرابتداروں میں تقسیم کردیا[3]،

(۴) حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہؓ نے حضرت سالمؓ کو تبنی یعنی منہ بولا بیٹا بنالیا تھا اور زمانہ جاہلیت میں جو شخص کسی کو متبنی کرتا تھا، وہ اوس کا بیٹا کہا جاتا تھا، اور اسکی میراث سے حصہ پاتا تھا، لیکن جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ مالک بن ثعلبہؓ، [2] استیعاب تذکرہ حضرت ابو الدحداحؓ، [3] ابو داؤد کتاب الزکوۃ باب فی صلۃ الرحم،

ادعوھم لآبائھم الآیہ — پالکوں کو اُن کے حقیقی باپوں کے نام سے بلایا کرو،

(احزاب - ۱)

تو حضرت حذیفہؓ کی بی بی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور کہا کہ ہم سالم کو لڑکا سمجھتے تھے اور وہ ہمارے ساتھ گھر میں رہتے تھے، اور ان سے کوئی پردہ نہ تھا، لیکن اس آیت کے بعد اب آپ کا کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا کہ "ان کو دودھ پلادو" چنانچہ انھوں نے پانچ بار اون کو دودھ پلا دیا اور وہ بمنزلہ اون کے رضاعی بیٹے کے ہو گئے [1]

(۵) جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم — اپنے مال باہم ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ تم میں رضامندی کیساتھ تجارت ہو،

(نساء - ۵)

تو یہ حالت ہو گئی کہ کوئی شخص کسی کے یہاں کھانا پینا پسند نہیں کرتا تھا، اور اس کو گناہ سمجھتا تھا، یہاں تک کہ سورۂ نور کی اس آیت نے اس کو منسوخ کر دیا، لیس علیکم جناح ان تاکلوا من بیوتکم [2]

(۶) رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ ناپ تول میں سخت خیانت کرتے تھے لیکن جب سورہ تطفیف کی یہ آیت نازل ہوئی

ویل للمطففین الآیہ (تطفیف - ۱) — کم دینے والوں کی بڑی ہی تباہی ہو،

تو لوگ اس معاملہ میں دیانت سے کام لینے لگے [3]

---

[1] ابو داؤد کتاب النکاح باب فی من حرم بہ، [2] ابو داؤد کتاب الاطعمہ باب نسخ الضیف یاکل من مال غیرہ [3] ابن ماجہ ابواب التجارات باب التوقی فی الکیل والوزن،

(۷) اصحاب صفہ نہایت نادار تھے، اون کی معاش کا دارومدار بہت کچھ انصار کی فیاضی پر تھا، اس لئے انصار کھجور کے خوشے لاکر مسجد میں لٹکا دیتے تھے اور اصحاب صفہ اگر چھڑی سے اون کو ہلاتے تھے، اور جو کھجوریں ٹپک پڑتی تھیں، اون کو کھا لیتے تھے لیکن انصار میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو سڑے گلے، لوٹے پھوٹے خوشے لاکر لٹکا دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

یاایھاالذین آمنوا انفقوا	مسلمانو خدا کی راہ میں (عمدہ چیزوں میں سے) خرچ کرو
من طیبت ماکسبتم وممّا	تم نے (تجارت وغیرہ) سے آپ کمائی ہوں تو اور
اخرجنالکم من الارض ولا	ہمنے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو اور ناکارہ
یتمموا الخبیث منہ تنفقون	چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ لگو اسمیں سے خرچ کرنے
ولستم باخذیہ الا ان	حالانکہ (وہی چیز تمکو دیجائے تو) تم اوسکو کبھی خوشدلی
تغمضوا فیہ ؕ	سے) نہ لو، مگر یہ کہ (دیدہ ودانستہ) اوس (کے لینے
(بقرہ - ۳۷)	میں) چشم پوشی کرو،

اس کے بعد دفعۃً اس حالت میں انقلاب پیدا ہوگیا، اور تمام لوگ بہترین خوشے لانے لگے[۱]

(۸) ایک بار رسول اللہ صلعم کے سامنے حضرت عمرؓ و حضرت ابوبکرؓ کے درمیان ایک معاملہ میں اختلاف پیدا ہوا اور دونوں بزرگوں میں بلند آہنگی کے ساتھ گفتگو ہونے لگی لیکن چونکہ آپ کے سامنے یہ ایک سوء ادبی تھی، اسلئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

یاایھاالذین آمنوا لاترفعوا	مسلمانو! پیغمبر کی آواز سے اپنی آواز
اصواتکم فوق صوت النبی (حجرات - ۱)	بلند نہ کرو،

[۱] ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۂ بقرہ؛

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلعم کے سامنے اس قدر آہستہ بولنے لگے کہ اون کی بات سننے میں نہیں آتی تھی[۱]،

حضرت ثابت بن قیسؓ پر اس آیت کا اور بھی زیادہ سخت اثر ہوا، چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد وہ بالکل خانہ نشین ہوگئے اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آنا جانا بند کردیا، ایک روز آپ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے فرمایا کہ "وہ کہیں بیمار تو نہیں ہیں" بولے "میں اون کا پڑوسی ہوں، مجھے کوئی شکایت معلوم نہیں ہوئی"، واپس آکر اون سے یہ واقعہ بیان کیا تو بولے کہ "یہ آیت نازل ہوئی ہے، اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ میں آپ کے سامنے تم سب سے زیادہ بلند آہنگی سے گفتگو کرتا تھا، پس میں دوزخی ہوگیا"، رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا، "نہیں وہ جنتی ہیں[۲]"،

(۹) حضرت مسطحؓ حضرت ابوبکرؓ کے قرابتدار تھے، اسلئے وہ ان کی کفالت کرتے تھے لیکن جب اُنھوں نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تو حضرت ابوبکرؓ اون کی کفالت سے دست بردار ہوگئے اور اس پر قسم کھالی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا، الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم (نور-۳)	تم میں سے جو لوگ صاحب مقدور ہیں قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنیوالوں کو (خرچ مدد) نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں بلکہ چاہیے کہ انکے قصور بخش دیں اور درگذر کریں (مسلمانو!) کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہارے قصور معاف کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اب حضرت ابوبکرؓ نے اون کی مدد خرچ جاری کردی اور کہا کہ ہاں مجھے یہی پسند ہے کہ خدا میری مغفرت کرے[۳]،

۱؎ ترمذی ابواب تفسیر القرآن تفسیر سورۂ حجرات، ۲؎ مسلم کتاب الایمان باب مخافۃ المومن ان یحبط عملہ،

۳؎ بخاری کتاب الشہادات باب تعدیل النساء بعضھن بعضاً،

(۲) رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات کا اثر

رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیمات نے دنیا کی اور تمام اخلاقی تعلیمات کو اس قدر بے اثر کر دیا تھا، کہ ان تعلیمات کے مقابلہ میں صحابۂ کرام دوسری اخلاقی تعلیمات کا سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، چنانچہ ایک موقع پر حضرت عمران بن حصینؓ نے رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد کی روایت کی

"حیا سے صرف بھلائی پیدا ہوتی ہے،

تو ایک شخص نے کہا کہ "حکمت کی کتابوں میں بھی ہے کہ حیا کی بعض قسموں سے وقار اور بعض قسموں سے اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے"، حضرت عمران بن حصینؓ نے یہ سنکر غصہ کے لہجے میں کہا کہ "میں تم سے رسول اللہ صلعم کی حدیث بیان کرتا ہوں، اور تم مجھکو اپنے صحیفہ کی روایت سناتے ہو" حافظ ابن حجر اسکی شرح میں لکھتے ہیں کہ "جہاں تک معنی کا تعلق ہے حضرت عمران بن حصینؓ نے اون پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اون کی برہمی کی وجہ صرف یہ تھی، کہ اُس نے اس فقرے کو ایسے محل پر استعمال کیا تھا، جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دوسرے کے کلام کو رسول اللہ صلعم کے کلام کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں[1]،

اس لئے وہ آپ کی اخلاقی تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے، اور اُن پر عمل کرتے تھے

---

[1] بخاری کتاب الادب باب الحیاء مع فتح الباری،

چنانچہ حدیث کی کتابوں میں اسکی بہ کثرت عملی مثالیں موجود ہیں،

(۱) حضرت احنف بن قیسؓ کا بیان ہے کہ میں خانہ جنگی کے زمانہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مدد کو چلا تو مجھ سے حضرت ابو بکرہؓ سے ملاقات ہوگئی، اُنھوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے میں نے کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اعانت کو جاتا ہوں، بولے، "پلٹ چلو میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جب دو مسلمان تلوار سے مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہو جاتے ہیں"؛

(۲) معرور کا بیان ہے کہ میں مقام ربذہ میں حضرت ابو ذرؓ سے ملا تو دیکھا کہ ایک حلہ وہ اور اسی قسم کا دوسرا حلہ اُن کا غلام پہنے ہوئے تھا، میں نے اس مساوات کی وجہ دریافت کی تو اُنھوں نے بیان کیا کہ میں نے ایک آدمی کو بُرا بھلا کہا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم میں جاہلیت کا اثر باقی ہے، تمھارے غلام تمھارے ہی بھائی ہیں جن کو خدا نے تمھارے زیر اثر کر دیا ہے تو جس شخص کا بھائی اوس کے زیر اثر ہو وہ جو کچھ خود کھائے وہی اسکو بھی کھلائے اور جو کچھ پہنے وہی اوس کو بھی پہنائے[1]،

(۳) حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کوفہ کے گورنر تھے جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت جریر بن عبد اللہؓ اون کی جگہ مقرر ہوئے، اور اُنھوں نے اہل کوفہ کے سامنے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے اس شرط پر بیعت لی، کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہونگا چنانچہ میں نے اس شرط پر بیعت کی اور اس مسجد کے خدا کی قسم ہے کہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں[2]،

---

[1] بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امر الجاهلیة الخ [2] ایضاً باب قول النبی صلعم الدین النصیحة للہ ولرسولہ مع فتح الباری،

(۴) ایک دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت زبیرؓ سے دریافت کیا کہ جس طرح
اور لوگ حدیث کی روایت کرتے ہیں، آپ کیوں نہیں کرتے؟ بولے میں رسول اللہ صلعم
کی خدمت سے کبھی جدا تو نہیں ہوا، لیکن میں اس خوف سے روایت نہیں کرتا کہ آپ نے
فرمایا ہے کہ جو شخص مجھ سے جھوٹ روایت کرے اوس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے،[1]

(۵) ایک بار حضرت حکیم بن حزامؓ نے رسول اللہ صلعم سے سوال کیا، تو آپ نے
اون کو کچھ مال دیا، پھر سوال کیا تو آپ نے پھر دیا، لیکن اسی کے ساتھ فرمایا کہ یہ مال
سرسبز اور شیریں چیز ہے، جو شخص اوس کو کشادہ دلی کے ساتھ لیتا ہے، اوس کو اسمیں
برکت ہوتی ہی، اور جو شخص حرص کے ساتھ لیتا ہی، اوس کو برکت نہیں ہوتی، اور اوسکی مثال
اوس شخص کی ہوتی ہی جو کھاتا تو ہے لیکن آسودہ نہیں ہوتا، اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے
بہتر ہے، اس اخلاقی نصیحت کو سن کر انھوں نے کہا کہ خدا کی قسم آپ کے بعد میں کسی سے
کچھ نہ لونگا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ اون کو بلا کر اون کا عطیہ دیتے تھے تو وہ اوس کے قبول
کرنے سے انکار کرتے تھے، ان کے بعد حضرت عمرؓ نے انکو عطیہ دینا چاہا تو انھوں نے اسکے قبول کرنے سے
بھی انکار کیا، اور مرتے دم تک انکی یہ حالت قائم رہی کہ کسی سے کوئی چیز نہیں لی،[2]

(۶) حضرت سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیلؓ پر ایک عورت نے مروان کے سامنے دعوی
کیا کہ انھوں نے اس کا حق لے لیا ہے، انھوں نے کہا کہ میں اسکا حق لے سکتا ہوں؟ میں نے
خود رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو شخص ظلم سے ایک بالشت بھر بھی زمین لے گا قیامت
کے دن اوس کی گردن میں زمین کے ساتوں طبقے طوق کی طرح ڈالے جائیں گے،[3]

---

[1] بخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، [2] بخاری کتاب الوصایا باب تاویل قولہ من بعد وصیة یوصی بہا او دین الآیة [3] بخاری کتاب بدء الخلق باب ما جاء فی سبع ارضین الخ،

(۷) ایکبار حضرت حذیفہؓ نے مدائن میں پینے کے لئے پانی مانگا تو ایک دہقان نے اون کو چاندی کے برتن میں پانی دیا، انھوں نے برتن کو اُٹھا کر پھینک دیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ کفار کو سونا، چاندی، حریر اور دیبا دنیا میں ملے گا، اور تمکو آخرت میں[1]،

(۸) ایک دن حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت یحییٰ بن سعیدؓ کے یہاں آئے تو دیکھا کہ اون کا لڑکا ایک مرغی کو باندھ کر تیر مار رہا ہی، اونھوں نے پاس جا کر مرغی کو کھول دیا، اور لڑکے کو مرغی کے ساتھ لائے اور کہا کہ اس فعل پر لڑکے کو سرزنش کرو، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے کسی جانور یا دوسری چیز کو باندھ کر مار ڈالنے کی ممانعت فرمائی ہی[2]،

(۹) ایک دن آٹھ نو صحابی آپ کی خدمت میں حاضر تھے، آپ نے فرمایا کہ کیا تم میرے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے؟ چونکہ یہ لوگ اس سے کچھ پیشتر ہی بیعت کر چکے تھے، اس لئے اُنھوں نے کہا کہ ہم تو بیعت کر چکے ہیں، لیکن آپ نے بار بار بیعت کرنے کو کہا، تو ان لوگوں نے ہاتھ پھیلا دیئے اور کہا کہ ہم تو بیعت کر چکے ہیں، اب کس چیز پر بیعت کریں؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کو پوجو، کسی چیز کو اوس کا شریک نہ بناؤ، پانچوں وقت کی نماز پڑھو اور خدا کی اطاعت کرو، اور کسی سے کوئی چیز نہ مانگو، اس کے بعد ان میں بعض لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ زمین پر کوڑا گر جاتا تھا لیکن کسی سے اتنا بھی نہیں کہتے تھے کہ اسکو اُٹھا دو[3]،

(۱۰) رسول اللہ صلعم حضرت عمر بن الخطابؓ کو عطیہ دیتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ جو شخص مجھ سے زیادہ اس کا محتاج ہو اوسکو مرحمت فرمائیے، لیکن آپ نے فرمایا کہ اسکو لے لو، اور دولتمند ہو یا صدقہ کرو، تم کو جو مال بغیر حرص اور سوال کے مل جائے اوس کو لے لو،

---

[1] بخاری کتاب اللباس باب لبس الحریر للرجال وقدر مایجوز منہ، [2] بخاری کتاب الذبائح والصید باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ [3] مسلم کتاب الزکوٰۃ باب المسئلۃ للناس،

اور جو نہ ملے اوس کے پیچھے نہ پڑو، اسی حدیث کی بنا پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ
کسی سے کوئی چیز نہیں مانگتے تھے لیکن جب مل جاتی تھی تو اُس کو واپس بھی نہیں کرتے تھے[1]
(۱۱) ایک بار خانہ جنگی کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ میں تھے، اون کی
لونڈی نے آکر سلام کیا اور کہا کہ اب میں یہاں سے نکل جانا چاہتی ہوں، کیونکہ ہم پر زمانہ
بہت سخت ہوگیا ہے، بولے یہیں پڑی رہو، رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مدینہ کی
سختیوں پر صبر کریگا، میں قیامت کے دن اوس کی سفارش کرونگا،[2]
(۱۲) ایک بار وہ مکہ کے راستہ میں جارہے تھے، راہ میں اون کو ایک بدو ملا، تو
اُنھوں نے اوس کو سلام کیا، اور اپنے گدھے پر سوار کرلیا، اور اپنے سر پر جو عمامہ باندھے
ہوئے تھے اوس کو دیا، لوگوں نے اس فیاضی کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو بدو لوگ ہیں، تھوڑی سی
چیز پر راضی ہوجاتے ہیں، بولے اس کا باپ عمر بن الخطاب کا دوست تھا، اور رسول اللہ
صلعم نے فرمایا ہے کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوست کے
اعزہ سے سلوک کرے،[3]
(۱۳) ایک شخص پر حضرت ابوالیسرؓ کا قرض آتا تھا، وہ تقاضے کو آئے اور اُس کے
گھر کے لوگوں سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ جواب ملا کہ گھر میں نہیں ہے، اسی اثنار میں اس کا لڑکا
نکلا تو اُنھوں نے اوس سے پوچھا کہ تمھارا باپ کہاں ہے؟ اوس نے کہا کہ آپ کی آواز
سن کر گھر ہی میں چھپ گیا ہے، اب اُنھوں نے آواز دی تو نکلا، اُنھوں نے چھپ جانے
کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں ایک تنگدست آدمی ہوں، اور میں نے یہ پسند نہیں کیا،

۱؎ مسلم کتاب الزکوۃ باب اباحۃ الاخذ لمن اعطی من غیر مسئلۃ ولا اشراف ۲؎ مسلم کتاب الحج باب الترغیب
فی سکنی المدینۃ ۳؎ مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام ونحوھما

کہ ایک صحابی سے جھوٹ بولوں اور وعدہ کرکے پورا نہ کروں، اُنھوں نے اپنی یادداشت سے اوس کا نام کاٹ دیا اور کہا کہ اگر تم کو روپیہ ملے تو قرض ادا کر دینا، ورنہ وہ معاف ہے، کیونکہ میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے، اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص تنگدست آدمی کو مہلت دے یا اوس کا قرض معاف کر دے تو خداوند تعالیٰ اوسکو اپنے سایہ میں لے لیگا۔[۱]

(۱۴) ایک بار ایک شخص نے حضرت عثمانؓ کی مداحی کی تو حضرت مقدادؓ اُس کے چہرے پر خاک ڈالنے لگے، اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے ہمکو مداحوں کے چہرے پر خاک ڈالنے کا حکم دیا ہے۔[۲]

(۱۵) حدیث میں ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو اٹھا کر اوس کی جگہ نہ بیٹھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے یہ حدیث روایت کی ہے اور اُن کا اس پر اس شدت سے عمل تھا کہ اگر کوئی شخص خود اون کے لئے اپنی جگہ چھوڑ کر اُٹھ جاتا تھا تو وہ اوس جگہ نہیں بیٹھتے تھے۔[۳]

(۱۶) ایک بار حضرت معاویہؓ باہر نکلے تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت ابن صفوانؓ اون کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے، لیکن اُنھوں نے کہا کہ بیٹھ جاؤ، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ لوگ اوس کے لئے کھڑے ہوجائیں، اوس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہیے۔[۴]

(۱۷) ایک بار حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک سائل نے سوال کیا تو انھوں نے

---

[۱] مسلم کتاب الزہد باب حدیث جابر الطویل وقصۃ ابی الیسر [۲] ایضاً باب النھی عن المدح اذا کان فیہ افراط [۳] ترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی کراھیۃ ان یقام الرجل من مجلسہ ثم یجلس فیہ [۴] ایضاً باب فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل

اوس سے کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، اوس نے کہا ہاں، بولے کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول ہیں، اوس نے کہا ہاں بولے رمضان کا روزہ رکھتے ہو اوس نے کہا ہاں، بولے تم نے سوال کیا ہو، اور سائل کا حق ہے، اور ہم پر تمھارے ساتھ سلوک کرنا واجب ہو، یہ کہہ کر اوس کو ایک کپڑا دیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو کپڑا پہنائے گا، تو جب تک اوس کے جسم پر اوس کا ایک چیتھڑا بھی باقی رہے گا، وہ خدا کی حفاظت میں رہے گا۔[1]

(۱۸) ایک بار حضرت ابو بکرہؓ شہادت دینے کے لئے آئے تو ایک شخص اپنی جگہ سے اُٹھ گیا تاکہ وہ اس جگہ بیٹھیں لیکن انھوں نے اوس جگہ بیٹھنے سے انکار کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم نے اسکی ممانعت فرمائی ہے۔[2]

(۱۹) ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس ایک سائل آیا تو انھوں نے اوس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دیا، پھر ایک خوش پوشاک شخص آیا تو اوسکو بٹھا کر کھانا کھلایا، لوگوں نے اس تفریق کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان کے درجہ پر رکھو۔[3]

(۲۰) حضرت عقبہ بن عامرؓ کے کاتب دخین کا بیان ہو کہ ہمارے چند پڑوسی شراب نوش تھے، میں نے اون کو منع کیا لیکن وہ باز نہیں آئے، تو میں نے حضرت عقبہؓ ابن عامرؓ سے کہا کہ ہمارے یہ پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں نے اون کو منع کیا لیکن وہ باز نہیں آئے، اب میں اون کے لئے پولیس کو بلاتا ہوں، بولے ان سے درگذر کرو،

---

[1] ترمذی ابواب الزہد [2] ابو داود کتاب الادب باب فی التحلق [3] ایضاً باب فی تنزیل الناس منازلہم،

پھر میں نے دوسری بار اون سے یہی کہا تو بولے اون سے درگذر کرو، اون کو نصیحت کرو، اون کو دھمکی دو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی برائی کو دیکھکر چھپا لیا، گویا اوس نے زندہ درگور لڑکی کو جلا لیا[1]،

(۲۱) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کسی چیز پر کبھی لعنت نہیں بھیجتے تھے، اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو لعنت بھیجنے والا نہیں ہونا چاہیے[2]،

(۲۲) حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ایک بحری غزوہ میں کچھ لوگ شریک تھے، اتفاق سے اون کا جہاز حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے جہاز سے ملاقی ہو گیا، اس لئے جب اون لوگوں کا کھانا آیا، تو اُن لوگوں نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو بھی بلا بھیجا، وہ آئے تو کہا کہ تم نے مجھے کھانے پر بلایا ہے، اور میں روزے سے ہوں، لیکن بایں ہمہ میرے لئے قبولِ دعوت سے چارہ کار نہ تھا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق عائد ہوتے ہیں، جن میں ایک دعوت کا قبول کرنا بھی ہے[3]،

(۲۳) حضرت جابر بن ابی جُحیمیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مجھے کچھ نصیحتیں فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو، گو وہ اسی قدر ہو کہ تم کسی پیاسے کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈال دو، یا اپنے بھائی سے خندہ جبیں ہو کر بات کرو، تہ بند کو زمین پر نہ لٹکا دو کیونکہ یہ غرور ہے، اور

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب فی الستر علی المسلم، [2] ادب المفرد باب المومن بالطعان، [3] ایضاً باب تشمیت العاطس،

خدا اوس کو پسند نہیں کرتا، اور اگر کسی شخص کو تمھاری کوئی بُرائی معلوم ہو، اور
وہ تم پر اوس کا عیب لگائے، اور تم کو بھی اوس کی کوئی بُرائی معلوم ہو تو تم اوس پر
اُس کا عیب نہ لگاؤ، اوس کا وبال اوس پر ہوگا، اور تمھارا ثواب تم کو ملے گا،
اور کسی چیز کو بُرا بھلا نہ کہو، وہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی جانور یا انسان
کو بُرا بھلا نہیں کہا[1]

[1] ادب المفرد باب الاحتباء،
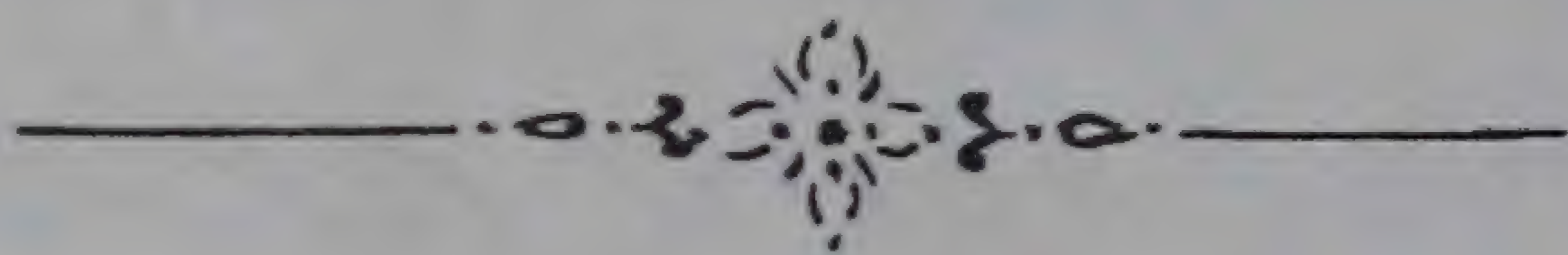
(۳) رسول اللہ صلعم کے اخلاق کا اثر

قرآن مجید اور رسول اللہ صلعم کے اخلاقی تعلیمات کے بعد دور نبوت میں نظام اخلاق کی عملی تشکیل کا ایک بڑا سبب خود رسول اللہ صلعم کی اخلاقی زندگی تھی، جس کو محدثین کی اصطلاح میں "ہدی صالح"، یعنی عمدہ روش کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہو، اور صحابۂ کرام کی اخلاقی زندگی تمام تر اسی "ہدی صالح"، کے نمونہ پر قائم ہوئی، اور قائم رہی، بالخصوص صحابہ میں جو لوگ زیادہ مقرب بارگاہ تھے، اون کی عملی زندگی تو تمام تر اسی اخلاقی سانچے میں ڈھل گئی، مثلاً حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ رسول اللہ صلعم کے خدام خاص میں تھے، مسواک اٹھا کر رکھنا جوتہ پہنانا، سفر کے موقع پر کجاوہ کسنا اور عصا لے کر آگے آگے چلنا، اون کی مخصوص خدمت تھی، اور اس خدمت گذاری کے ساتھ آپ کے ہمدم وہمراز بھی تھے، اس تقریب سے اون کو آپ کی خدمت میں حاضر رہنے کے مواقع بہ کثرت نصیب ہوتے تھے، یہاں تک کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ جب ہملوگ یمن سے آئے تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو آپ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ اون کو خاندان رسالت کا ایک رکن خیال کرنے لگے، اس بنا پر اون کی اخلاقی وعملی زندگی تمام تر رسول اللہ صلعم کے نمونہ ومثال پر قائم ہوئی، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہی کہ

ان اشبه الناس دلا وسمتا وهدیا	طور طریقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلعم کے ساتھ تمام لوگوں سے
لابن ام عبد من حین یخرج من	بہت زیادہ مشابہ تھے اور جب تک وہ گھر سے
بیتہ الی ان یرجع الیہ لاندری	نکل کر گھر کے اندر جاتے تھے، اونکی یہ روش قائم
ما یصنع فی اهلہ اذا خلا،	رہتی تھی، لیکن ہمکو یہ معلوم نہیں کہ گھر کے اندر تنہائی
(بخاری کتاب الادب باب الھدی الصالح)	میں اہل وعیال کیساتھ اونکا طرز عمل کیا تھا،

اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اسی روایت کی بناء پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے تلامذہ اسی حدیث کی بناء پر اون کے طور طریقہ کو بغور دیکھتے رہتے تھے، اور ان کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے تھے،

حافظ ابن حجر نے اور مقربان بارگاہ کی نسبت بھی اسی قسم کی روایتیں نقل کی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ طور وطریقہ میں آپ کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ تھے اور اُنکے ساتھ اُنکے بیٹے عبداللہؓ اور عبداللہؓ کیساتھ اُنکے بیٹے سالم بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے،

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مجھکو فاطمہؓ سے زیادہ کوئی شخص طور طریقہ میں رسول اللہ صلعم کا مشابہ نظر نہیں آیا،

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ صلعم کے طور وطریقہ کو دیکھنا پسند کرتا ہے، وہ عمرو بن اسودؓ کے طور وطریقہ کو دیکھے، ایک بار اون کو حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بولے کہ میں نے نماز، طور طریقہ، خشوع اور لباس میں ان سے زیادہ رسول اللہ صلعم کا ہمرنگ کسی کو نہیں دیکھا،[1]

اس کلی مشابہت کے ساتھ صحابۂ کرام کے جزئیات اخلاق میں بھی آپ ہی کے اخلاق

---

[1] فتح الباری جلد ۱۰ ص ۴۲۵

کی جھلک نظر آتی ہے مثلاً رسول اللہ صلعم کی ایک اخلاقی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نہایت سہولت پسند واقع ہوئے تھے، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم کو دو چیزوں کے انتخاب کا موقع ملتا تھا، تو آپ دونوں میں سہل ترین چیز کو انتخاب فرماتے تھے بشرطیکہ وہ گناہ میں داخل نہ ہو، اور رسول اللہ صلعم کی یہ اخلاقی خصوصیت صحابۂ کرامؓ کی عملی زندگی میں بھی نظر آتی ہے، چنانچہ ایک موقع پر حضرت ابو برزہ اسلمیؓ گھوڑے پر سوار ہوکر آئے اور نماز پڑھنے لگے، اور گھوڑے کو چھوڑ دیا، گھوڑا بھاگا، تو نماز چھوڑ کر اوس کو پکڑ لائے پھر نماز ادا کی، اس حالت کو دیکھکر ایک شخص نے کہا کہ اس بڈھے کو دیکھو کہ اوس نے گھوڑے کے لئے نماز چھوڑ دی۔ اب حضرت ابو برزہ اسلمیؓ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے کہ "جب سے میں رسول اللہ صلعم سے جدا ہوا مجھکو کسی نے سخت بات نہیں کہی، میرا گھر دور ہے اگر میں نماز پڑھتا اور گھوڑے کو چھوڑ دیتا تو شام تک اپنے گھر نہیں پہنچتا، میں نے آپ کی صحبت اختیار کی ہے، اور آپ کی سہولتوں کو دیکھا ہے"[۱]

ایک بار حضرت انس بن مالکؓ چند بچوں کے پاس سے گذرے تو اون کو سلام کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلعم ایسا ہی کرتے تھے،[۲]

اگر انکو کوئی شخص کوئی خوشبو ہدیۃً دیتا تھا تو واپس نہیں کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو واپس نہیں فرماتے تھے،[۳]

---

[۱] بخاری کتاب الادب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا وکان یحب التخفیف والتیسیر علی الناس، [۲] بخاری کتاب الاستیذان باب التسلیم علی الصبیان [۳] ترمذی کتاب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی کراھیۃ رد الطیب،

دورِ نبوت میں اجتماعی اخلاق کے نمایاں عملی مظاہر

دورِ نبوت میں مکہ کی زندگی ابتلاؤ امتحان کی زندگی تھی، اس لئے اس زندگی میں عملاً صحابہ کرام کے جن اخلاق کا ظہور ہوا وہ صبر و استقامت تھے، چنانچہ کفار نے بیکس صحابہ پر جو مظالم کئے اون کو اونھوں نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا، اور اونکی جبینِ استقلال پر شکن تک نہ آئی، امام شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت خبابؓ نے ان مظالم پر صبر کیا، اور کفار کی بات نہیں مانی اس لئے کفار نے اون کو پتھر کی ایک گرم چٹان پر لٹا دیا جس کے اثر سے اون کی پیٹھ کا گوشت جل بھن کر اوڑ گیا، اگر مقتضائے فطرتِ بشری سے کبھی زبان پر حرفِ شکایت آبھی گیا تو رسول اللہ صلعم کی اخلاقی تعلیم نے اوس کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا، چنانچہ ایک بار ان مظلوموں نے آپ کی خدمت میں ان مظالم کی شکایت کی تو چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے ایسے لوگ موجود تھے، جن کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا، پھر اون کے سر پر آرہ چلایا جاتا تھا، اون کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں، لیکن یہ تکلیفیں اون کو دین سے برگشتہ نہیں کرسکتی تھیں، خدا اس دین کو مکمل کریگا، یہاں تک کہ صنعاء سے حضر موت تک ایک شتر سوار سفر کریگا اور اوس کو صرف خدا کا اور اپنی بکریوں کے لئے بھیڑیئے کا ڈر ہوگا،

لیکن تم لوگ جلدی کر رہے ہو[1]،

ایک بار کفار مکہ کی پتھریلی زمین میں، حضرت سمیہ[ؓ]، اون کے بیٹے عمار اور اون کے شوہر یاسر کو اسی طرح اذیتیں دے رہے تھے کہ اسی حالت میں رسول اللہ صلعم کا گذر ہوا، اور آپ نے فرمایا کہ "اے آل یاسر صبر کرو تمھارا ٹھکانا جنت میں ہے[2]، لیکن ان مظلوموں میں بعض بزرگ ایسے بھی تھے جو صبر و تحمل کے ساتھ شجاعت کا اظہار بھی کرتے تھے، چنانچہ حضرت ابوذر غفاری[رض] نے جب مکہ میں اسلام قبول کیا تو گو وہ اس وقت بالکل غریب الوطن تھے اور مکہ میں اون کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا، تاہم اُنھوں نے نہایت پر جوش طریقہ پر کفار کے سامنے اپنے عقیدہ کا اعلان کیا، اور مسجد حرام میں آکر بآواز بلند کلمۂ توحید پڑھا، اگرچہ اس پر کفار کے ہاتھوں اذیتیں اُٹھائیں لیکن اون کی شجاعت میں کوئی فرق نہیں آیا، اور دوسرے روز پھر اسی طرح اس کلمہ کا اعادہ کیا[3]،

مکہ میں رسول اللہ صلعم کے سوا صحابۂ کرام میں کوئی شخص علانیہ قرآن کے پڑھنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا لیکن یہ اون کی متفقہ خواہش تھی، اور اس خواہش کو حضرت عبداللہ بن مسعود[رض] نے پورا کیا اور ٹھیک دوپہر کے وقت خانہ کعبہ میں آکر قریش کے مجمع کے سامنے قرآن مجید کی ایک آیت بآواز بلند پڑھی، تمام کفار اس صدا کو سنکر اُن پر لوٹ پڑے اور اُن کے چہرے پر زخم لگائے، لیکن وہ برابر آیت کو پڑھتے رہے، پلٹے تو صحابۂ کرام نے اون کے چہرے کے زخم کو دیکھکر کہا کہ ہمکو اسی کا خوف تھا، بولے خدا کے دشمن مجھے آج سے زیادہ کبھی کمزور نظر نہیں آئے، کہو تو کل بھی اسی طرح اُن کو علانیہ قرآن سناؤں[4]،

---

[1] اسد الغابہ تذکرۂ خباب بن الارت[رض]، [2] ایضاً تذکرۂ حضرت سمیہ[رض]، [3] بخاری باب اسلام ابی ذر[رض]

[4] اسد الغابہ تذکرۂ حضرت عبداللہ بن مسعود[رض]،

حضرت عمرؓ نے بھی اپنے اسلام کا اعلان نہایت دلیری سے کیا، پہلے تو اپنے ماموں سے اس کا اظہار کیا، پھر قریش کے ایک سردار کو اسکی اطلاع دی، اس پر بھی قناعت نہ ہوئی تو ایک شخص کے کان میں جو راز کے فاش کرنے میں بدنام تھا، اس کو بطور راز کے کہا، اس وقت کفار خانہ کعبہ میں حجر اسود کے پاس جمع تھے، اوس نے سب کے سامنے اس راز کو فاش کر دیا، اور اب کفار اور حضرت عمرؓ میں ہاتھا پائی ہونے لگی، لیکن یہ امر انکی توقع کے خلاف نہ تھا، بلکہ اُنھوں نے ایسا صرف اس لئے کیا تھا کہ جو مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں، اوس میں وہ بھی شریک ہوں[۱]،

ہجرتِ مدینہ سے پہلے صحابۂ کرام کی صداقت اور حق گوئی کا اظہار، ہجرتِ حبشہ میں نجاشی کے دربار میں اوس وقت ہوا جب کفار نے دو معزز آدمیوں کو اون کی واپسی کے لئے روانہ کیا، ان دونوں کی کوشش تو یہ تھی کہ نجاشی اور صحابہ میں کسی قسم کی گفتگو نہ ہونے پائے، لیکن نجاشی نے اس کو منظور نہیں کیا، اور صحابہؓ کو گفتگو کرنے کے لئے طلب کیا، یہ ایک خطرناک موقع تھا، لیکن تمام صحابہ نے بالاتفاق طے کیا کہ نتیجہ جو کچھ ہو، ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہمکو یقین ہے، اور جس کا ہمکو رسول اللہ صلعم نے حکم دیا ہے، چنانچہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے اوس کے سامنے اسلام کی تعلیمات کو صداقت کے ساتھ بیان کیا اور اُسکی خواہش سے قرآن مجید کی چند آیتیں سنائیں جنکو سن کر وہ رو پڑا، یہ کوشش ناکام رہی، تو کفار نے نجاشی کے اشتعال دلانے کے لئے کہا کہ "یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں، اون کو بلا کر اون کے بارے میں دریافت کیا جائے،" یہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک موقع تھا،

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عمرؓ،

لیکن اس موقع پر بھی تمام صحابہؓ نے یکزبان ہو کر کہا کہ "نتیجہ کچھ ہو لیکن ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی کہیں گے جس کی تعلیم ہمکو خدا اور خدا کے رسول نے دی ہے" چنانچہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے اسکے اس سوال کا یہ جواب دیا کہ "وہ خدا کے بندے، اوسکے پیغمبر، اوسکی روح اور اوس کے کلمہ ہیں"، اب نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی اٹھاکر کہا کہ "عیسیٰ بن مریم اس سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں"[1]

ہجرت مدینہ کے بعد ابتلا و امتحان کا یہ دور ختم ہوا تو اسلامی اخلاق میں ہمدردی، ایثار، اور مہمان نوازی کا ایک موثر اخلاقی منظر مدینہ میں نظر آیا، کیونکہ جو صحابہ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تھے وہ بالکل بے خانماں اور بے سرو سامان تھے، لیکن انصار نے ان سب کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا، اور دل کھول کر اون کی مہمانی کی، مہاجرین و انصار میں مواخات کا رشتہ قائم ہوا، اور انصار نے مہاجرین کو ہر چیز میں اپنا شریک بنا لیا، یہاں تک کہ ایک دولتمند انصاری نے ایک مہاجر کو اپنی دولت کا نصف حصہ تقسیم کرنا چاہا تو کہا کہ میرے نکاح میں دو عورتیں ہیں، ان میں تم کو جو پسند آئے اوس کا انتخاب کر لو میں اوس کو طلاق دیدوں، اور تم اس سے عدت گذر جانے کے بعد نکاح کر لو۔[2]

مواخات کا یہ رشتہ اس قدر مضبوط بنیاد پر قائم ہوا کہ مہاجرین انصار کے شریک وراثت ہو گئے، اس لئے جب کوئی انصاری مرتا تھا تو اوس کا مال و جائداد اس کے مہاجر بھائی کو ملتا تھا، اور خود اس کے اقربا محروم رہتے تھے۔[3]

مہاجرین مکہ کے علاوہ جو وفود اور مہاجرین دوسرے شہروں سے آتے تھے،

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲-۲۰۳، [2] بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار [3] بخاری کتاب الفرائض باب ذوی الارحام،

اون کی مہمانداری کی خدمت بھی انصار ہی سے متعلق تھی اور وہ اس خدمت کو جس فیاضی کے ساتھ انجام دیتے تھے، اوس کا اعتراف رسول اللہ صلعم کے سامنے وفد عبد القیس نے ان الفاظ میں کیا، "یہ لوگ کتنے اچھے بھائی ہیں، ہمارے لئے نرم بچھونے بچھائے، ہم کو عمدہ کھانے کھلائے، اور ہمکو کتاب وسنت کی تعلیم دیتے رہے"[1]

ایک بار رسول اللہ صلعم کے ایمار سے ایک انصاری نے ایک مفلوک الحال مہاجر شخص کو اپنا مہمان بنایا، گھر میں صرف بچوں کا کھانا تھا، لیکن بی بی سے کہا کہ بچوں کو کسی چیز سے بہلاؤ اور دوسری روایت میں ہو کہ اون کو سلادو اور جب مہمان گھر میں آئے تو چراغ بجھادو اور بچوں کا کھانا مہمان کے سامنے رکھدو، چنانچہ مہمان کے سامنے کھانا رکھا گیا تو میاں بی بی بھی کھانے پر ساتھ بیٹھے اور یہ ظاہر کرتے رہے کہ گویا ساتھ کھا رہے ہیں، صبح کو رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، توآپ نے فرمایا کہ "رات خدا تم میاں بی بی کے اس حسنِ سلوک سے بہت خوش ہوا" اور دوسری روایت میں ہو کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ[2] (حشر-۱)	اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو (مہاجرین بھائیوں کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں،

مدنی زندگی میں اور مہاجرین سے زیادہ اصحابِ صفہ اعانت کے محتاج تھے، کیونکہ ان لوگوں نے تمام وسائلِ معاش کو چھوڑ کر صرف مذہبی خدمات پر اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں اس لئے نہایت عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے، اون کی معاش کا دار مدار زیادہ تر انصار کی اعانت پر تھا، اور انصار میں جو لوگ فیاض طبع تھے وہ روزانہ شام کو حسب مقدور

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۳۲، [2] مسلم کتاب الاشربہ باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ،

اصحاب صفہ میں سے ایک ایک، دو دو یا اس سے زیادہ آدمیوں کو لیجا کر کھانا کھلاتے تھے، ان میں حضرت سعد بن عبادہؓ سب سے زیادہ فیاض تھے اور وہ اسی اسی آدمیوں کو ساتھ لیجا کر کھانا کھلاتے تھے[۱]

اس تعاون، اس ایثار اور اس اخوت کی بہترین مثال قبیلہ اشعری کے لوگوں نے قائم کی تھی، اس لئے رسول اللہ صلعم اون کو نہایت محبوب رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ قبیلۂ اشعری کے لوگ جب غزوات میں تہی دست ہو جاتے ہیں یا خود مدینہ میں اون کے پاس غلہ کم رہجاتا ہی، تو اون کے پاس جو غلہ رہجاتا ہی، اسکو ایک کپڑے میں جمع کر کے ایک برتن میں برابر برابر تقسیم کر لیتے ہیں، یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں اون سے ہوں[۲]

مدینہ میں فقرا و مساکین کی اعانت و ہمدردی کا سب سے بڑا ذریعہ زکوۃ تھی اور مدینہ میں زکوۃ کی فرضیت نے ایک موثر اخلاقی منظر پیدا کر دیا تھا، چنانچہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو بعض لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں خیرات کیں جس کو دیکھکر کفار نے کہا کہ یہ ریاکاری ہے، لیکن جو لوگ نادار تھے وہ بھی بازار میں جاکر محنت مزدوری کرتے تھے اور اجرت میں جو کچھ ملتا تھا، اوس کو خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے، ایک شخص نے اجرت میں ایک صاع غلہ پایا اور اوس کو خیرات کر دیا تو کفار نے اس حقیر فیاضی کو دیکھکر کہا کہ خدا اس سے بے نیاز ہی[۳]

اگرچہ محصلِ زکوۃ کو زکوۃ میں بہترین مال لینے کا حکم نہ تھا، لیکن بہت سے صحابہؓ اپنے مال کا بہترین حصہ بخوشی بلکہ باصرار دیتے تھے، چنانچہ ابوداؤد کتاب الزکوۃ، باب

[۱] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہؓ، [۲] بخاری کتاب الشرکۃ فی الطعام [۳] بخاری کتاب الزکوۃ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ مع فتح الباری،

نی زکوٰۃ السلام میں اس قسم کے متعدد واقعات مروی ہیں، مدنی زندگی میں اسلامی اخلاق کا ایک موثر مظہر جہاد تھا جس میں صحابہ کرام کے محاسنِ اخلاق کا ظہور مختلف صورتوں میں ہوتا تھا، مثلاً آغاز اسلام میں جہاد کے لئے سب سے زیادہ ضرورت مصارف اور سامانِ حرب کی تھی، اور صحابہ کرام نے ان ضروریات کے لئے مال دولت، اونٹ گھوڑے اور آلاتِ حرب وغیرہ سے مختلف مواقع پر اسلام کی اعانت کی، چنانچہ احادیث کی کتابوں میں اس قسم کے بہ کثرت واقعات مذکور ہیں، صبر و تحمل کی بہترین مثالیں مدینہ میں آکر صحابۂ کرام نے غزوات میں قائم کیں، چنانچہ ایک غزوہ میں صحابۂ کرام کو فی کس روزانہ صرف ایک کھجور ملتی تھی جس کو وہ بچوں کی طرح چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے، اور درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر لاتے تھے اور ان کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے[1]۔

ایک غزوہ میں سامانِ رسد ختم ہوگیا تو صحابۂ کرام کھجور کی گٹھلیاں چوس چوس کر پانی پی لیتے تھے[2]۔

غزوۂ ذات الرقاع میں چند صحابہ کے درمیان صرف ایک سواری تھی جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے، اس لئے پیدل چلتے چلتے تلوؤں میں سوراخ ہوگئے تھے، پاؤں کے ناخن گر پڑے تھے، مجبوراً ان بزرگوں کو پاؤں میں چیتھڑے لپیٹنے پڑے، اسی وجہ سے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا، کیونکہ رقاع کے معنی چیتھڑے کے ہیں[3]،

جان نثاری اور جانبازی کی اکثر مثالیں غزوات ہی میں قائم ہوئیں، چنانچہ

---

[1] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی دواب البحر [2] مسلم کتاب الایمان باب لقی اللہ بالایمان وہو غیر شاک فیہ دخل الجنۃ وحرم علی النار،

[3] مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ الرقاع،

غزوۂ بدر میں جب آپ نے کفار کے مقابلہ کے لئے صحابۂ کرام کو طلب کیا تو حضرت مقدادؓ بولے کہ "ہم وہ نہیں ہیں جو موسیٰ کی قوم کی طرح کہدیں :

فاذهب انت وربك فقاتلا (مائدہ-۴) تم اور تمھارے خدا جاؤ اور لڑو،

بلکہ ہم آپ کے دائیں سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے، آپ نے یہ جان نثارانہ فقرے سنے تو چہرۂ مبارک فرطِ مسرت سے چمک اٹھا،[۱]

خلوص وصداقت کا جو جذبہ صحابۂ کرام کے دلوں میں تھا اوس کا موثر نظارہ غزوات ہی میں نظر آتا تھا، غزوۂ تبوک کی شرکت کے لئے حضرت واثلہ بن اسقعؓ کے پاس سواری نہ تھی، مجبوراً ایک انصاری کے اونٹ پر اس شرط پر سوار ہوئے کہ مالِ غنیمت سے جو حصہ ملے گا وہ اوس کا ہوگا، چنانچہ مالِ غنیمت تقسیم ہوا، تو چند عمدہ اور نوجوان اونٹنیاں اون کے حصے میں آئیں اور اونھوں نے حسبِ معاہدہ انصاری کو دینا چاہیں، لیکن انصاری نے کہا کہ ان کو لیجاؤ، ہمارا مقصود یہ نہ تھا، بلکہ کچھ اور تھا یعنی ثواب جہاد،[۲]

رسول اللہ صلعم پر ایک بدو ایمان لایا، ایک غزوہ میں مالِ غنیمت ہاتھ آیا، تو آپ نے اوس کا بھی حصہ لگایا، لیکن وہ اس حصہ کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا یہ کیا ہے؟ میں اس کے لئے آپ پر ایمان نہیں لایا، بلکہ اس لئے ایمان لایا ہوں کہ میرے حلق میں تیر لگے، اور میں شہید ہوکر جنت میں داخل ہوں، آپ نے فرمایا کہ اگر تم خدا کی تصدیق کرتے ہو تو خدا بھی تمھاری تصدیق کریگا، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جب پھر جنگ شروع ہوئی تو وہ حلق میں تیر کھاکر شہید ہوگیا، صحابہؓ اوسکو اٹھا کر آپ کی خدمت میں

[۱] بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم الیٰ قولہ شدید العقاب

[۲] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الرجل یکری دابتہ علی النصف او السھم،

لائے تو فرمایا کہ اُس نے خدا کی تصدیق کی تو خدا نے بھی اسکی تصدیق کی۔[۱]

صحابیات کی اخلاقی خدمات کا سب سے زیادہ ظہور غزوات ہی میں ہوا، وہ زخمیوں کی تیمار داری کرتی تھیں، اُنکی دوا علاج کا سامان ساتھ رکھتی تھیں، مجاہدین کو تیر اُٹھا اُٹھا کے دیتی تھیں، اُنکو ستو گھول گھول کے پلاتی تھیں، اُنکے اسباب کی نگرانی کرتی تھیں، اونکے لئے کھانا پکاتی تھیں، پیٹھ پر مشک اُٹھا اُٹھا کے لاتی تھیں اور اُنکو پانی پلاتی تھیں، میدانِ جہاد سے زخمیوں اور مقتولوں کو اُٹھا اُٹھا کے لاتی تھیں اور اُنکی مشکیں سیتی تھیں، چنانچہ ابو داؤد، مسلم اور بخاری کتاب الجہاد میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں،

اسلام نے پابندی عہد کی جو اخلاقی تعلیم دی تھی اُسکی ایک روشن مثال غزوات ہی میں قائم ہوئی، چنانچہ امیہ بن خلف میں اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ میں یہ تحریری معاہدہ ہوا تھا کہ وہ مکہ میں اُنکے اہل وعیال اور مال و دولت کی حفاظت کریگا، اور مدینہ میں وہ اسکے اہل وعیال اور مال و دولت کی حفاظت کرینگے، چنانچہ غزوۂ بدر پیش آیا تو لوگوں کے سو جانے کے بعد وہ اسکی حفاظت کو نکلے، لیکن حضرت بلالؓ نے اُسکو دیکھ لیا اور چند انصاریوں کیساتھ اُسکے قتل کرنے کیلئے روانہ ہوئے، اُمیہ نہایت فربہ آدمی تھا، جب یہ لوگ اُسکے پاس پہنچ گئے تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے اُس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ، وہ بیٹھ گیا، تو اُسکی حفاظت کیلئے اپنے آپ کو اُسکے اوپر ڈال دیا، کہ بچ جائے، لیکن ان لوگوں نے اُنکے نیچے سے تلواریں لگانا شروع کر دیں، یہاں تک کہ اوس کو قتل کر دیا اور خود حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کا پاؤں زخمی ہو گیا۔[۲]

صحابۂ کرام کے اور بھی بہت سے فضائلِ اخلاق کا ظہور غزوات ہی میں ہوا اور اس حیثیت سے احادیث میں کتاب المغازی اور کتاب الجہاد گویا اسلام کی اخلاقی تاریخ کا ایک نمایاں باب ہیں،

صحابۂ کرام کے فضائلِ اخلاق کا ایک نہایت نمایاں اجتماعی مظہر رسول اللہ صلعم کی ذات پاک

[۱] نسائی کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی الشہداء [۲] بخاری کتاب الوکالۃ باب اذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب او فی دار الاسلام جاز۔

تھی کیونکہ آپؐ کے ساتھ صحابۂ کرام کو جو عقیدت و محبت تھی، اور وہ آپ کیساتھ جس ادب و احترام کیساتھ پیش آتے تھے وہ آنکھوں کے سامنے ایک نہایت موثر اخلاقی منظر پیش کر دیتا تھا، عروہ بن مسعودؓ نے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں اسی اخلاقی منظر کو دیکھا تھا، اور کفار مکہ کے سامنے اُسکی کیفیت ان الفاظ میں بیان کی تھی،

"خدا کی قسم میں بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں گیا ہوں، لیکن مجھے کوئی ایسا بادشاہ نظر نہیں آیا جسکے رفقار اُسکی اسقدر عزت کرتے ہوں، جسقدر محمد (صلعم) کے اصحاب محمد (صلعم) کی کرتے ہیں، خدا کی قسم جب وہ تھوکتے ہیں تو اُنکا تھوک کسی نہ کسی کے ہاتھ میں پڑتا ہے اور وہ اُسکو اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے، اور جب وہ اُنکو کوئی حکم دیتے ہیں تو اُسکی تعمیل میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانا چاہتا ہے، جب وہ وضو کرتے ہیں تو اُنکے وضو کے پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں، جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو اُنکے پاس اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں، اور عزت کی وجہ سے اُنکو آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے۔"[1]

ان تمام واقعات کے پیش نظر ہو جانے کے بعد ہر شخص کو علانیہ نظر آسکتا ہے کہ جس طرح اسلام نے اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی، اسی طرح اسلام کی تاریخ میں اس قسم کے اجتماعی حالات بھی پیش آتے رہے، جن کی وجہ سے ان اخلاق کو عملی ظہور کا موقع ملا۔

---

[1] بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط،